تذکرۃ المحدّثین

ائمہ اربعہ مجتہدین، امام محمد، امام طحاوی اور مصنفین
صحاح ستہ کی شخصیات اور مشہور تصانیف کا تفصیلی تعارف

مولانا علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہٗ

استاذ شعبہ حدیث جامعہ نعیمیہ لاہور

مکتبہ قادریہ ◎ لاہور

کتاب — تذکرۃ المحدثین

تصنیف — علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ

تعارف — مولانا علامہ مفتی عبد القیوم ہزاروی مدظلہ

کتابت — حافظ منظور احمد تلمیذ خورشید رقم

پروف ریڈنگ — مولانا محمد منشا تابش قصوری

طباعت بار اول — ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ ۱۹۷۷ء

مطبع — [illegible] پریس لاہور

صفحات — ۳۲۸

قیمت اعلیٰ جلد — ۱۶/۵۰ روپے

ناشر

محمد عبد الحکیم شرف قادری

ملنے کا پتہ

مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ لاہور

نذر

بگرامی خدمت استاذ محترم

حضرت علامہ مفتی محمد حسین صاحب نعیمی مدظلہ

ناظم اعلیٰ

دارالعلوم جامعہ نعیمیہ لاہور

غلام رسول سعیدی غفرلہ
مدرس
جامعہ نعیمیہ لاہور

تحدیثِ نعمت

کچھ عرصہ پہلے جامعہ نظامیہ میں تصنیف و تالیف کا شعبہ قائم کیا گیا جہاں مختلف موضوعات پر تحقیقی کام ہوتا رہا اس کے قیام نے اہل سنت و جماعت کی ایک دیرینہ آرزو کو پورا کر دیا، مختصر مدت میں اس شعبہ نے اتنا موثر کام کیا کہ یگانے رطب اللسان اور بیگانے ششدر و حیران رہ گئے۔ اس شعبہ کو باقاعدہ منظم کرنے کے لیے حضرت مولانا علامہ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی کے ارشاد پر ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو مجلس مشاورت طلب کی گئی جس میں مندرجہ ذیل صاحبان علم و فضل اور اہل قلم حضرات نے شرکت فرمائی۔

حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم قادری رضوی۔ الحاج حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری، مولانا قاضی عبد النبی صاحب کوکب ایم۔اے، حضرت مولانا مفتی غلام سرور قادری، علامہ غلام رسول صاحب سعیدی، مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری، مولانا محمد جعفر ضیائی، جناب راجا رشید محمود ایم۔اے، مولانا سید غلام مصطفےٰ عقیل، مولانا حافظ عبد الستار، مولانا محمد صدیق صاحب، محمد منشا تابش قصوری۔ اس مجلس میں متفقہ طور پر طے پایا کہ جامعہ نظامیہ کے شعبہ تصنیف و تالیف کو مضبوط اور منظم کیا جائے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر جامعہ کے ناظم اعلیٰ اور حاضرین نے مکرم الحاج حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری صدر مرکزی مجلس رضا لاہور کو سرپرستی کی درخواست کی، جسے انہوں نے قبول کر لیا اور ساتھ ہی اس شعبہ کی انتظامی مجلس حسبِ ذیل قرار دی گئی۔

صدر: حضرت مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی۔ نگران: مولانا علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری۔

ناظم: محمد منشا تابش قصوری۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ مجلس کی اس باقاعدہ تنظیم سے قبل بھی شعبہ نے بڑی عمدگی سے قابلِ قدر خدمات انجام دے کر اکابر اہل سنت سے خراج تحسین حاصل کیا۔ ان سطور میں شعبہ کی کارکردگی پیش کی جا رہی ہے ایک نظر ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری کی مطبوعہ تصانیف:

- تذکرہ اکابر اہل سنت
- سراج الفقہاء (مولانا سراج احمد)
- یادِ اعلیٰحضرت (اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے حالات)،
- مسائل اہل سنت: آپ کی وہ مطبوعہ کتب جن پر حواشی، مقدمے، تتمے یا تعارف لکھے:

○ باغی ہندوستان (حالات مولانا فضل حق خیرآبادی ؛ مقدمہ و تتمہ (اردو) ○ سیف الجبار (از مولانا
شاہ فضل رسول بدایونی) مقدمہ (اردو) ○ مرقاۃ (منطق) حاشیہ عربی (حاشیہ قاضی مبارک از علامہ فضل حق
خیرآبادی تعارف عربی ○ الحدیقۃ الندیہ تعارف عربی ○ اجلی الاعلام تعارف عربی ○ نام حق حاشیہ اردو ،
○ کریما حاشیہ اردو ؛

(تصانیف محمد منشا تابش قصوری) :-

○ جامعہ نظامیہ رضویہ کا تاریخی جائزہ ○ محمد نورؐ ○ اغثنی یا رسول اللہ ○ محبوب الحقہ (فارسی) ترجمہ اردو۔
مقالات (اعلیٰ حضرت کے بارے میں مجموعہ) از مولانا محمد صدیق ، مولانا حافظ عبدالستار ، مولانا سید
غلام مصطفیٰ عقیل۔

ان مطبوعات کے علاوہ عنقریب مندرجہ ذیل کتابیں بھی شعبہ کی طرف سے پیش کی جائیں گی ۔

مولانا علامہ محمد مشتاق احمد صاحب چشتی استاذ الحدیث انوار العلوم ملتان ؛ مقام سنت

مولانا حافظ محمد عبدالستار صاحب	تصانیف علماء اہل سنت
مولانا محمد صدیق صاحب ہزاروی	تعارف علماء اہل سنت پاکستان
جناب راجا رشید محمود ایم ۔اے	تذکرہ حضرت صدر الافاضل
محمد منشا تابش قصوری	تذکرہ حضرت محدث اعظم پاکستان

تذکرۃ المحدثین اس وقت آپ کے سامنے ہے یہ حسین و جمیل علمی و تحقیقی تصنیف حضرت علامہ مولانا غلام رسول صاحب سعیدی کے قلم کا وہ عظیم شاہکار ہے جس نے نہ صرف دورِ حاضر کی ایک اہم ضرورت کو پورا کر دیا ہے بلکہ اس کاوش سے مستقبل کا مؤرخ استفادہ کئے بغیر نہ رہ سکے گا ۔ اس زندہ و جاوید کتاب پر بصیرت افروز تعارف سونے پر سہاگہ کا مصداق ہے جو حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم قادری رضوی کے فکر و نظر کی گہرائی و گیرائی پر دال ہے ۔

ہم اس عظیم تذکرہ کو احساس تفاخر کے ساتھ نہیں بلکہ تحدیث نعمت کے طور اہل علم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں ۔

محمد منشا تابش قصوری

ناظم شعبہ تصنیف ، تالیف جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معروضہ

کافی عرصہ سے میرے دل میں اشتیاق تھا کہ مشاہیر آئمہ اور محدثین کی شخصیات اور خدمات پر تعارف اور تبصرہ لکھوں تاکہ کتب متداولہ کا مطالعہ کرنے والے طلباء کتاب کی خصوصیات اور اس کے مصنف کے حالات پر مطلع ہو سکیں۔ اسی دوران تنظیم المدارس کا قیام عمل میں آیا اور اس کی مرتب کردہ امتحانی پرچوں میں ایک سوال مصنف اور کتاب کے بارے میں ضروری معلومات کے سلسلہ میں بھی تھا۔ اس وجہ سے یہ شوق اور بھی بڑھ گیا۔

پچھلے سال حضرت علامہ مفتی محمد عبد القیوم صاحب مہتمم جامعہ نظامیہ و ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس نے ایک علمی مجلس میں مجھ سے اس موضوع پر کتاب لکھنے کی فرمائش کی مجھے چونکہ خود بھی اس عنوان پر کام کرنے کا خیال تھا لہٰذا ان کی فرمائش کے بعد میں نے اس کتاب کی تدوین کیلئے کام کرنا شروع کر دیا۔

میں اس کتاب کی تیاری کے سلسلہ میں عزیز القدر محمد سرفراز نعیمی کا مشکور ہوں جنہوں نے جامعہ نعیمیہ کی لائبریری اور شعبہ تصنیف و تالیف سے مجھے ضروری کتب فراہم کیں کتابوں کی فراہمی کے سلسلہ میں میرے قدیم رفیق اور محترم دوست حضرت مولانا عبد الحکیم صاحب شرف نے بھی کافی تعاون کیا ہے اور خاص طور پر میں حضرت مفتی عبد القیوم صاحب کا ممنون ہوں جنہوں نے نہ صرف اپنی لائبریری سے مجھے مطلوبہ کتابیں فراہم کیں بلکہ جن کتابوں کی مجھے ضرورت تھی انہیں خرید کر بازار سے مہیا کیا۔ اس کتاب کے تمام مسودے کو پڑھا اور اس سلسلہ میں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا، اور تعارف لکھ کر حوصلہ افزائی فرمائی اخیر میں اگر مولانا محمد منشا، تابش صاحب قصوری کا شکریہ ادا نہ کیا جائے تو سخت ناسپاسی ہوگی جنہوں نے انتہائی عرق ریزی سے پروف ریڈنگ فرمائی۔

غلام رسول سعیدی غفر لہ مدرس

جامعہ نعیمیہ لاہور

تقریب و تعارف

(حضرت مولانا علامہ مفتی محمد عبد القیوم قادری رضوی)

برصغیر کے علماء اہل سنت نے ہر دور میں عوام الناس سے متعلق اپنے فرض منصبی کو ادا کرتے ہوئے سیرو سوانح، احکام و فتاویٰ اور اخلاق کے محاذ پر بھرپور کام کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے مختلف فتنوں کا مقابلہ بھی کیا، چنانچہ شان الوہیت، ناموس رسالت، عظمت صحابہ و اولیاء کا تحفظ کرتے ہوئے انہوں نے اغیار کے اکابر کی توہین آمیز اور گستاخانہ عبارات پر سخت گرفت فرمائی، چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ لوگ علماء حق کے ممنون ہوتے اور بروقت تنبیہ پر عاقبت کی فکر کرتے مگر جب یہ اخیار کوشش کے باوجود اپنی گستاخانہ عبارات پر گرفت کا جواب نہ دے سکے، تو بوکھلاہٹ کے عالم میں انہوں نے عوام الناس کو سوء ظن کا نشانہ بناتے ہوئے شرک و کفر کے فتوے شروع کر دیئے اور ساتھ ہی علماء اہل سنت کے متعلق یہ پروپیگنڈہ بھی شروع کر دیا کہ انہوں نے کوئی علمی کام نہیں کیا، حالانکہ علماء اہل سنت نے علمی میدان میں بیسوں فنون پر سینکڑوں کتابیں لکھی ہیں۔ صرف اعلیحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس فنون پر تقریباً ایک ہزار کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

اردو زبان میں بھی اکابر اہل سنت نے جو کارنامے سرانجام دیئے ہیں اس کی مثال کوئی اور پیش نہیں کر سکا چنانچہ آج بھی اعلیحضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ قرآن پاک کنزالایمان، فتاویٰ رضویہ اور حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر خزائن العرفان اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کا شاہکار بہار شریعت ؛ ایسی عدیم النظیر تصانیف ہر ایک کو دعوت تحقیق دے رہی ہیں۔ ان علماء اہل سنت نے خاص علمی ابحاث اور عوام الناس کے لیے غیر ضروری فنون کی اشاعت پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی تو اس کی چند وجوہ ہیں۔

انہوں نے اسلاف کی طرح کلموا الناس علی قدر عقولہم کے اصول کو اپناتے ہوئے خاص علمی ابحاث کو علماء کی امانت قرار دیا اور عوام الناس کی زبان میں پیش نہ کیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ آثار قیامت میں سے ایک یہ بھی ہے۔ ان اللہ

یرفع العلم برفع العلماء؛ قرب قیامت اللہ تعالیٰ علماء کو بتدریج اٹھا لے گا جس کے نتیجہ میں
علم دین اٹھتا چلا جائے گا، اور ظاہر ہے کہ علماء حق، علماء اہل سنت ہی ہیں جو سلف صالحین کو اپنی
حجت تسلیم کرتے ہوئے ان کے نقوش پر عمل پیرا ہیں، لہٰذا قیامت کی مذکورہ علامت کا مصداق بھی یہی
علماء ٹھہرے جس کے نتیجہ میں علماء اہل سنت کی تعداد کم سے کم ہوتی چلی گئی جبکہ عوام الناس کی تعداد میں
برابر اضافہ ہوتا رہا۔ اس طرح میدان عمل بڑھتا چلا گیا آخرکار ایک سنی عالم کو بیک وقت کئی محاذ سنبھالنے
پڑے امامت، خطابت، تدریس، تبلیغ، افتاء، مناظرہ، پھر مسلک حقہ کے لیے کسی مدرسہ کا قیام اور
اس کے جملہ انتظامات ایک ہی عالم کو کرنے پڑے جس کی بناء پر وہ اضافی کام کے لیے فرصت نہ پا سکے۔

جس دور میں اردو زبان نے جنم لیا اسی زمانہ میں نئے فتنوں کا طوفان امڈ پڑا جس سے عوام کے
عقائد متزلزل ہونے لگے اور تیرہ صد سالہ وہ مربوط نظام پامال ہونے لگا جس کی بناء پر عوام اپنے اسلاف
کا دامن مضبوطی سے تھامے چلے آرہے تھے اور اس سے اپنے عقائد و اعمال میں رسوخ رکھتے تھے۔
علماء حق کو فرض منصبی کے طور پر ان فتنوں کا رد کرنا پڑا اور ان کو اب امامت و خطابت اور تبلیغ و تدریس
کے ساتھ ساتھ وہابیت، دیوبندیت، نیچریت، مرزائیت اور شدھی ایسی باطل تحریکوں کے علاوہ
سیاسی میدان میں، کانگرس، ترک موالات، تحریک ہجرت اور ایسی کئی باطل تحریکوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔
انہوں نے یہ کام اتنا بھرپور کیا کہ زخم خوردہ اغیار آج علماء اہل سنت کو طعنہ دیتے ہوئے یہ اعتراف
کرنے پر مجبور ہیں کہ سنی علماء تو رد کرنا ہی جانتے ہیں۔ علماء اہل سنت کا یہ سنہری کارنامہ ہے جس سے
حق و باطل میں آج بھی امتیاز موجود ہے۔ اس طرح علماء اہل سنت کا یہ گروہ لاتزال طائفۃ
من امتی ظاہرین علی الحق کا مصداق ثابت ہوا ہے۔

انگریز نے ہندوستان پر مسلط ہوتے ہی محسوس کر لیا کہ اسے یہاں خطرہ ہے تو صرف مسلمان سے
ہے اس لیے اس نے اپنی تمام تر کوششیں مسلمانوں کی ذہنیت تبدیل کرنے پر مرکوز کر دیں۔ ہندو
کو کانگرس کا جال دیا تاکہ وہ اس سے مسلمانوں کے حاکمانہ ذہن کو مسخ کر سکیں چنانچہ ہندو اور انگریز نے اس
مقصد کی تکمیل کے لیے ضمیر فروش علماء کو خرید کر کانگرسی نظریہ کا مبلغ بنایا مگر باضمیر مسلمان جو اپنے ہزار سالہ محکوم
ہندو کے اس جال میں نہ پھنس سکے ان پر انگریز اور ہندو نے مشترکہ ضرب لگانے کی طرح ڈالتے ہوئے باغی
قرار دے کر کچلنا شروع کر دیا ساتھ ہی ساتھ تحریک ہجرت کے ذریعہ ان کی معاشیات پر ہاتھ صاف کرنے لگے

اس دوطرفہ کارروائی سے مسلمان اس قدر بدحال ہوگئے کہ اب انہیں اپنے بے سروسامانی بھی غنیمت معلوم ہونے لگی جبکہ کانگرسی علماء اور ان کے ادارے انگریز اور ان کے ماتحت نوابوں کی سرپرستی میں پروان چڑھ رہے تھے حتیٰ کہ کانگرس پرست علماء نے ہر قسم کے سامان سے آراستہ ہوکر اپنے نظریات اور افراد کو اجاگر کرنے کے لیے مستقل پریس قائم کرلیے۔ ان کے مقابلہ میں علماء حق بے سروسامانی کے عالم میں اپنے محاذ پر ڈٹے رہے۔ ان کے پاس نہ پریس تھے اور نہ ہی پروپیگنڈا کی جدید تکنیک جس کے باعث وہ عوام الناس کو اپنی حیثیت اور کارکردگی سے متعارف کراتے۔

ان مذکورہ وجوہ کے باوجود علماء حق نے نہ صرف اپنے وجود کو باقی رکھا بلکہ حسب توفیق فرض منصبی کی ادائیگی کے لیے بھی سرگرم عمل رہے۔ خوب سے خوب تر کی طرف آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۴ء میں تنظیم المدارس پاکستان کی سالانہ مجلس شوریٰ کے موقع پر علماء اہل سنت نے ایک قرارداد منظور فرمائی جس کا مقصد یہ تھا کہ علماء کرام عموماً اور اساتذہ کرام و طلباء خصوصاً تعلیم و تعلم کے ساتھ ساتھ مختلف فنون پر اس نہج کا تحریری کام کریں جس سے علوم و فنون جدیدہ کے اساتذہ و طلباء بھی استفادہ کرسکیں کالج اور یونیورسٹی کے طالب علم علوم دینیہ سے بآسانی بہرہ ور ہوسکیں اس قرارداد پر عمل کے لیے تنظیم کے مرکزی دفتر کو خصوصی ہدایات بھی دی گئیں جن پر عمل کرتے ہوئے مرکزی دفتر نے جب تحریک شروع کی تو علماء و طلباء نے دیئے گئے مختلف موضوعات پر ایسا تحقیقی کام کیا جس کو دیکھنے والوں نے ایک قابل قدر ذخیرہ قرار دیتے ہوئے اعتراف کیا کہ موجودہ علماء اہل سنت اپنے سلف کی طرح درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں بھی بلاشبہ ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ دو سال کے قلیل عرصہ میں تقریباً ۵۰ موضوعات پر تحقیقی مقالات کا ایک وافر ذخیرہ دفتر کو موصول ہوچکا ہے جسے بتدریج کتابی شکل میں پیش کیا جائے گا۔ (انشاء اللہ العزیز)

اسی تحریک پر محقق علماء کرام انفرادی طور پر بھی مختلف علمی موضوعات پر کام کررہے ہیں بعض کے ہاں تو بیک وقت کئی کتب زیر تصنیف ہیں علاوہ ازیں اہل سنت کا مشہور علمی ادارہ "مرکزی مجلس رضا لاہور" ایک مخلص مرد درویش الحاج حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری مدظلہ کی زیر سرپرستی قابل قدر کارنامہ سرانجام دے رہا ہے جس سے اغیار لرزہ براندام ہیں۔

اشاعت کے میدان میں بھی اللہ کے فضل و کرم سے اب خاطر خواہ کام ہورہا ہے اور ملک کے مختلف شہروں لاہور۔ لائل پور۔ ملتان۔ سکھر۔ کراچی۔ سیالکوٹ۔ ساہیوال میں اشاعتی ادارے حسب توفیق خدمات

سرانجام دے رہے ہیں۔ جس سے لکھنے والوں کے حوصلے مزید بلند ہو رہے ہیں فالحمد للہ علیٰ ذالک؛

تذکرۃ المحدثین

جب کوئی شخص قرآن کریم اور جملہ احادیث صحیحہ کا حافظ ہونے کے بعد ان میں غور و فکر کرنے کیلئے قرآن و حدیث سے متعلق سینکڑوں علوم و معارف میں ملکہ حاصل کر لیتا ہے اور پھر ان پر عمل پیرا ہو کر انسانیت کے اوصاف جمیلہ کے کمال تک پہنچ جاتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اسے ایک خاص قوت عطا فرماتا ہے جس سے وہ قرآن و حدیث کے بے کنار سمندر میں غوطہ زن ہو کر بیش قیمت خزانوں کو باہر نکال لینے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

خداداد غوطہ زنی کی اس قوت کا نام اجتہاد ہے اور اس قوت کی حامل شخصیت کو مجتہد کے مبارک نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس حقیقت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تمام احادیث صحیحہ کا حافظ ہونا اجتہاد کے مراحل میں سے ایک ابتدائی مرحلہ ہے جس سے گذر کر علوم و معارف اور پھر ان پر عمل میں انتہائی کمال کا مشکل ترین مرحلہ طے کرنے کے بعد بھی مرتبہ اجتہاد پر رسائی یقینی نہیں بلکہ محض اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم پر موقوف ہے۔

حفظ قرآن و احادیث کے بغیر کوئی مجتہد محل اجتہاد کو معلوم نہیں کر سکتا کیونکہ کسی مسئلہ میں قیاس و اجتہاد کا عمل اسی وقت کیا جاتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ اس مسئلہ میں قرآن و حدیث کی کوئی نص موجود نہیں اور نص کے وجود و عدم وجود کا علم اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ تمام آیات و احادیث پیش نظر نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جمع و تدوین احادیث میں سابقت کے زمانہ میں بھی امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ ہی تمام محدثین پر فائق رہے حالانکہ امام احمد بن حنبل ائمہ اربعہ (مجتہدین) میں سب سے چھوٹے ہیں۔

دس لاکھ احادیث کے حافظ یہ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ اپنے استاذ حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے متعلق فرماتے ہیں کان کالشمس للدنیا، اور دنیائے علم کے شمس یہ امام شافعی اپنے استاذ حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اذا ذکر العلماء فمالک النجم الثاقب: اور استاذ الاساتذہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام اعظم کے بارے میں فرمایا الناس کلھم عیال علی ابی حنیفۃ فی الفقہ۔

پس جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ مجتہد ہونے کی حیثیت سے حافظ الحدیث تھے تو باقی آئمہ ثلاثہ بھی مجتہد ہونے کی بنا پر یقیناً حافظ الحدیث ہیں۔ اگرچہ ان کی شہرت محدث یا حافظ الحدیث کی بجائے مجتہد ایسے بلند منصب میں ہوئی کیوں نہ ہو کہ اعلیٰ منصب کی موجودگی میں ادنیٰ منصب کو مشہور کرنا بے ادبی ہے۔

اس مذکورہ حقیقت کے اظہر من الشمس ہونے کے باوجود بعض جاہل مجتہدین کے متعلق یہ خیال فاسد رکھتے ہیں کہ شاید وہ لوگ سے قرآنی آیات اور احادیث پوچھ پوچھ کر اپنے اجتہاد کا کام چلاتے تھے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

خدا کی شان کہ جب سے تیل عام ہوا ہے ان جہلا کی مشنری تیز رفتار ہے آئمہ مجتہدین کی تنقیص و توہین کے اس فتنہ سے عوام کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس ہوئی جس میں عام محدثین کے علاوہ ایسے اکابر محدثین کا تذکرہ بھی ہو جو محدثین سے بڑھ کر مرتبہ اجتہاد پر فائز تھے اس اہم اور فوری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو فن حدیث، اس کے معارف اور اسماء الرجال پر وسیع نظر رکھتی ہو، جو علم فقہ، اس کے اصول اور طبقات فقہار کی معرفت تامہ کی حامل ہو اور اس کو رسوخ حاصل کرنے کے لیے سالہا سال ان فنوں کی تدریس کا موقع ملا ہو۔ پھر اس کے ساتھ ہی وہ تذکرہ نویسی اور اس کے آداب سے واقف ہو بلکہ تحریر و تقریر میں فصاحت اور شستگی کا خوگر بھی ہو تاکہ اس وسیع کام کو مختصر مدت اور کم صفحات میں پیش کر سکے۔ ان اہم خصوصیات کے پیش نظر علامہ غلام رسول صاحب سعیدی زید مجدہٗ کی خدمت میں تذکرۃ المحدثین لکھنے کی درخواست کی گئی۔ جسے آپ نے بلا تکلف قبول فرمایا۔ اگرچہ ہم نے درخواست کرتے وقت ضرورت و اہمیت کے پیش نظر اس پر فوری کام کا احساس دلایا تھا، مگر اس وقت ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دو ماہ کے قلیل عرصہ میں کتاب کا مسودہ تیار کر دیا۔

جن امور کی اہمیت کے پیش نظر علامہ سعیدی صاحب کو اس تصنیف کی درخواست کی گئی تھی وہ یہ تھے۔

۔ حدیث کے اساتذہ و طلبار کرام کو درس و تدریس کے موقعہ پر کتاب اور مصنف کے متعلق جن امور کے لیے عرق ریزی کرنا پڑتی ہے ان سب کو یکجا پیش کرنا۔

● اہل علم حضرات میں سے جو حدیث کے موضوع سے دلچسپی رکھتے ہوں ان کیلئے معلومات فراہم کرنا۔

● یونیورسٹی اور کالجز کے اساتذہ وطلبا بھی اس کے خاطر خواہ استفادہ کر سکیں۔

● غیر مقلدین کے اس جھوٹ اور غلط پراپیگنڈہ کو زائل کرنا کہ آئمہ مجتہدین، حدیث اور اس کے معارف سے بے بہرہ تھے۔ "انہیں تو صرف چند احادیث یاد تھیں"۔ "انہوں نے احادیث کو نظر انداز کرتے ہوئے قیاس آرائی سے کام لیا" اس لیے محدثین کرام میں سے ایسے بارہ آئمہ کو ہی اس تذکرہ کیلئے منتخب کیا گیا جو حافظ الحدیث اور مجتہد تھے یا صرف بلند پایہ محدث تھے اور ان کی کتب حدیث درس و تدریس کے لیے مروج ہوئیں۔

اس لیے زیر نظر کتب کا موضوع آئمہ اربعہ (مجتہدین)، امام محمد، امام طحاوی اور آئمہ صحاح ستہ اور ان کی تالیفات کو قرار دیا گیا اور ان حضرات کے ابتدائی حالات، تعلیمی مراحل، اساتذہ، تلامذہ، سیرت، مناقب، تصانیف اور وصال کے عنوانات پر سیر حاصل بحث کی گئی۔ اور ان کی تصانیف پر تعارف، خصوصیات، مقبولیت، اسلوب، تنقید اور شروح وغیرہ ایسے عنوان قائم کر کے ان پر محققانہ بحث کی گئی ہے جس سے اساتذہ کو فن حدیث میں آسانی ہوگی۔ تلامذہ رہنمائی حاصل کریں گے۔ اور علمی ذوق رکھنے والے حضرات کو معلومات کا خاصا ذخیرہ ہاتھ لگے گا۔

ان عنوانات پر محققانہ بحث سے قبل کتاب کے شروع میں ایک نہایت مفید اور مبسوط مقدمہ بھی شامل کیا گیا ہے جو قاری کو اس کے ذوق کے مطابق فن حدیث کی کتاب میں بصیرت کا کام دے گا۔

علامہ غلام رسول سعیدی

علامہ سعیدی صاحب نوجوان فاضل ہیں، انہوں نے وقت کے مشہور اور بے بدل شیوخ حضرت غزالی زماں مولانا احمد سعید کاظمی، حضرت استاذ الاساتذہ مولانا عطا محمد، حضرت استاذ العلماء علامہ مفتی محمد حسین نعیمی (دامت برکاتہم) سے روحانی اور علمی استفادہ کیا ہے۔ ان شیوخ کی ماہرانہ تربیت ہی کا نتیجہ ہے کہ یہ قیمتی ہیرا اب ہر پہلو سے اس قدر رنگین شعاعیں دیتا ہے کہ دیکھنے والے حیران اور ششدر رہ جاتے ہیں۔

علامہ صاحب بیک وقت بہترین مدرس، مفتی، مناظر، مصنف اور فصیح و بلیغ ادیب و خطیب ہیں

تدریس کے میدان میں آپ دس سال سے معقولات منقولات پڑھا رہے ہیں اور اصول و فنون کے ماہر استاذ کی حیثیت سے انہوں نے نام پیدا کر لیا ہے چنانچہ آپ اس وقت اہل سنت کی مشہور درس گاہ جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور میں صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز ہیں اور شعبہ حدیث میں خدمات انجام دے رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت مفتی صاحب کی رہنمائی میں فتاویٰ بھی جاری کرتے ہیں۔

فن حدیث کی گہرائیوں میں اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ جب درس حدیث کی مسند پر بیٹھتے ہیں تو حدیث پاک کو علوم عقلیہ و نقلیہ کا ماخذ قرار دیتے ہوئے فنون کے اصول و جزئیات کو اس پر متفرع کرتے چلے جاتے ہیں اور پھر معارف حدیث سے ان تفریعات کی توثیق کرتے ہیں۔

مناظرہ کے میدان میں انہوں نے آئمہ مجتہدین پر طعن کرنے والوں کے امام وقت کو تصنیف و تالیف کے میدان میں منکرین کمالات نبوت کے مدعی سرفرازی کو مضمون نگاری کے میدان میں ایک مشہور ماہر کو ایسا چت کیا کہ مخالفین دم بخود ہیں۔ مختلف شخصیات و موضوعات پر علامہ سعیدی صاحب کے تحقیقی مقالات اور رشحات قلم ملکی جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ جس عنوان پر بھی قلم اٹھاتے ہیں اس کا حق ادا کرتے چلے جاتے ہیں۔ اگر کوئی تنقیدی پہلو بھی ہو تو اس سے اس طرح نبرد آزما ہوتے ہیں کہ شکوک و شبہات کی گنجائش تک نہیں چھوڑتے۔ ماہنامہ ضیائے حرم دسمبر ۵، ۱۹۷ء کے شمارہ میں جب آپ کا علمی مقالہ قادیانیوں کو دعوت اسلام، شائع ہوا تو دوبئی کا ایک مرزائی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا چنانچہ اس نے اپنے قلبی جذبات مدیر ضیائے حرم کے نام ارسال کیے۔

تصانیف:۔ علامہ غلام رسول سعیدی کی مشہور تصانیف:۔

توضیح البیان، ضیاء کنز الایمان، فاضل بریلوی کا فقہی مقام، حیات استاذ العلماء، ذکر بالجہر کے علاوہ انہوں نے متعدد کتب پر مبسوط مقدمے، پرکشش تعارف، دلنشیں انداز میں پیش لفظ اور مختلف موضوعات پر ملکی جرائد میں تحقیقی مقالات سپرد قلم کیے ہیں۔

تحریر و تقریر میں ان کی خصوصیات کا یہ عالم ہے کہ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو آسان اور مختصر الفاظ میں اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ سننے والوں کو مشکل ترین مقام کا احساس تک نہیں ہونے دیتے۔ علوم و فنون میں رسوخ و پختگی کا یہ عالم ہے کہ روزمرہ کی مصروفیات شاقہ کو نہایت بے تکلفی سے سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ مختلف موضوعات پر تحقیقی کام بھی جاری رکھتے ہیں اور تحریری کام کے ساتھ ہنگامی

خدمات کے لیے بھی کمربستہ رہتے ہیں۔ جس کی مثال آپ کے ہاتھ میں یہ عظیم وضخیم کتاب "تذکرۃ المحدثین" شاہد عادل ہے۔

آپ کی ان گرانقدر خدمات کو دیکھتے ہوئے ہدیہ تبریک پیش کرنے کو قلم بے تاب ہے، دعا ہے اللہ تعالیٰ بجاہ حبیبہ الاعلیٰ علامہ صاحب کی اس مبارک تصنیف کو قبولیت عامہ کا شرف عطا فرمائے اور آپ کے علم سے خاص و عام کو مستفیض ہونے کی توفیق ارزانی بخشے۔ آمین

محمد عبدالقیوم قادری رضوی لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مقدمہ

مسلمانوں کے دین کا سرمایہ اور ان کی شریعت کی متاع کل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ حیات ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احوال اور آپ کے شب و روز کے معمولات ہی ان کے لیے سرچشمہ ہدایت ہیں، صحابۂ کرام نے حضور کی کتاب زندگی کے ایک ایک ورق کو حفظ کیا، خلوت وجلوت، سفر وحضر اور نجی حالات سے لے کر عام سیاسی معاملات تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی واقعہ نہیں ہے مگر اس کو حضرات صحابہ نے محفوظ کر لیا، وہ حضور کی احادیث کا تذکار کرتے اور سینوں سے لے کر صحیفوں تک انہیں محفوظ رکھتے ان کے بعد تابعین اور ان کے اتباع نے حفظ اور کتابت کے اس عمل کو جاری رکھا یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری کے بعد حدیث کی باقاعدہ تدوین شروع ہوئی اور ابواب کتب کی ترتیب سے حدیث کی کتابیں مدون ہوئیں - یوں ہمارے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع سیرت اور دین کی مکمل تصویر پہنچنے کا اہتمام ہوا؛

اکابر علمار ملت اور اساتید شریعت نے علم حدیث کی تحصیل کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔ انہوں نے بارہا صرف ایک حدیث کی خاطر سینکڑوں میل کا سفر کیا طلب حدیث میں کوئی چیز ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی تھی وہ اپنے شاگردوں سے بھی احادیث روایت کر لیتے تھے انہوں نے احادیث کو اپنے سینوں میں اور پھر نوشتوں میں محفوظ کیا، ناقلین حدیث کو پرکھنے کے لیے علم رجال ایجاد کیا اور اس میدان میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے، مگر حدیث کے ان عظیم کارناموں کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہم کو یہ معلوم ہو کہ علم حدیث کی دین میں کیا اہمیت ہے اور اگر امت

کے پاس آج احادیث کا یہ سرمایہ نہ ہوتا تو دین کی کیا شکل وصورت ہوتی:
مشاہیر محدثین کا تذکرہ اور ان کی تصنیفات پر تبصرہ کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علم حدیث کے اہم موضوعات پر اجمالاً گفتگو کر لی جائے تاکہ قارئین کو مضامین کتاب کی علیٰ وجہ البصیرت معرفت حاصل ہو سکے، اس سلسلہ میں ہم حدیث کی ضرورت حجیت اور تدوین پر مختصراً گفتگو کریں گے اور اس کے بعد حدیث کی تعریف، اقسام اور کتب حدیث انواع اور بعض دیگر اصطلاحات کا مختصراً بیان کریں گے:

فنقول وباللہ التوفیق

ضرورتِ حدیث قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسانی معیشت کے اصول اور مبادی اجمالاً بیان فرمائے ہیں جن کی تعبیر و تشریح بغیر احادیث نبویہ کے ممکن نہیں ہے۔ نیز احکام کی عملی صورت بیان کرنے کے لیے اسوۂ رسول کی ضرورت ہے احادیث رسول ہمیں قرآنی احکام کی عملی تصویر مہیا کرتی ہیں، علاوہ ازیں مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، تیمم، حج اور عمرہ یہ محض الفاظ ہیں لغت عربی ان الفاظ کے معانی نہیں بتاتی جو شرع میں مطلوب ہیں، پس اگر احادیث رسول موجود نہ ہوں تو ہمارے پاس قرآن کریم کے معانی شرعیہ متعین کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہے گا۔

حجیتِ حدیث اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کی پیروی کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

(۱) اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ؕ — اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

(۲) ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔ — رسول تم کو جو حکم دیں وہ لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ۔

(۳) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی ؕ — آپ فرما دیجئے کہ تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔

(۴) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ؕ — تمہارے اعمال کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت اور

آپ کے افعال کی اتباع قیامت تک کے مسلمانوں پر واجب ہے اب سوال یہ ہے کہ بعد کے لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور آپ کے افعال کا کس ذریعہ سے علم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو ہمارے لیے نمونہ بنایا ہے پس جب تک حضور کی زندگی ہمارے سامنے نہ ہو ہم اپنی زندگی کو حضور کے اسوہ میں کیسے ڈھال سکیں گے۔ اور جبکہ ہمیں اسوہ رسول پر اطلاع صرف احادیث سے ہی ممکن ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس طرح صحابہ کے لیے بنفس نفیس حضور کی ذات ہدایت تھی اسی طرح ہمارے لیے حضور کی احادیث ہدایت ہیں اور اگر احادیث رسول کو حضور کی دی ہوئی ہدایات اور آپ کے نمونہ کے لیے معتبر ماخذ نہ مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر ناتمام رہے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رشد و ہدایت کے لیے صرف قرآن کو کافی قرار نہیں دیا بلکہ قرآن کے احکام کے ساتھ ساتھ رسول کے احکام کی اطاعت اور اس کے افعال کی اتباع کو بھی لازم قرار دیا ہے اور اس کے اقوال اور افعال کو جاننے کے لیے احادیث کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

احادیث شریفہ کو اگر معتبر نہ مانا جائے تو نہ صرف یہ کہ حضور کی دی ہوئی ہدایات سے ہم محروم ہوں گے بلکہ قرآن کریم کی دی ہوئی ہدایات سے بھی ہم مکمل طور پر مستفید نہیں ہو سکیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے قرآن نازل فرمایا لیکن اس کے معانی کا بیان اور اس کے احکام کی تعلیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دی چنانچہ ارشاد فرمایا۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم۔	ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن کریم) نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کو بیان کریں کہ ان کی طرف کیا احکام نازل کیے گئے ہیں؛
ویعلمہم الکتاب والحکمۃ۔	اور رسول مسلمانوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

ممکن ہے کوئی شخص یہ کہہ دے کہ آیات کے معانی کا بیان اور کتاب و حکمت کی تعلیم صرف صحابہ کے لیے تھی تو میں اولاً یہ کہوں گا کہ اسلام صرف صحابہ کا نہیں بلکہ قیامت

تک کے مسلمانوں کا دین ہے اس لیے جس ہدایت کی انہیں ضرورت تھی ہمیں بھی ضرورت ہے۔
ثانیاً صحابہ کرام جب اپنی بلندی مقام اور جناب رسالتمآب سے قرب کے باوجود قرآنی احکام کو سمجھنے کے لیے حضور کے بیان اور آپ کی تعلیم کے محتاج تھے تو بعد کے لوگ تو بدرجہ اولیٰ اس بیان اور تعلیم کی طرف محتاج ہوں گے۔ ثالثاً قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

ھوالذی بعث فی الامیین	وہ ذات جس نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی
رسولا منھم یتلوا علیھم	میں سے ایک بہت بڑا رسول بھیجا جو ان پر
اٰیٰتہ ویزکیھم ویعلمھم	اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان
الکتاب والحکمۃ	کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و
وان کانوا من قبل	حکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ وہ لوگ
لفی ضلال مبین	پہلے کھلی گمراہی میں تھے اور بعد کے
واٰخرین منھم لما	لوگوں کو جو ابھی پہلوں کے ساتھ
یلحقوا بھم ؕ	لاحق نہیں ہوئے ۔

قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی جو تعلیم دی ہے وہ صحابہ کے لیے بھی ہے بعد کے لوگوں کے لیے بھی، پس ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن کریم کی تعلیم دینا اور آیات کے معانی بیان کرنا جس طرح صحابہ کے لیے تھا اسی طرح قیامت تک کے مسلمانوں کیلئے بھی ہے اور اگر احادیث کو معتبر نہ مانا جائے تو بعد کے لوگوں کے لیے حضور کی تعلیم اور تزکیہ کا کس طرح ثبوت ہوگا اور اس آیت کا صدق کیسے ظاہر ہوگا :۔

آپ ہی سوچئے اگر حضور نہ بتلاتے تو ہمیں کیسے معلوم ہوتا کہ لفظ صلوٰۃ سے یہ ہیئت مخصوصہ مراد ہے مؤذن کی اذان سے لے کر امام کے سلام پھیرنے تک نماز اور جماعت کی تفصیل ہمیں کیوں کر معلوم ہوتی اسی طرح حج اور عمرہ کا بیان احرام کہاں سے اور کس دن باندھنا ہے وقوف عرفہ طواف زیارت و وداع ان تمام احکام کی تفصیل اور تعیین قرآن میں کہیں نہیں ملتی، حد یہ ہے کہ قرآن میں یہ بھی مذکور نہیں کہ حج کس دن ادا کیا جائے، زکوٰۃ

کا صرف لفظ قرآن میں مذکور ہے لیکن عُشر اور زکوٰۃ کی کسی تفصیل کا قرآن میں بیان نہیں پھر ان کی شرعی ہیئت کذائی جس سے فرائض، واجبات اور آداب کی تمیز ہو قرآن میں کہیں نہیں ملتی۔

قرآن کریم کے بیان کردہ ان تمام احکام کی تفصیل اور تعیین صرف حضور سے ملتی ہے عہدِ رسالت میں صحابہ کو یہ بیان زبانِ رسالت سے حاصل ہوا اور بعد کے لوگوں کو یہی بیان احادیث نبویہ سے حاصل ہوگا اور جو شخص ان احادیث کو معتبر نہیں مانتا، اس کے پاس قرآن کریم کے مجمل اور مبہم احکام کی تفصیل اور تعیین کے لیے کوئی ذریعہ نہیں ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح معانی قرآن کے مُبیّن اور معلم ہیں اسی طرح آپ بعض احکام کے شارع بھی ہیں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ آپ کی اس حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے :۔

یحل لهم الطیبات ویحرم	رسول اللہ پاک چیزوں کو حلال کرتے
علیهم الخبائث ؛	ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو حلال اور حرام کیا قرآن میں کہیں ان کا ذکر نہیں ہے۔ ان کا ذکر صرف احادیث رسول سے ہی ممکن ہے، حضور نے شکار کرنے والے درندوں اور پرندوں کو حرام کیا، دراز گوش اور حشرات الارض کو حرام کیا۔ اور ہمارے لیے ان احکام کا علم صرف احادیث رسول سے ہی ممکن ہے اور اگر احادیث رسول کو حجت نہ مانا جائے تو حلت و حرمت کے تمام احکام کے لیے شریعت اسلامیہ متکفل نہیں ہوگی ؛

قرآن کریم کے نفس مضمون کو سمجھنے کے لیے بھی ہمیں احادیث کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ قرآن مجید کی بعض آیات کا نزول کسی خاص واقعہ سے متعلق ہوتا ہے بعض دفعہ کسی خاص سوال کے سبب سے کوئی آیت نازل ہوتی ہے اور بعض مرتبہ مشرکین یا منافقین کی کسی بات کے رد میں کوئی آیت نازل ہوتی ہے کبھی کسی آیت میں عہد رسالت میں ہونے والے کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور کبھی صحابہ کے کسی عمل پر تنبیہ یا اس کی تائید

میں کوئی آیت نازل ہوتی ہے۔ لہٰذا جب تک اس قسم کی تمام آیات کے پس منظر اور اسباب نزول کا علم نہ ہو ان کا کوئی واضح معنی سمجھ میں نہیں آتا اور اگر فہم قرآن کے لیے احادیث نبویہ کو ایک معتبر ماخذ اور حجت نہ مانا جائے تو قرآن مجید کی بعض آیات ایک چیستان اور معمہ بن کر رہ جائیں گی۔

تدوین حدیث عام طور پر منکرین حدیث یہ کہتے ہیں کہ احادیث کی تدوین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈھائی سو سال بعد کی گئی ہے اس لیے کتب احادیث قابل اعتبار نہیں ہیں لیکن ان کا یہ قول سخت مغالطہ آفرینی پر مبنی ہے کیونکہ احادیث رسول کی حفاظت اور کتابت کے سلسلہ میں عہد رسالت سے لے کر اتباع تبع تابعین تک پورے تسلسل اور تواتر سے کام ہوتا رہا ہے اور ڈھائی سو سال کے اس طویل عرصہ کے کسی وقفہ میں بھی اس کام کا انقطاع نہیں ہوا۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں متعدد صحابہ کرام نے احادیث کو قلمبند کرنا شروع کر دیا تھا، امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل خطبہ دیا یمن کے ایک شخص (ابوشاہ) نے آکر عرض کیا۔ اکتب لی یا رسول اللہ، میرے لیے یہ خطبہ لکھ دیجئے آپ نے حکم دیا اکتبوا لابی فلاں اس شخص کے لیے یہ خطبہ لکھ دو۔[1]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کو احادیث لکھنے کی عام اجازت تھی انہی سے روایت ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن عمرو	عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ میں حفاظت
قال کنت اکتب کل شیٔ	کے خیال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اسمعہ من رسول اللّٰہ	سے سن کر ہر بات لکھ لیتا تھا بعض لوگوں
صلی اللّٰہ علیہ ارید حفظہ	نے مجھے منع کیا اور کہا تم حضور سے
فنھتنی و قالوا اتکتب کل شیٔ	سن کر ہر بات لکھ لیتے ہو حالانکہ حضور

[1] امام محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲

تسمعه و رسول اللہ صلی اللہ	بھی ایک بشر ہیں آپ کبھی خوش ہوتے
علیہ وسلم بشر یتکلم فی الغضب	ہیں اور کبھی ناراض، یہ سن کر میں نے
والرضا فامسکت عن الکتابۃ فذکرت	لکھنا چھوڑ دیا جب حضور سے میں نے
ذالک الی رسول اللہ صلی اللہ	اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا
علیہ وسلم فاومأ باصبعہ الی فیہ	لکھا کرو، قسم اس ذات کی جس کے
فقال اکتب فوالذی نفسی	قبضہ میں میری جان ہے اس
بیدہ ما یخرج منہ الا حق[1]	منہ سے حق کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احادیث لکھنے کا تذکرہ کیا ہے فرماتے ہیں :۔

ما من اصحاب النبی	صحابہ میں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس
صلی اللہ علیہ وسلم احد اکثر	حضور کی احادیث محفوظ نہ تھیں سوا
حدیثا عنہ منی الا ما کان من	عبداللہ بن عمرو کے کیونکہ وہ
عبداللہ بن عمرو فانہ کان	احادیث لکھتے تھے اور میں نہیں
یکتب ولا اکتب[2]	لکھتا تھا۔

ابوداؤد اور بخاری کی ان روایتوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو احادیث قلمبند کیا کرتے تھے رہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کی وجہ سے ان کا حافظہ بہت تیز ہو گیا تھا اس وجہ سے وہ احادیث نہیں لکھتے تھے تاہم ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کتب اور صحائف کی شکل میں بھی محفوظ تھیں۔ چنانچہ عمرو بن امیہ بیان کرتے ہیں !

تحدث عند ابی هریرۃ	حضرت ابوہریرہ کے سامنے ایک
بحدیث فاخذ بیدی الی	حدیث پر گفتگو ہوئی تو وہ میرا ہاتھ

---

[1] امام سلیمان بن اشعث ابوداؤد المتوفی ۲۰۵ھ — سنن ابوداؤد ص ۵۱۴

[2] امام محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ — صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲

میں کوئی آیت نازل ہوتی ہے۔ لہٰذا جب تک اس قسم کی تمام آیات کے پس منظر اور اسباب نزول کا علم نہ ہو ان کا کوئی واضح معنی سمجھ میں نہیں آتا اور اگر فہم قرآن کے لیے احادیث نبویہ کو ایک معتبر مآخذ اور حجت نہ مانا جائے تو قرآن مجید کی بعض آیات ایک چیستان اور معمہ بن کر رہ جائیں گی۔

تدوین حدیث

عام طور پر منکرین حدیث یہ کہتے ہیں کہ احادیث کی تدوین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈھائی سو سال بعد کی گئی ہے اس لیے کتب احادیث قابل اعتبار نہیں ہیں لیکن ان کا یہ قول سخت مغالطہ آفرینی پر مبنی ہے کیونکہ احادیث رسول کی حفاظت اور کتابت کے سلسلہ میں عہد رسالت سے لے کر اتباع تبع تابعین تک پورے تسلسل اور تواتر سے کام ہوتا رہا ہے اور ڈھائی سو سال کے اس طویل عرصہ کے کسی وقفہ میں بھی اس کام کا انقطاع نہیں ہوا۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں متعدد صحابہ کرام نے احادیث کو قلمبند کرنا شروع کر دیا تھا، امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل خطبہ دیا یمن کے ایک شخص (ابو شاہ) نے آکر عرض کیا۔ اکتب لی یا رسول اللہ، میرے لیے یہ خطبہ لکھ دیجئے آپ نے حکم دیا اکتبوا لابی فلاں اس شخص کے لیے یہ خطبہ لکھ دو۔[1]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کو احادیث لکھنے کی عام اجازت تھی انہی سے روایت ہے۔

عن عبد اللہ بن عمرو	عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ میں حفاظت
قال کنت اکتب کل شیٔ	کے خیال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اسمعہ من رسول اللہ	سے سن کر ہر بات لکھ لیتا تھا بعض لوگوں
صلی اللہ علیہ ارید حفظہ	نے مجھے منع کیا اور کہا تم حضور سے
فنھتنی وقالوا اتکتب کل شیٔ	سن کر ہر بات لکھ لیتے ہو حالانکہ حضور

[1] امام محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲

تسمعہ و رسول اللہ صلی اللہ	بھی ایک بشر ہیں آپ کبھی خوش ہوتے
علیہ وسلم بشر یتکلم فی الغضب	ہیں اور کبھی ناراض، یہ سُن کر میں نے
والرضا فامسکت عن الکتابۃ فذکرت	لکھنا چھوڑ دیا جب حضور سے میں نے
ذالک الی رسول اللہ صلی اللہ	اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا
علیہ وسلم فاومأ باصبعہ الی فیہ	لکھا کرو، قسم اس ذات کی جس کے
فقال اکتب فوالذی نفسی	قبضہ میں میری جان ہے اس
بیدہ ما یخرج منہ الا حق[1]	منہ سے حق کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احادیث لکھنے کا تذکرہ کیا ہے فرماتے ہیں :۔

ما من اصحاب النبی	صحابہ میں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس
صلی اللہ علیہ وسلم احد اکثر	حضور کی احادیث محفوظ نہ تھیں سوا
حدیثا عنہ منی الا ما کان من	عبداللہ بن عمرو کے کیونکہ وہ
عبداللہ بن عمرو فانہ کان	احادیث لکھتے تھے اور میں نہیں
یکتب ولا اکتب[2]	لکھتا تھا؛

ابوداؤد اور بخاری کی ان روایتوں سے یہ ثابت ہوگیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو احادیث قلمبند کیا کرتے تھے رہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کی وجہ سے ان کا حافظہ بہت تیز ہوگیا تھا اس وجہ سے وہ احادیث نہیں لکھتے تھے تاہم ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کتب اور صحائف کی شکل میں بھی محفوظ تھیں۔ چنانچہ عمرو بن امیہ بیان کرتے ہیں !

تحدث عند ابی ھریرۃ	حضرت ابوہریرہ کے سامنے ایک
بحدیث فاخذ بیدی الی	حدیث پر گفتگو ہوئی تو وہ میرا ہاتھ

---

[1] امام سلیمان بن اشعث ابوداؤد المتوفی ۲۷۵ھ — سنن ابوداؤد ص ۵۱۴

[2] امام محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ — صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲

بیته فاراناکتبا من حدیث	پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور ہمیں
النبی صلی اللہ علیہ وسلم	احادیث کی کتابیں دکھائیں اور
وقال ھذا ھو	کہا دیکھو وہ حدیث میرے
مکتوب عندی[1]	پاس لکھی ہوئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوہریرہ کے پاس ان کی تمام مرویات لکھی ہوئی محفوظ تھیں، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابوہریرہ ابتداً زمانہ رسالت میں احادیث نہیں لکھتے تھے حضور کے وصال کے بعد انہوں نے احادیث کو لکھ لیا یا اسی زمانہ میں وہ کسی اور شخص سے ان احادیث کو لکھواتے رہے ہوں گے۔ اور حضرت انسؓ تو احادیث لکھ کر حضور کو سنانے کا شرف بھی حاصل کر لیا تھا چنانچہ قتادہؓ روایت کرتے ہیں۔

کان یملی الحدیث حتی	حضرت انس احادیث لکھوایا کرتے
اذا کثر علیه الناس	تھے اور جب لوگ زیادہ تعداد
جاء بمجال من کتب	میں آئے تو وہ اپنا صحیفہ لے کر
فالقاها شم قال	آئے اور اس کو ان کے آگے رکھ
هذه احادیث	کر فرمایا یہ وہ احادیث ہیں جن کو
سمعتها وکتبتها عن	میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
رسول الله وعرضتها علیه	سن کر لکھا اور انہیں میں آپ
(تقیید العلم ص ۹۶-۹۵)	پر پیش کر چکا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر بھی احادیث کو لکھ کر صحائف میں محفوظ رکھا کرتے تھے، چنانچہ روایت ہے:۔

یروی ان عبدالله بن عمر کان خرج	روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر جب
الی السوق نظر فی کتبه وقد	کبھی بازار جاتے تو اپنی کتابوں
اکد الراوی ان کتبه هذه کانت	کو دیکھ لیتے تھے راوی تاکیداً

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — فتح الباری ج ۱ ص ۲۱۷

فی الحدیث والجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ص ١٠٠) لکھتے ہیں کہ ان کی وہ کتابیں احادیث پر مشتمل تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت ابوہریرہ، حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں آپ کی نظر سے مستحکم حوالے گذر چکے ہیں کہ یہ حضرات عہدِ رسالت میں احادیث کے صحائف میں لکھ کر محفوظ کر لیا کرتے تھے اب ہم آپ کے مطالعہ میں ایک ایسا حوالہ پیش کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ سرکار کے زمانہ اقدس میں بالعموم صحابہ کرام احادیث لکھ کر محفوظ کر لیا کرتے تھے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں :-

کان عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناس من اصحابہ وانا معھم وانا اصغر القوم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار ـ فلما خرج القوم قلت کیف تحدثون عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد سمعتم ما قال وانتم تنھمکون فی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضحکوا وقالوا یا ابن اخینا ان کل ما سمعنا منہ عندنا فی کتاب ؎

میں دوسرے صحابہ کرام کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر تھا اور میں ان سب سے عمر میں کم تھا حضور نے فرمایا جو شخص میری طرف جھوٹ منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے، جب لوگ باہر نکلے تو میں نے ان سے کہا کہ حضور نے حدیث کے معاملہ میں کتنی شدید وعید فرمائی ہے اور آپ لوگ بھی بکثرت احادیث بیان کرتے ہیں یہ سن کر وہ لوگ ہنسے اور کہنے لگے اے بھتیجے ہم لوگ جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا محفوظ ہے۔

ان احادیث سے یہ ظاہر ہو گیا کہ احادیث کو لکھنے اور محفوظ کرنے کا کام عہدِ رسالت

؎ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ٨٠٧ھ مجمع الزوائد ج ا ص ١٥١-٢

میں شروع ہو چکا تھا اور صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ کے افعال اور احوال لکھ کر قلمبند کیا کرتے تھے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بعض احادیث میں لکھنے کی جو ممانعت آئی ہے وہ بعض مواقع کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صورتوں میں لکھنے سے منع فرمایا تھا جن میں قرآن اور حدیث کے اشتباہ کا احتمال تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دورِ صحابہ میں تابعین نے صحابہ کی مرویات کو لکھ کر محفوظ کرنا شروع کیا، حضرت ابوہریرہ جن سے پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) احادیث مروی ہیں انہوں نے بے شمار شاگرد پیدا کیے اور ان لوگوں نے ان احادیث کو لکھ کر محفوظ کیا اور یہ سلسلہ روایت آگے بڑھایا، چنانچہ مسند دارمی میں ہے کہ آپ کے شاگردوں میں سے بشیر بن نہیک نے آپ کی روایات کو لکھ کر محفوظ کر لیا تھا، حضرت عبداللہ بن عباس سے دو ہزار چھ سو ساٹھ (۲۶۶۰) احادیث مروی ہیں ان کی روایات کو دوسرے شاگردوں کے علاوہ کریب نے محفوظ کر لیا تھا[۱] اور حضرت انس جو کہ دو ہزار دو سو چھیاسی احادیث کے راوی ہیں ان کے بارے میں مسند دارمی میں ہے کہ ان کی مرویات کو ابان نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) احادیث کی روایت کرتی ہیں ان کی احادیث کو عروہ بن الزبیر نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا[۲] حضرت عبداللہ بن عمر جو ایک ہزار چھ سو تیس احادیث کی روایت کرتے ہیں، طبقات ابن سعد اور دارمی میں ہے کہ ان کی روایات کو نافع نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا اور حضرت جابر جو ایک ہزار پانچ سو چالیس (۱۵۴۰) احادیث کے راوی ہیں۔ ان کی مرویات کو قتادہ بن دعامہ سدوسی نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا[۳]

مذکورالصدر سطور میں چند مثالیں پیش کی ہیں ورنہ صحابہ کرام سے احادیث کا سماع اور روایت کرنے والے تمام حضرات احادیث کو ضبط تحریر میں لے آتے تھے۔ پہلی صدی

---

[۱] محمد بن سعد کاتب واقدی — طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۶
[۲] علامہ جلال الدین الخوارزمی — الکفایۃ ص ۲۲۹
[۳] محمد بن سعد کاتب واقدی — طبقات ابن سعد ج، ص ۲،

ہجری کے اخیر تک اسی طرح متفرق طور پر کتابت کے سہارے تدوین حدیث کا کام آگے بڑھتا رہا، احادیث کے یہ صحائف اور نوشتے کسی نقطہ پر مشترک اور کسی جہت سے مجتمع نہ تھے، بغیر کسی ترتیب کے تابعین کرام نے اپنی اپنی مرویات کو اپنے سینوں اور صحیفوں میں محفوظ کر رکھا تھا یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ خلافت آیا اور انہوں نے احادیث کو یکجا کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اس کام کے لیے انہوں نے معتمد اور مستند علماء کی ایک کمیٹی مقرر کی جن میں ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، قاسم بن محمد بن ابی بکر اور ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز نے مختلف علاقوں سے احادیث کا لکھا ہوا ذخیرہ جمع کیا اور ابن شہاب زہری نے ان احادیث کو ترتیب دیا تہذیب سے منظم اور منضبط کیا[۱]۔ احادیث کو جمع اور منظم کرنے کے ساتھ ساتھ حدیث کو سند کے ساتھ بیان کرنے کی ابتداء بھی ابن شہاب زہری نے کی ہے[۲]۔ اسی وجہ سے ان کو علم اسناد کا واضع کہا جاتا ہے۔

احادیث کی ترتیب اور تہذیب کا جو کام ابن شہاب زہری نے شروع کیا تھا، اس کام کو ان کے مایہ ناز تلامذہ برابر آگے بڑھاتے رہے، یہاں تک کہ دوسری صدی کے اخیر میں ان کے ایک تلمیذ رشید امام مالک بن انس اصبحی نے احادیث کو باب وار ترتیب دے کر پہلا مجموعہ حدیث، موطا کے نام سے پیش کر دیا۔

موطا امام مالک کے علاوہ امام اعظم نے اپنی مرویات کو کتاب الآثار کے نام سے پیش کیا جس کو ان کے لائق اور قابل صد فخر تلامذہ نے الگ الگ روایت کیا ہے ان حضرات کے علاوہ دوسری صدی کے بھی دوسرے متعدد بزرگ مصنفین نے فن حدیث میں کتابیں پیش کی ہیں ان میں سے بعض کی کتابیں یہ ہیں۔ سنن ابوالولید (۱۵۱ھ)، جامع سفیان ثوری (۱۶۱ھ) مصنف ابی سلمۃ (۱۶۷ھ)، مصنف ابی سفیان (۱۹۷ھ)، جامع سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) اور تیسری صدی کے جن مصنفین نے حدیث کی کتابیں تصنیف کی ہیں ان میں سے بعض حضرات

---

[۱] حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ تدریب الراوی ص ۳،

[۲] تقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح والتعدیل ص ۲۰

کی کتابیں یہ ہیں۔ کتاب الام للشافعی (۲۰۴ھ) مسند احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) الجامع الصحیح للبخاری (۲۵۶ھ) الجامع لمسلم (۲۶۱ھ) سنن ابوداؤد (۲۷۵ھ) الجامع للترمذی (۲۷۹ھ) سنن ابن ماجہ (۲۷۳ھ)۔

مضبوط اور مستحکم حوالہ جات کی روشنی میں ہم نے آپ کے سامنے عہد رسالت سے لے کر صحاح ستہ کے مصنفین تک تدوین حدیث کا ایک مربوط جائزہ پیش کر دیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ رسالت سے لے کر اتباع تبع تابعین تک ہر دور میں احادیث کو قلمبند کیا جاتا رہا اور سینوں سے لے کر صحیفوں تک ہر طرح سے حدیث کی حفاظت کی جاتی رہی نیز ہر دور میں لوگوں نے اپنے زمانہ کے مخصوص تقاضوں اور تصنیف و تالیف کے رجحانات کو سامنے رکھ کر احادیث کی تدوین کی۔ یہاں تک کہ تیسری صدی میں مصنفین صحاح ستہ نے پہلے لوگوں کی خوبیوں کو نئے اضافوں کے ساتھ ضم کر کے ایک جامع اسلوب کے ساتھ اپنی تصانیف کو پیش کیا جن کا تفصیلی تعارف اور تبصرہ اس کتاب کے آئندہ ابواب میں پیش کیا جا رہا ہے حدیث کی ضرورت حجیت اور تدوین پر بحث کرنے کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی تعریف اس کی اقسام وغیرہ پر بھی گفتگو کر لی جائے۔

تعریف حدیث علم حدیث کی دو قسمیں ہیں، علم حدیث روایۃً اور علم حدیث درایۃً حدیث از روئے روایت اس علم کو کہتے ہیں جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال، احوال[1] اور اوصاف کی معرفت حاصل ہو۔ اس علم کا موضوع خود حضور کی ذات مقدسہ ہے۔ اور علم حدیث از روئے درایت وہ علم ہے جس سے راوی اور مروی عنہ کے حالات بحیثیت رد اور قبول معلوم ہوں۔ اس علم کا موضوع راوی اور مروی عنہ ہیں۔

اقسام حدیث حدیث کی تعریف کے بعد اس کی بعض ضروری اقسام کی تعریف پیش کی جاتی ہیں۔

مرفوع:۔ جس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات کا بیان ہو۔

---

[1] حضور کی تقریرات بھی احوال میں شامل ہیں۔ سعیدی عفولہ

موقوف :- جس حدیث میں صحابہ کرام کے اقوال، احوال اور تقریرات کا بیان ہو۔
مقطوع :- جس حدیث میں تابعین کے اقوال، افعال اور تقریرات کا بیان ہو۔
متصل :- جس حدیث کی سند سے کوئی راوی ساقط نہ ہو۔
معلق :- جس حدیث کی سند کے شروع سے رواۃ کو حذف کر دیا جائے خواہ
یہ حذف بعض کا ہو یا کل کا؛
مرسل :- جس حدیث کی سند کے اخیر سے راوی کو ساقط کر دیا جائے مثلاً تابعی حضورؐ
سے روایت کرے اور صحابی کو چھوڑ دے۔
معضل :- درمیان سند سے دو متوالی راویوں کو چھوڑ دیا جائے۔
منقطع بمعنی اخص : دو سے زیادہ راویوں کو سند میں ایک جگہ سے یا دو راویوں
کو متعدد جگہ سے چھوڑ دیا جائے۔
مضطرب :- سند یا متن حدیث میں زیادتی، نقصان یا تقدیم و تاخیر کر دی جائے۔
مدرج :- متن حدیث میں راوی اپنا یا غیر کا کلام ملا دے۔
شاذ :- جس میں ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے (اس
کا مقابل محفوظ ہے)
منکر :- زیادہ ضعیف راوی جس روایت میں کم ضعیف کی مخالفت کرے۔ (اس کا
مقابل معروف ہے)
معلل :- جس حدیث میں علت خفیہ قادحہ ہو مثلاً حدیث مرسل کو موصولاً روایت کیا جائے۔
صحیح لذاتہ : جس حدیث کے تمام راوی متصل، عادل، تام الضبط ہوں اور
وہ حدیث غیر شاذ اور غیر معلل ہو؛
صحیح لغیرہ :- جس حدیث میں کمال ضبط کے سوا صحیح لذاتہ کی تمام صفات ہوں
اور ضبط کی کمی تعدد طرق روایت سے پوری ہو جائے۔
حسن لذاتہ :- جس حدیث میں کمال ضبط کے سوا صحیح لذاتہ کی تمام صفات ہوں۔
اور یہ کمی تعدد طرق سے پوری نہ ہو؛

حسن لغیرہ :۔ جو حدیث صحیح لذاتہ کی ایک سے زیادہ صفات سے قاصر ہو لیکن یہ کمی تعدد طرق روایت سے پوری ہو جائے۔

ضعیف :۔ جو حدیث صحیح لذاتہ کی ایک سے زیادہ صفات سے قاصر ہو۔ اور تعدد طرق سے وہ کمی پوری نہ ہو۔

متروک :۔ جس حدیث کی سند میں کوئی راوی متہم بالکذب ہو۔

موضوع :۔ جس حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس سے وضع فی الحدیث ثابت ہو۔

غریب :۔ جس حدیث کی سند کا کوئی راوی سلسلہ سند کے کسی شیخ سے روایت میں منفرد ہو۔

عزیز :۔ جس حدیث کے دو راوی ہوں پھر سلسلہ سند کے ہر راوی سے کم از کم دو شخص روایت کرتے ہوں۔

مشہور :۔ جو حدیث دو سے زیادہ طرق سے مروی ہو۔ (یعنی سلسلہ سند میں کسی شیخ سے بھی تین سے کم راوی نہ ہوں) اور یہ زیادتی حد تواتر سے کم ہو۔[1]

متواتر :۔ جو حدیث ہر دور میں اتنے کثیر طرق سے مروی ہو کہ ان روایات کا توافق علی الکذب عادۃً محال ہو۔

اقسام کتب حدیث

کتب حدیث کی انواع اور اقسام کافی زیادہ ہیں یہاں پر بعض ضروری اقسام کو بیان کیا جا رہا ہے۔

صحیح :۔ جس کتاب کے مصنف نے صرف احادیث صحیحہ کا التزام کیا ہو جیسے صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ۔

جامع :۔ جس کتاب میں آٹھ عنوانوں کے تحت احادیث لائی جائیں اور وہ یہ ہیں۔ سیر، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، احکام، اشراط، مناقب جیسے بخاری اور ترمذی وغیرہ۔

سنن :۔ جس کتاب میں فقط احکام سے متعلق احادیث ہوں جیسے سنن ابو داؤد نسائی۔

مسند :۔ جس کتاب میں ترتیب صحابہ سے احادیث لائی جائیں جیسے مسند احمد بن حنبل۔

معجم :۔ جس کتاب میں ترتیب شیوخ سے احادیث لائی جائیں جیسے معجم طبرانی۔

---

[1] غریب، عزیز اور مشہور ان میں سے ہر قسم کو خبر واحد کہا جاتا ہے۔

مستخرج :۔ جس کتاب میں کسی اور کتاب کی احادیث کو ثابت کرنے کے لیے ان احادیث کو مصنف کتاب کے شیخ یا شیخ الشیخ کی دیگر اسناد سے وارد کیا جائے۔ جیسے مستخرج لابی نعیم علی البخاری۔

مستدرک :۔ جس کتاب میں مختلف ابواب کے تحت ان احادیث کو لایا جائے جو ان ابواب میں کسی اور مصنف سے رہ گئی ہوں جیسے حاکم کی مستدرک علی الصحیحین۔

رسالہ :۔ جس کتاب میں جامع کے آٹھ عنوانوں میں سے کسی ایک عنوان کے تحت احادیث ہوں جیسے امام احمد کی کتاب الزہد آداب میں اور ابن جریر طبری کی کتاب تفسیر میں۔

جز :۔ جس کتاب میں صرف ایک موضوع پر احادیث ہوں جیسے امام بخاری کی جزء القراۃ خلف الامام۔

اربعین :۔ جس کتاب میں چالیس احادیث ہوں جیسے اربعین نووی۔

امالی :۔ جس کتاب میں شیخ کے املا کرائے ہوئے فوائد حدیث ہوں جیسے امالی امام محمد۔

اطراف :۔ جس کتاب میں حدیث کا صرف وہ حصہ ذکر کیا جائے جو بقیہ پر دلالت کرے اور پھر اس حدیث کے تمام طرق اور اسانید بیان کر دیئے جائیں یا بعض کتب مخصوصہ کی اسانید بیان کی جائیں۔ جیسے اطراف الکتب الخمسۃ لابی العباس اور اطراف المزی۔

طبقات کتب حدیث

شاہ ولی اللہ نے کتب حدیث کی صحت، شہرت اور مقبولیت کے اعتبار سے چار طبقے بیان کیے ہیں جن کو ہم تلخیص کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں۔

(۱) پہلا طبقہ ان کتابوں کا ہے جن کی صحت، شہرت اور مقبولیت سب سے زیادہ ہے جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور موطا امام مالک۔

(۲) دوسرا طبقہ ان کتابوں کا ہے جو صحت، شہرت اور مقبولیت میں پہلے طبقہ کے قریب ہیں اس طبقہ کی اکثر کتابوں میں اکثر احادیث صحیح اور حسن ہیں بعض ضعیف روایات بھی آگئی ہیں لیکن ان کا ضعف بیان کر دیا گیا ہے۔ جیسے جامع ترمذی، سنن ابو داؤد اور سنن نسائی۔

(۳) اس طبقہ میں ان مصنفین کی کتابیں ہیں جو امام بخاری اور مسلم پر مقدم ان کے معاصر

یا ان کے مقارب تھے، حدیث میں۔ ان کی فنی مہارت تو مسلم تھی لیکن ان کی تصانیف میں دوسرے طبقہ کی بنسبت ضعیف روایات زیادہ ہیں۔ بلکہ بعض ایسی احادیث بھی ہیں جو متہم بالوضع ہیں جیسے مسند شافعی، سنن ابن ماجہ، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، سنن دارمی، سنن دارقطنی، سنن بیہقی اور تصانیف طبرانی۔

(۴) چوتھے طبقہ میں ان متاخرین علماء کی کتابیں ہیں جن کی روایت کردہ احادیث کا قرون اولیٰ میں ثبوت نہیں ملتا۔ اس کے دو ہی مطلب ہیں یا تو متقدین کو ان احادیث کی اصل نہیں مل سکی اور یا انہوں نے ان روایات میں کوئی علت خفیہ دیکھ کر ترک کر دیا۔ جیسے دیلمی، ابونعیم اور ابن عساکر وغیرہ کی تصانیف۔

مراتب ارباب حدیث

سطور ذیل میں مراتب ارباب حدیث کا بیان کیا جاتا ہے۔

طالب:۔ حدیث کا متعلم۔

شیخ:۔ حدیث کے معلم کو محدث یا شیخ کہتے ہیں۔

حافظ:۔ جس شخص کو ایک لاکھ احادیث متناً وسنداً اور اس کے روایت کے احوال جرحاً وتعدیلاً محفوظ ہوں۔

حجۃ: جس شخص کو تین لاکھ احادیث متناً وسنداً اور جرحاً وتعدیلاً محفوظ ہوں۔

حاکم: جس شخص کو تمام احادیث مرویہ متناً وسنداً اور جرحاً وتعدیلاً محفوظ ہوں۔

حدیث ضعیف کے افراد جب حدیث کی سند میں کوئی طعن یا جرح پائی جائے تو وہ حدیث باعتبار سند کے مطعون اور مجروح ہو جاتی ہے سطور سابقہ میں اس کی چند اقسام بیان کی گئی ہیں، مثلاً مضطرب، منقطع، معلول، منکر، متروک، مبہم وغیرہم طعن کی یہ تمام اقسام حدیث ضعیف میں داخل ہیں البتہ ان کے مراتب میں فرق ہوتا ہے اور حدیث متروک یعنی جس کا راوی متہم بالکذب ہو باقی اقسام کی بنسبت زیادہ شدید ضعف کی حامل ہوتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث کی سند میں متعدد وجوہ طعن ہوں مثلاً وہ حدیث معلول بھی ہو منکر بھی اور متروک بھی لیکن متعدد وجوہ طعن جمع ہونے کے باوجود بھی وہ حدیث ضعیف ہی رہے گی البتہ جس قدر وجوہ طعن زیادہ ہوں گے اس کا ضعف بڑھتا جائے گا بتلانا یہ مقصود ہے کہ سند میں طعن اور جرح کی زیادتی اس کے وضع اور بطلان کو مستلزم نہیں ہوتی حدیث کو صرف اس وقت موضوع قرار دیا جائے گا جب اس کی سند میں کوئی وضاع راوی آجائے۔

غیر صحیح کی تحقیق بعض دفعہ محدثین حضرات کسی سند کے بارے میں لکھتے ہیں لا یصح یعنی یہ سند صحیح نہیں ہے اس جملہ سے بعض ناواقف لوگ یہ مغالطہ کھاتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع یا باطل ہے حالانکہ اصطلاح محدثین میں صحیح، غلط یا باطل کا مقابل نہیں ہوتا بلکہ صحیح کے مقابلہ میں صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ اور ضعیف یہ سب شامل ہیں اور جب وہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے یہ صحیح لذاتہ نہیں ہے اور ایسی صورت میں یہ صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ یا حسن لغیرہ ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صحت کی نفی تو ضعف کو بھی مستلزم نہیں چہ جائیکہ صحت کی نفی سے وضع یا بطلان کا حکم لازم آئے اس بحث کی نفیس تحقیق اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی نے رسالہ منیر العینین میں بیان فرمائی ہے:

متن اور سند میں احکام کا فرق راوی کی مجروحیت اور وجوہ طعن کا تعلق سند سے ہوتا ہے متن حدیث کا حکم دوسرے قرائن کے اعتبار سے کیا جاتا ہے یہ ممکن ہے کہ کسی صحیح حدیث کو ایک وضاع راوی بیان کرے پس اس سند کے اعتبار سے تو اس حدیث کو موضوع کہا جائے گا لیکن فی نفسہٖ وہ حدیث موضوع نہیں کہلائے گی البتہ جب کسی حدیث کی سند میں کوئی وضاع راوی ہو اور اس حدیث کا متن کسی طریقہ سے ثابت نہ ہو تو وہ حدیث مطلقاً موضوع کہلائے گی

اس کی مثال یہ ہے کہ علامہ شمس الدین ذہبی میزان الاعتدال میں بیان فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے عن ابراھیم بن موسیٰ المزوری عن مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ۔ حدیث طلب العلم فریضۃ کو موضوع فرمایا علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے موضوع ہے ورنہ نفس حدیث دیگر طرق ضعیفہ سے ثابت ہے ۔ اسی طرح تمہید میں حافظ ابن البر نے حدیث الصلوٰۃ بسواک خیر من سبعین صلاۃ کو باطل کہا ہے لیکن علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ حکم بھی اس خاص سند کے اعتبار سے ہے ۔

اسی طرح حدیث ضعیف میں بھی ضعف کا حکم باعتبار سند کے ہوتا ہے ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی صحیح حدیث کو ایک ضعیف راوی بیان کرے پس سند کے اعتبار سے وہ حدیث ضعیف کہلائے گی لیکن متن حدیث کا یہ حکم نہیں ہوگا علامہ نووی فرماتے ہیں ۱۔

ان روایات الراوی الضعیف	ضعیف راوی کی روایات میں صحیح ، ضعیف
یکون فیہ الصحیح والضعیف	اور باطل ہر قسم کی احادیث ہوتی ہیں
والباطل فیکتبو نھا ثم یمیز	محدثین ان تمام روایات کو لکھ لیتے ہیں
اہل الحفظ والاتقان بعض	پھر اہل علم ان کو تمیز دیتے ہیں اور یہ
ذالک من بعض وذالک سھل علیہم	ان کے لیے آسان ہے اسی دلیل سے
معروف عندھم وبھذا	سفیان ثوری نے اس وقت استدلال
احتج السفیان الثوری حین	کیا جب ان سے کلبی کی روایات
نھی عن الروایۃ عن الکلبی	قبول کرنے پر اعتراض کیا گیا تو انہوں
فقیل لہ انت تروی عنہ فقال انا	نے کہا میں اس کے صدق اور کذب
اعرف صدقہ من کذبہ	میں تمیز کر لیتا ہوں ۔

حدیث موضوع کا حکم

حدیث موضوع سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی حدیث موضوع کو بغیر بیان وضع کے بیان کرنا جائز ہے ۔ ایک حدیث متعدد ضعیف اسناد سے بیان کی جائے تو وہ قوی ہو جاتی ہے لیکن اگر ایک حدیث متعدد موضوع اسانید سے بیان

---

۱ ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم للنووی علی مسلم ج ۱ ص ۲۱

کی جائے تو وہ پھر بھی موضوع رہتی ہے کیونکہ شر کے ساتھ شر مل جائے تو وہ پھر بھی شر ہی رہتا ہے۔

احادیث سے ثابت ہونیوالے امور کی تفصیل

احادیث سے جو مسائل اور احکام ثابت ہوتے ہیں جن کا تعلق حلت اور حرمت کے ساتھ ہو وہ چار قسم پر ہیں (۱) عقائد قطعیہ جیسے توحید و رسالت اور مبدأ و معاد (۲) عقائد ظنیہ جیسے انبیاء کی ملائکہ پر فضیلت اور قبر کے احوال۔

عقائد قطعیہ :- ان کے اثبات کے لیے حدیث متواتر ہونی چاہیئے۔ عام ازینکہ تواتر لفظی ہو یا معنوی۔

عقائد ظنیہ :- ان کے اثبات کے لیے اخبار آحاد کافی ہیں۔

احکام :- ان کے اثبات کے لیے حدیث صحیح ہونی چاہیئے یا کم از کم یہ کہ وہ حدیث حسن لغیرہ سے کم نہ ہو۔

فضائل و مناقب :- اس باب میں بالاتفاق احادیث ضعیفہ کا بھی اعتبار کر لیا جاتا ہے۔

چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں :-

انھم قد یرشون عنہم احادیث الترغیب	حضرات علماء بھی ضعیف راویوں سے
والترھیب وفضائل الاعمال والقصص	ترغیب، ترہیب، فضائل اعمال قصص
احادیث الزھد ومکارم الاخلاق ونحو	زہد اور مکارم اخلاق میں احادیث
ذالک مما لا یتعلق بالحلال والحرام وسائر	روایت کرتے ہیں اور حلال و حرام کے
الاحکام وھذا الضرب من الحدیث	احکام میں ان سے اصلاً روایت نہیں
یجوز عند اھل الحدیث وغیرھم	کرتے۔ اور اس قسم کی احادیث میں
التساھل فیہ وروایتہ ما سوی الموضوع	ضعیف راویوں سے روایت کرنا اور
منہ والعمل بہ لان اصول ذالک	ان پر عمل کرنا صحیح اور شرع میں ثابت
صحیحۃ مقررۃ فی الشرع معروفۃ	ہے اور احکام سے متعلق حدیث میں
عند اھلہ وعلی کل حال فان الائمۃ	جب کوئی ضعیف راوی متفرد ہو تو
لا یروون عن الضعفاء شیئا یحتجون	اس کی روایت سے ہرگز استدلال

بہ علی انفرادہ فی الاحکام ؎ | نہیں کیا جاتا۔

علامہ نووی کی اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ فضائل اور مناقب میں ضعیف روایات کو قبول کیا جاتا ہے اور ان کے مقتضیٰ پر عمل بھی ہوتا ہے البتہ احکام میں ضعاف کا اعتبار نہیں ہوتا لیکن بعض صورتوں میں احتیاط کے پیش نظر احکام میں بھی ضعیف روایات کا اعتبار کر لیا جاتا ہے چنانچہ علامہ نووی لکھتے ہیں۔

قال العلماء من المحدثین والفقہاء وغیرہم	حضرات محدثین، فقہاء اور دیگر علماء کرام
یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب	فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال اور ترغیب
والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن	ترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا مستحب
موضوعا واما الاحکام کالحلال	ہے جبکہ وہ موضوع نہ ہو لیکن حلال اور
والحرام والبیع والنکاح والطلاق و	حرام کے احکام مثلاً بیع، نکاح اور
غیر ذالک فلا یعمل فیہا الا بالحدیث	طلاق وغیرہ میں حدیث صحیح یا حسن کے
الصحیح او الحسن الا ان یکون فی	سوا اور کسی پر عمل درست نہیں اِلّا یہ
احتیاط فی شیء کما اذا ورد	کہ اس میں احتیاط ہو مثلاً بیع یا نکاح
حدیث ضعیف بکراھۃ بعض البیوع	کی کراہت میں کوئی حدیث ضعیف
او الانکحۃ ؎	وارد ہو؎

حدیث ضعیف کی تقویت

فضائل اعمال اور باب مناقب میں عموماً احادیث ضعیفہ کا اعتبار کیا جاتا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر ان بعض قرائن کا ذکر کر دیا جائے جن کی بناء پر حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے اور اس کا ضعف جاتا رہتا ہے پہلی صورت یہ ہے کہ جب حدیث ضعیف متعدد اسانید سے مروی ہو تو وہ حسن لغیرہ ہو جاتی ہے چنانچہ تمام مستند اصول حدیث کی کتابوں میں یہ مسئلہ مرقوم ہے محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے بھی فتح القدیر (ج ۱ ص ۲۰۴ طبع مصر) میں اس کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے اور علامہ شعرانی لکھتے ہیں:-

---

۱؎ ابو زکریا یحییٰ ابن شرف نووی المتوفی ۶۷۶ھ | شرح مسلم للنووی علی مسلم ج ص ۲۱

۲؎ ایضاً ۔ | کتاب الاذکار ص (۲۰۰)

وقد احتج جمهور المحدثين	جب حدیث ضعیف متعدد اسانید
بالحدیث الضعیف	سے مروی ہو تو جمہور محدثین اس سے
اذا کثرت طرقه ولحقوه	استدلال کرتے ہیں اور اس کو گاہ صحیح
بالصحیح تارة وبالحسن	کے ساتھ اور گاہ حسن کے ساتھ لاحق
اخری[1]	کرتے ہیں؛

دوسری صورت یہ ہے کہ جب کسی حدیث ضعیف کے موافق مجتہدین میں سے کسی کا قول مل جائے تو اس سے بھی حدیث ضعیف کی تقویت ہو جاتی ہے چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:-

ان المجتهد اذا استدل	مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال
بحدیث کان تصحیحا	کرے تو اس کا استدلال بھی حدیث
له کما فی التحریر	کے صحیح ہونے کی دلیل ہے جس طرح
وغیرہ[2]	تحریر میں امام ابن ہمام نے تحقیق فرمائی ہے

تیسری صورت یہ ہے کہ اگر کسی حدیث ضعیف کے موافق اہل علم میں سے کسی کا قول ہو تو اس سے بھی حدیث کی تقویت ہو جاتی ہے چنانچہ امام ترمذی حدیث:- اذا اتی احدکم الصلوٰۃ والامام علی حال الحدیث کے تحت لکھتے ہیں:- ھذا حدیث غریب لا نعرف احدا اسندہ الا ما روی من ھذا الوجه والعمل علی ھذا عند اھل العلم؛ ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں:-

قال النووی اسنادہ ضعیف	علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث
نقله میرک فکان الترمذی	ضعیف ہے اور امام ترمذی اہل علم
یرید تقویة الحدیث	کے عمل سے اس حدیث کی تقویت کا
بعمل اھل العلم[3]	ارادہ فرما رہے ہیں۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ بعض اوقات صالحین کے عمل سے بھی حدیث کی تقویت ہو جاتی ہے

---

[1] امام عبدالوہاب الشعرانی — میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۶۸

[2] علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ — رد المحتار ج ۲ ص ۱

[3] ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ — مرقاۃ ج ۳ ص ۹۸

چنانچہ صلوٰۃ التسبیح جس روایت سے ثابت ہے وہ حدیث ضعیف ہے اور حاکم اور بیہقی نے اس کی تقویت کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ عبداللہ بن المبارک کے عمل کی وجہ سے یہ حدیث تقویت پائی۔ چنانچہ مولانا عبدالحیٔ لکھتے ہیں :۔

قال البیہقی کان عبد اللہ بن	علامہ بیہقی لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک
المبارک یصلیھا و تداولھا	صلاۃ تسبیح پڑھا کرتے تھے اور بعد
الصالحون بعضھم عن	کے تمام علما اس کو ایک دوسرے سے
بعض و فی ذالک تقویۃ	نقل کر کے پڑھتے رہے اس وجہ سے
للحدیث المرفوع[1]	اس حدیث مرفوع کو تقویت حاصل ہوئی

اس کے علاوہ تجربہ اور کشف سے بھی حدیث ضعیف کی تقویت ہو جاتی ہے چنانچہ ملا علی قاری نے اسی بحث میں ابن عربی کے کشف سے ایک حدیث کی تقویت کا واقعہ بیان کیا ہے۔

روایات مختلفہ میں مذاق ائمہ

جب کسی ایک مسئلہ پر متعدد متعارض روایات وارد ہوں تو اس سلسلہ میں تتبع اور تلاش سے جو ائمہ اربعہ کا مسلک معلوم ہو سکا ہے وہ یہ ہے کہ امام اعظمؒ ایسی صورت میں روایات کے درمیان تطبیق دیتے ہیں اور حتی الامکان کوشش کرتے ہیں کہ ہر روایت پر کسی نہ کسی صورت میں عمل ہو جائے اور جب تطبیق نہ ہو سکے تو اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جو اسلام اور اصول روایت کے قریب تر ہو امام شافعیؒ ایسی شکل میں قوت سند کے لحاظ سے کسی ایک روایت کو لے لیتے ہیں اور باقی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ امام مالکؒ تعارض کی صورت میں اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جو اہل مدینہ کے تعامل کے موافق ہو اور امام احمد متقدمین کی اکثریت کا لحاظ کرتے ہیں۔

مشہور حفاظ

سطور ذیل میں ہم چاروں مسلکوں کے مشاہیر حفاظ کے اسماء پیش کر رہے ہیں۔

احناف :۔ حافظ ابوبشر دولابی، حافظ اسحاق بن راھویہ، حافظ ابوجعفر طحاوی، حافظ ابن ابی العوام سعدی، حافظ ابو محمد حارثی، حافظ عبدالباقی، حافظ ابوبکر رازی جصاص، حافظ ابونصر کلاباذی

---

[1] مولانا عبدالحی لکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ الآثار المرفوعۃ ص ۲۳

حافظ ابو محمد سمرقندی، حافظ شمس الدین سروجی، حافظ قطب الدین حلبی، حافظ علاؤالدین ماردینی، حافظ جمال الدین زیلعی، حافظ علاؤالدین مغلطای، حافظ بدرالدین عینی، حافظ قاسم بن قطلوبغا وغیرہم۔

شوافع:۔ حافظ دارقطنی، حافظ بیہقی، حافظ خطابی، حافظ عزالدین ابن سلام، حافظ ابن دقیق العید، حافظ عراقی، حافظ ذہبی، حافظ مزی، حافظ ابن اثیر جزری، سبکی، ہیثمی، ابن حجر وغیرہم۔

مالکیہ:۔ حافظ حسین بن اسماعیل، حافظ رحیلی، حافظ ابن عبدالبر، حافظ ابو الولید الباجی، حافظ قاضی ابوبکر العربی، حافظ عبدالحق، حافظ قاضی عیاض، حافظ مازری، حافظ ابن رشد، حافظ ابوالقاسم سہیلی وغیرہم۔

حنابلہ:۔ حافظ عبدالغنی المقدسی، حافظ ابوالفرج بن الجوزی، حافظ ابن قدامہ، حافظ ابن رجب وغیرہم۔

امام اعظم ابوحنیفہ

حضرت امام الائمہ سراج الامۃ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ تمام فقہاء او مجتہدین کے رئیس، ماہرینِ حدیث کے امام اور استاذ و وارفتگانِ شوق کے قبلہ، عابدوں کے رہنما، زاہدوں کے قافلہ سالار، صوفیوں کے پیشوا، الغرض نبوت و صحابیت کے بعد ایک انسان میں جس قدر محاسن اور فضائل ہو سکتے ہیں وہ ان سب کے جامع بلکہ ان اوصاف میں سب کے لیے ہادی اور مقتدیٰ تھے۔

امام ابوحنیفہ نے فقہ اسلامی کے جو اصول اور قوانین وضع کیے اس کو امت محمدیہ کی اکثریت نے قبول کیا اور اعزاز و افتخار کے ساتھ فقہ حنفی کے مقلد ہوئے، بے شمار اصفیاء و اتقیاء آپ کے مسلک کے مؤید بنے۔ اور بے شمار محدثین اور محققین نے آپ کے اصول اور قواعد کے مطابق فقہی جزئیات کی توضیح اور تشریح کی اور آج دنیا میں دو ثلث سے زیادہ مسلمانوں کی آبادی فقہ حنفی کے مطابق ہی اپنی عبادات اور معاملات کو انجام دے رہی ہے؛

ولادت اور نام و نسب

امام اعظم ابوحنیفہ کے نسب میں مؤرخین کا کافی اختلاف ہے۔ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں آپ کے نسب سے متعلق تمام روایات جمع کر دی ہیں بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ آپ کے والد ثابت آپ کی ولادت کے وقت قابل غور تھے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کے صاحبزادے حماد بن ابی حنیفہ سے صحیح روایت کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ کے والد ثابت مذہب اسلام پر پیدا ہوئے اسی طرح آپ کے دادا کے بارے میں بھی

---

[1] حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۳۲۴

مورخین کا اختلاف ہے ۔بعض لوگوں نے آپ کے دادا کا نام زوطی ذکر کیا ہے جو بنی تیم کے غلام تھے ۔ بعد میں بنی تیم نے آزاد کر دیا تھا لیکن یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے ۔ کیونکہ خطیب بغدادی کی آپ کے پوتے اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ سے نقل کردہ صحیح روایت اس کی تکذیب کرتی ہے ۔ انہوں نے آپ کے دادا کا نام نعمان بن مرزبان بیان کیا۔ آپ کا پورا نام اس طرح ہے :" نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان " نیز اسماعیل بن حماد نے فرمایا ہم اہل فارس ہیں اور ہمیشہ سے آزاد ہیں ۔ ہمارے خاندان میں کبھی غلامی نہیں آئی[1] خطیب کی اس روایت کو دیگر محققین نے بھی قبول کرکے اس پر اعتماد کا اظہار کیا ہے ۔ حوالے کے لیے دیکھیے تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۴۹ از ابن حجر عسقلانی اور ذیل الجواہر المضیہ ج ۲ ص ۵۴۲ از ملا علی قاری ۔

یہ خیال بھی کیا جاتا ہے کہ آپ کے دادا کا نام قبل از اسلام زوطی تھا اور قبول اسلام کے بعد انہی کا نام نعمان رکھا گیا ہے ۔

اسماعیل بن حماد سے ہی روایت ہے کہ آپ کے دادا نعمان بن مرزبان کے حضرت علی سے بڑے گہرے مراسم تھے ایک مرتبہ نعمان بن مرزبان حضرت علی کے لیے فالودہ لے کر گئے جس کو انہوں نے بے حد پسند فرمایا جب ثابت پیدا ہوئے تو نعمان ان کو حضرت علی کی خدمت میں لے کر گئے ۔ حضرت علی نے ثابت اور ان کی اولاد کے حق میں دعا فرمائی تھی ۔ اسماعیل بن حماد کہتے ہیں ہمیں اللہ کے فضل سے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حق میں حضرت علی کی یہ دعا قبول فرمائی ہے[2]

آپ کی کنیت ابو حنیفہ ہے جس کا مطلب ہے ، صاحب ملت حنیفہ اور اس کا مفہوم ہے " ادیان باطلہ سے اعراض کرکے دین حق کو اختیار کرنے والا " اسی معنی کی غرض سے یہ کنیت اختیار کی گئی ہے ۔ ورنہ حنیفہ نام کی آپ کی کوئی صاحبزادی نہیں تھی ۔ آپکا نام نعمان ہے اس نام کی لطافت بیان کرتے ہوئے علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] حافظ ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ ، تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۳۲۶

[2] ایضاً

حسن لغیرہ :- جو حدیث صحیح لذاتہ کی ایک سے زیادہ صفات سے قاصر ہو لیکن یہ کمی تعدد طرق روایت سے پوری ہو جائے۔

ضعیف :- جو حدیث صحیح لذاتہ کی ایک سے زیادہ صفات سے قاصر ہو۔ اور تعدد طرق سے وہ کمی پوری نہ ہو۔

متروک :- جس حدیث کی سند میں کوئی راوی متہم بالکذب ہو۔

موضوع :- جس حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس سے وضع فی الحدیث ثابت ہو۔

غریب :- جس حدیث کی سند کا کوئی راوی سلسلہ سند کے کسی شیخ سے روایت میں منفرد ہو۔

عزیز :- جس حدیث کے دو راوی ہوں پھر سلسلہ سند کے ہر راوی سے کم از کم دو شخص روایت کرتے ہوں۔

مشہور :- جو حدیث دو سے زیادہ طرق سے مروی ہو۔ (یعنی سلسلہ سند میں کسی شیخ سے بھی تین سے کم راوی نہ ہوں) اور یہ زیادتی حد تواتر سے کم ہو[1]

متواتر :- جو حدیث ہر دور میں اتنے کثیر طرق سے مروی ہو کہ ان روایات کا توافق علی الکذب عادۃً محال ہو۔

اقسام کتب حدیث

کتب حدیث کی انواع اور اقسام کافی زیادہ ہیں یہاں پر بعض ضروری اقسام کو بیان کیا جا رہا ہے۔

صحیح :- جس کتاب کے مصنف نے صرف احادیث صحیحہ کا التزام کیا ہو جیسے صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ۔

جامع :- جس کتاب میں آٹھ عنوانوں کے تحت احادیث لائی جائیں اور وہ یہ ہیں۔ سیر، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، احکام، اشراط، مناقب جیسے بخاری اور ترمذی وغیرہ۔

سنن :- جس کتاب میں فقط احکام سے متعلق احادیث ہوں جیسے سنن ابو داؤد نسائی۔

مسند :- جس کتاب میں ترتیب صحابہ سے احادیث لائی جائیں جیسے مسند احمد بن حنبل۔

معجم :- جس کتاب میں ترتیب شیوخ سے احادیث لائی جائیں جیسے معجم طبرانی۔

---

[1] غریب، عزیز اور مشہور ان میں سے ہر قسم کو خبر واحد کہا جاتا ہے۔

مستخرج :- جس کتاب میں کسی اور کتاب کی احادیث کو ثابت کرنے کے لیے ان احادیث کو مصنف کتاب کے شیخ یا شیخ الشیخ کی دیگر اسناد سے وارد کیا جائے۔ جیسے مستخرج لابی نعیم علی البخاری۔

مستدرک :- جس کتاب میں مختلف ابواب کے تحت ان احادیث کو لایا جائے جو ان ابواب میں کسی اور مصنف سے رہ گئی ہوں جیسے حاکم کی مستدرک علی الصحیحین۔

رسالہ :- جس کتاب میں جامع کے آٹھ عنوانوں میں سے کسی ایک عنوان کے تحت احادیث ہوں جیسے امام احمد کی کتاب الزہد آداب میں اور ابن جریر طبری کی کتاب تفسیر میں۔

جز :- جس کتاب میں صرف ایک موضوع پر احادیث ہوں جیسے امام بخاری کی جزء القراۃ خلف الامام۔

اربعین :- جس کتاب میں چالیس احادیث ہوں جیسے اربعین نووی۔

امالی :- جس کتاب میں شیخ کے املاء کرائے ہوئے فوائد حدیث ہوں جیسے امالی امام محمد۔

اطراف :- جس کتاب میں حدیث کا صرف وہ حصہ ذکر کیا جائے جو بقیہ پر دلالت کرے اور پھر اس حدیث کے تمام طرق اور اسانید بیان کر دیئے جائیں یا بعض کتب مخصوصہ کی اسانید بیان کی جائیں۔ جیسے اطراف الکتب الستہ لابی العباس اور اطراف المزی۔

طبقات کتب حدیث

شاہ ولی اللہ نے کتب حدیث کی صحت، شہرت اور مقبولیت کے اعتبار سے چار طبقے بیان کیے ہیں جن کو ہم تلخیص کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں۔

(۱) پہلا طبقہ ان کتابوں کا ہے جن کی صحت، شہرت اور مقبولیت سب سے زیادہ ہے جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور موطا امام مالک۔

(۲) دوسرا طبقہ ان کتابوں کا ہے جو صحت، شہرت اور مقبولیت میں پہلے طبقہ کے قریب ہیں اس طبقہ کی اکثر کتابوں میں اکثر احادیث صحیح اور حسن ہیں بعض ضعیف روایات بھی آگئی ہیں لیکن ان کا ضعف بیان کر دیا گیا ہے۔ جیسے جامع ترمذی، سنن ابوداؤد اور سنن نسائی۔

(۳) اس طبقہ میں ان مصنفین کی کتابیں ہیں جو امام بخاری اور مسلم پر مقدم، ان کے معاصر

یا ان کے مقارب تھے، حدیث میں۔ ان کی فنی مہارت تو مسلم تھی لیکن ان کی تصانیف میں دوسرے طبقہ کی بنسبت ضعیف روایات زیادہ ہیں۔ بلکہ بعض ایسی احادیث بھی ہیں جو متہم بالوضع ہیں جیسے مسند شافعی، سنن ابن ماجہ، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، سنن دارمی، سنن دارقطنی، سنن بیہقی اور تصانیف طبرانی۔

(۴) چوتھے طبقہ میں ان متاخرین علماء کی کتابیں ہیں جن کی روایت کردہ احادیث کا قرون اولیٰ میں ثبوت نہیں ملتا۔ اس کے دو ہی مطلب ہیں یا تو متقدین کو ان احادیث کی اصل نہیں مل سکی اور یا انہوں نے ان روایات میں کوئی علت خفیہ دیکھ کر ترک کر دیا۔ جیسے دیلمی، ابونعیم اور ابن عساکر وغیرہ کی تصانیف۔

مراتب ارباب حدیث

سطور ذیل میں مراتب ارباب حدیث کا بیان کیا جاتا ہے۔

طالب :۔ حدیث کا متعلم۔

شیخ :۔ حدیث کے معلم کو محدث یا شیخ کہتے ہیں۔

حافظ :۔ جس شخص کو ایک لاکھ احادیث متناً وسنداً اور اس کے روایت کے احوال جرحاً وتعدیلاً محفوظ ہوں۔

حجۃ :۔ جس شخص کو تین لاکھ احادیث متناً وسنداً اور جرحاً وتعدیلاً محفوظ ہوں۔

حاکم :۔ جس شخص کو تمام احادیث مرویہ متناً وسنداً اور جرحاً وتعدیلاً محفوظ ہوں۔

حدیث ضعیف کے افراد

جب حدیث کی سند میں کوئی طعن یا جرح پائی جائے تو وہ حدیث باعتبار سند کے مطعون اور مجروح ہو جاتی ہے سطور سابقہ میں اس کی چند اقسام بیان کی گئی ہیں، مثلاً مضطرب، منقطع، معلول، منکر، متروک، مبہم وغیرہم طعن کی یہ تمام اقسام حدیث ضعیف میں داخل ہیں البتہ ان کے مراتب میں فرق ہوتا ہے اور حدیث متروک یعنی جس کا راوی متہم بالکذب ہو باقی اقسام کی بنسبت زیادہ شدید ضعف کی حامل ہوتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث کی سند میں متعدد وجوہ طعن ہوں مثلاً وہ حدیث معلول بھی ہو منکر بھی اور متروک بھی لیکن متعدد وجوہ طعن جمع ہونے کے باوجود بھی وہ حدیث ضعیف ہی رہے گی البتہ جس قدر وجوہ طعن زیادہ ہوں گے اس کا ضعف بڑھتا جائے گا بتلانا یہ مقصود ہے کہ سند میں طعن اور جرح کی زیادتی اس کے وضع اور بطلان کو مستلزم نہیں ہوتی حدیث کو صرف اس وقت موضوع قرار دیا جائے گا جب اس کی سند میں کوئی وضاع راوی آجائے۔

غیر صحیح کی تحقیق

بعض دفعہ محدثین حضرات کسی سند کے بارے میں لکھتے ہیں لا یصح یعنی یہ سند صحیح نہیں ہے اس جملہ سے بعض ناواقف لوگ یہ مغالطہ کھاتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع یا باطل ہے حالانکہ اصطلاح محدثین میں صحیح، غلط یا باطل کا مقابل نہیں ہوتا بلکہ صحیح کے مقابلہ میں صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ اور ضعیف یہ سب شامل ہیں اور جب وہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے یہ صحیح لذاتہ نہیں ہے اور ایسی صورت میں یہ صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ یا حسن لغیرہ ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صحت کی نفی تو ضعف کو بھی مستلزم نہیں چہ جائیکہ صحت کی نفی سے وضع یا بطلان کا حکم لازم آئے اس بحث کی نفیس تحقیق اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی نے رسالہ منیر العینین میں بیان فرمائی ہے:

متن اور سند میں احکام کا فرق

راوی کی مجروحیت اور وجوہ طعن کا تعلق سند سے ہوتا ہے متن حدیث کا حکم دوسرے قرائن کے اعتبار سے کیا جاتا ہے یہ ممکن ہے کہ کسی صحیح حدیث کو ایک وضاع راوی بیان کرے پس اس سند کے اعتبار سے تو اس حدیث کو موضوع کہا جائے گا لیکن فی نفسہ وہ حدیث موضوع نہیں کہلائے گی البتہ جب کسی حدیث کی سند میں کوئی وضاع راوی ہو اور اس حدیث کا متن کسی طریقہ سے ثابت نہ ہو تو وہ حدیث مطلقاً موضوع کہلائیگی

اس کی مثال یہ ہے کہ علامہ شمس الدین ذہبی میزان الاعتدال میں بیان فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے عن ابراہیم بن موسیٰ المروزی عن مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ حدیث طلب العلم فریضۃ کو موضوع فرمایا علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے موضوع ہے ورنہ نفس حدیث دیگر طرق ضعیفہ سے ثابت ہے۔ اسی طرح تمہید میں حافظ ابن البر نے حدیث الصلوٰۃ بسواک خیر من سبعین صلاۃ کو باطل کہا ہے لیکن علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ حکم بھی اس خاص سند کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح حدیث ضعیف میں بھی ضعف کا حکم باعتبار سند کے ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی صحیح حدیث کو ایک ضعیف راوی بیان کرے پس سند کے اعتبار سے وہ حدیث ضعیف کہلائے گی لیکن متن حدیث کا یہ حکم نہیں ہوگا علامہ نووی[1] فرماتے ہیں۔

ان روایات الراوی الضعیف	ضعیف راوی کی روایات میں صحیح، ضعیف
یکون فیہ الصحیح والضعیف	اور باطل ہر قسم کی احادیث ہوتی ہیں
والباطل فیکتبونہا ثم یمیز	محدثین ان تمام روایات کو لکھ لیتے ہیں
اہل الحفظ والاتقان بعض	پھر اہل علم ان کو تمیز دیتے ہیں اور یہ
ذالک من بعض وذالک سہل علیہم	ان کے لیے آسان ہے اسی دلیل سے
معروف عندہم وبہذا	سفیان ثوری نے اس وقت استدلال
احتج السفیان الثوری حین	کیا جب ان سے کلبی کی روایات
نہی من الروایۃ عن الکلبی	قبول کرنے پر اعتراض کیا گیا تو انہوں
فقیل لہ انت تروی عنہ فقال انا	نے کہا میں اس کے صدق اور کذب
اعرف صدقہ من کذبہ	میں تمیز کر لیتا ہوں۔

حدیث موضوع کا حکم حدیث موضوع سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی حدیث موضوع کو بغیر بیان وضع کے بیان کرنا جائز ہے۔ ایک حدیث متعدد ضعیف اسناد سے بیان کی جائے تو وہ قوی ہو جاتی ہے لیکن اگر ایک حدیث متعدد موضوع اسانید سے بیان

[1] ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ — شرح مسلم للنووی علی مسلم ج ۱ ص ۲۱

کی جائے تو وہ پھر بھی موضوع رہتی ہے کیونکہ شر کے ساتھ شر مل جائے تو وہ پھر بھی شر ہی رہتا ہے۔

احادیث سے ثابت ہونیوالے امور کی تفصیل

احادیث سے جو مسائل اور احکام ثابت ہوتے ہیں جن کا تعلق حلت اور حرمت کے ساتھ ہو وہ چار قسم پر ہیں (۱) عقائد قطعیہ جیسے توحید و رسالت اور مبدء و معاد (۲) عقائد ظنیہ جیسے انبیاء کی ملائکہ پر فضیلت اور قبر کے احوال۔

عقائد قطعیہ:- ان کے اثبات کے لیے حدیث متواتر ہونی چاہیئے۔ عام ازینکہ تواتر لفظی ہو یا معنوی۔

عقائد ظنیہ:- ان کے اثبات کے لیے اخبار آحاد کافی ہیں۔

احکام:- ان کے اثبات کے لیے حدیث صحیح ہونی چاہیئے یا کم از کم یہ کہ وہ حدیث حسن لغیرہ سے کم نہ ہو۔

فضائل و مناقب:- اس باب میں بالاتفاق احادیث ضعیفہ کا بھی اعتبار کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں:-

انہم قد یروون عنہم احادیث الترغیب	حضرات محدثین ضعیف راویوں سے
والترہیب وفضائل الاعمال والقصص و	ترغیب، ترہیب، فضائل اعمال، قصص
احادیث الزہد ومکارم الاخلاق ونحو	زہد اور مکارم اخلاق میں احادیث
ذالک مما لا یتعلق بالحلال والحرام وسائر	روایت کرتے ہیں اور حلال و حرام کے
الاحکام وھذا الضرب من الحدیث	احکام میں ان سے اصلاً روایت نہیں
یجوز عند اہل الحدیث وغیرھم	کرتے۔ اور اس قسم کی احادیث میں
التساہل فیہ وروایۃ ما سوی الموضوع	ضعیف راویوں سے روایت کرنا اور
منہ والعمل بہ لان اصول ذالک	ان پر عمل کرنا صحیح اور شرع میں ثابت
صحیحۃ مقررۃ فی الشرع معروفۃ	ہے اور احکام سے متعلق حدیث میں
عند اھلہ وعلی کل حال فان الائمۃ	جب کوئی ضعیف راوی متفرد ہو تو
لا یروون عن الضعفاء شیئا یحتجون	اس کی روایت سے ہرگز استدلال

به علی انفراده فی الاحکام ۔ ‏ ‏ نہیں کیا جاتا۔

علامہ نووی کی اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ فضائل اور مناقب میں ضعیف روایات کو قبول کیا جاتا ہے اور ان کے مقتضی پر عمل بھی ہوتا ہے البتہ احکام میں ضعاف کا اعتبار نہیں ہوتا لیکن بعض صورتوں میں احتیاط کے پیش نظر احکام میں بھی ضعیف روایات کا اعتبار کر لیا جاتا ہے چنانچہ علامہ نووی لکھتے ہیں۔

قال العلماء من المحدثین والفقهاء وغیرهم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترهیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعا واما الاحکام کالحلال والحرام والبیع والنکاح والطلاق وغیر ذالک فلا یعمل فیها الا بالحدیث الصحیح او الحسن الا ان یکون فی احتیاط فی شیء کما اذا ورد حدیث ضعیف بکراهة بعض البیوع او الانکحة[2]

حضرات محدثین، فقہاء اور دیگر علماء کرام فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال اور ترغیب ترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا مستحب ہے جبکہ وہ موضوع نہ ہو لیکن حلال اور حرام کے احکام مثلاً بیع، نکاح اور طلاق وغیرہ میں حدیث صحیح یا حسن کے سوا اور کسی پر عمل درست نہیں اِلّا یہ کہ اس میں احتیاط ہو مثلاً بیع یا نکاح کی کراہت میں کوئی حدیث ضعیف وارد ہو۔

حدیث ضعیف کی تقویت

فضائل اعمال اور باب مناقب میں عموماً احادیث ضعیفہ کا اعتبار کیا جاتا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر ان بعض قرائن کا ذکر کر دیا جائے جن کی بناء پر حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے اور اس کا ضعف جاتا رہتا ہے پہلی صورت یہ ہے کہ جب حدیث ضعیف متعدد اسانید سے مروی ہو تو وہ حسن لغیرہ ہو جاتی ہے چنانچہ تمام مستند اصول حدیث کی کتابوں میں یہ مسئلہ مرقوم ہے محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے بھی فتح القدیر (ج ۱ ص ۲۰۸ مطبع مصر) میں اس کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے اور علامہ شعرانی لکھتے ہیں :-

---

[1] ابو زکریا یحیی بن شرف نووی المتوفی ۶۷۶ھ ‏ ‏ شرح مسلم للنووی علی مسلم ج ۱ ص ۲۱

[2] ایضاً ۔ ‏ ‏ کتاب الاذکار ص (۷، ۸)

وقد احتج جمهور المحدثين بالحديث الضعيف اذا کثرت طرقه ولحقوه بالصحیح تارة وبالحسن اخرى[1]

جب حدیث ضعیف متعدد اسانید سے مروی ہو تو جمہور محدثین اس سے استدلال کرتے ہیں اور اس کو کبھی صحیح کے ساتھ اور کبھی حسن کے ساتھ لاحق کرتے ہیں؛

دوسری صورت یہ ہے کہ جب کسی حدیث ضعیف کے موافق مجتہدین میں سے کسی کا قول مل جائے تو اس سے بھی حدیث ضعیف کی تقویت ہو جاتی ہے چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں :-

ان المجتهد اذا استدل بحديث كان تصحيحا له كما في التحرير وغيره[2]

مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو اس کا استدلال بھی حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے جس طرح تحریر میں امام ابن ہمام نے تحقیق فرمائی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اگر کسی حدیث ضعیف کے موافق اہل علم میں سے کسی کا قول ہو تو اس سے بھی حدیث کی تقویت ہو جاتی ہے چنانچہ امام ترمذی حدیث :- اذا اتی احدکم الصلوٰۃ والامام علی حال الحدیث کے تحت لکھتے ہیں :- ھذا حدیث غریب لا نعرف احدا اسندہ الا ما روی من ھذا الوجه والعمل علی ھذا عند اهل العلم ؛ ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں :-

قال النووي اسناده ضعيف نقله ميرك فكان الترمذي يريد تقوية الحديث بعمل اهل العلم[3]

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور امام ترمذی اہل علم کے عمل سے اس حدیث کی تقویت کا ارادہ فرما رہے ہیں۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ بعض اوقات صالحین کے عمل سے بھی حدیث کی تقویت ہو جاتی ہے

---

1. امام عبد الوہاب الشعرانی — میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۶۸
2. علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ — رد المحتار ج ۲ ص ۱
3. ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ — مرقاۃ ج ۳ ص ۹۸

چنانچہ صلوٰۃ التسبیح جس روایت سے ثابت ہے وہ حدیث ضعیف ہے اور حاکم اور بیہقی نے اس کی تقویت کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ عبداللہ بن المبارک کے عمل کی وجہ سے یہ حدیث تقویت پا گئی۔ چنانچہ مولانا عبدالحی لکھتے ہیں :-

قال البیہقی کان عبداللہ بن المبارک یصلیہا وتداولہا الصالحون بعضہم عن بعض وفی ذالک تقویۃ للحدیث المرفوع [1]

علامہ بیہقی لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک صلاۃ تسبیح پڑھا کرتے تھے اور بعد کے تمام علماء اس کو ایک دوسرے سے نقل کرکے پڑھتے رہے اس وجہ سے اس حدیث مرفوع کو تقویت حاصل ہوئی

اس کے علاوہ تجربہ اور کشف سے بھی حدیث ضعیف کی تقویت ہو جاتی ہے چنانچہ ملا علی قاری نے اسی بحث میں ابن عربی کے کشف سے ایک حدیث کی تقویت کا واقعہ بیان کیا ہے۔

روایات مختلفہ میں مذاق ائمہ

جب کسی ایک مسئلہ پر متعدد متعارض روایات وارد ہوں تو اس سلسلہ میں تتبع اور تلاش سے جو ائمہ اربعہ کا مسلک معلوم ہو سکا ہے وہ یہ ہے کہ امام اعظمؒ ایسی صورت میں روایات کے درمیان تطبیق دیتے ہیں اور حتی الامکان کوشش کرتے ہیں کہ ہر روایت پر کسی نہ کسی صورت میں عمل ہو جائے اور جب تطبیق نہ ہو سکے تو اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جو اسلام اور اصول روایت کے قریب تر ہو امام شافعیؒ ایسی شکل میں قوت سند کے لحاظ سے کسی ایک روایت کو لے لیتے ہیں اور باقی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ امام مالکؒ تعارض کی صورت میں اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جو اہل مدینہ کے تعامل کے موافق ہو اور امام احمد متقدمین کی اکثریت کا لحاظ کرتے ہیں۔

مشہور حفاظ

سطور ذیل میں ہم چاروں مسلکوں کے مشاہیر حفاظ کے اسماء پیش کر رہے ہیں۔

احناف :- حافظ ابوبشر دولابی، حافظ اسحاق بن راھویہ، حافظ ابوجعفر طحاوی، حافظ ابن ابی العوام سعدی، حافظ ابو محمد حارثی، حافظ عبدالباقی، حافظ ابوبکر رازی جصاص، حافظ ابونصر کلاباذی

---

[1] مولانا عبدالحی لکھنوی المتوفی م ۱۳۰۴ھ — الآثار المرفوعۃ ص ۲۳

حافظ ابو محمد سمرقندی، حافظ شمس الدین سروجی، حافظ قطب الدین حلبی، حافظ علاؤ الدین ماردینی، حافظ جمال الدین زیلعی، حافظ علاؤ الدین مغلطای، حافظ بدر الدین عینی، حافظ قاسم بن قطلوبغا وغیرہم۔

شوافع:۔ حافظ دار قطنی، حافظ بیہقی، حافظ خطابی، حافظ عز الدین ابن سلام، حافظ ابن دقیق العید، حافظ عراقی، حافظ ذہبی، حافظ مزی، حافظ ابن اثیر جزری، سبکی ہیثمی، ابن حجر وغیرہم۔

مالکیہ:۔ حافظ حسین بن اسماعیل، حافظ رحیلی، حافظ ابن عبد البر، حافظ ابو الولید الباجی، حافظ قاضی ابوبکر العربی، حافظ عبد الحق، حافظ قاضی عیاض، حافظ مازری، حافظ ابن رشد، حافظ ابو القاسم سہیلی وغیرہم۔

حنابلہ:۔ حافظ عبد الغنی المقدسی، حافظ ابو الفرج بن الجوزی، حافظ ابن قدامہ، حافظ ابن رجب وغیرہم۔

امام اعظم ابوحنیفہ

حضرت امام الائمہ سراج الامۃ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ تمام فقہاء او مجتہدین کے رئیس، ماہرین حدیث کے امام اور استاذ وار فتگان شوق کے قبلہ، عابدوں کے رہنما، زاہدوں کے قافلہ سالار، صوفیوں کے پیشوا، الغرض نبوت وصحابیت کے بعد ایک انسان میں جس قدر محاسن اور فضائل ہو سکتے ہیں وہ ان سب کے جامع بلکہ ان اوصاف میں سب کے لیے ہادی اور مقتدیٰ تھے۔

امام ابوحنیفہ نے فقہ اسلامی کے جو اصول اور قوانین وضع کیے اس کو امت محمدیہ کی اکثریت نے قبول کیا اور اعزاز و افتخار کے ساتھ فقہ حنفی کے مقلد ہوئے، بے شمار اصفیاء واتقیاء آپ کے مسلک کے مؤید بنے۔ اور بے شمار محدثین اور محققین نے آپ کے اصول اور قواعد کے مطابق فقہی جزئیات کی توضیح اور تشریح کی اور آج دنیا میں دو ثلث سے زیادہ مسلمانوں کی آبادی فقہ حنفی کے مطابق ہی اپنی عبادات اور معاملات کو انجام دے رہی ہے؛

ولادت اور نام ونسب

امام اعظم ابوحنیفہ کے نسب میں مؤرخین کا کافی اختلاف ہے۔ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں آپ کے نسب سے متعلق تمام روایات جمع کر دی ہیں[1] بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ آپ کے والد ثابت آپ کی ولادت کے وقت قابل غور تھے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کے صاحبزادے حماد بن ابی حنیفہ سے صحیح روایت کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ کے والد ثابت مذہب اسلام پر پیدا ہوئے اسی طرح آپ کے دادا کے بارے میں بھی

---

[1] حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۳۲۴

مؤرخین کا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے آپ کے دادا کا نام زوطی ذکر کیا ہے جو بنی تیم کے غلام تھے۔ بعد میں بنی تیم نے آزاد کر دیا تھا۔ لیکن یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ خطیب بغدادی کی آپ کے پوتے اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ سے نقل کردہ صحیح روایت اس کی تکذیب کرتی ہے۔ انہوں نے آپ کے دادا کا نام نعمان بن مرزبان بیان کیا۔ آپ کا پورا نام اس طرح ہے: "نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان" نیز اسماعیل بن حماد نے فرمایا ہم اہل فارس ہیں اور ہمیشہ سے آزاد ہیں۔ ہمارے خاندان میں کبھی غلامی[1] نہیں آئی۔ خطیب کی اس روایت کو دیگر محققین نے بھی قبول کر کے اس پر اعتماد کا اظہار کیا ہے — حوالے کے لیے دیکھیے تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۴۹ از ابن حجر عسقلانی اور ذیل الجواہر المضیہ ج ۲ ص ۴۵۲ از ملا علی قاری۔

یہ خیال بھی کیا جاتا ہے کہ آپ کے دادا کا نام قبل از اسلام زوطی تھا اور قبول اسلام کے بعد انہی کا نام نعمان رکھا گیا ہے۔

اسماعیل بن حماد سے ہی روایت ہے کہ آپ کے دادا نعمان بن مرزبان کے حضرت علی سے بڑے گہرے مراسم تھے ایک مرتبہ نعمان بن مرزبان حضرت علی کے لیے فالودہ لے کر گئے جس کو انہوں نے بے حد پسند فرمایا جب ثابت پیدا ہوئے تو نعمان ان کو حضرت علی کی خدمت میں لے کر گئے۔ حضرت علی نے ثابت اور ان کی اولاد کے حق میں دعا فرمائی تھی۔ اسماعیل بن حماد کہتے ہیں ہمیں اللہ کے فضل سے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حق میں حضرت علی کی یہ دعا قبول فرمائی ہے[2]۔

آپ کی کنیت ابوحنیفہ ہے جس کا مطلب ہے، صاحب ملت حنیفہ اور اس کا مفہوم ہے "ادیان باطلہ سے اعراض کر کے دین حق کو اختیار کرنے والا" اسی معنی کی غرض سے یہ کنیت اختیار کی گئی ہے۔ ورنہ حنیفہ نام کی آپ کی کوئی صاحبزادی نہیں تھی۔ آپکا نام نعمان ہے اس نام کی لطافت بیان کرتے ہوئے علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ۔ تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۳۲۶

[2] ایضاً

حسن لغیرہ:۔ جو حدیث صحیح لذاتہ کی ایک سے زیادہ صفات سے قاصر ہو لیکن یہ کمی تعدد طرق روایت سے پوری ہو جائے۔

ضعیف:۔ جو حدیث صحیح لذاتہ کی ایک سے زیادہ صفات سے قاصر ہو۔ اور تعدد طرق سے وہ کمی پوری نہ ہو۔

متروک:۔ جس حدیث کی سند میں کوئی راوی متہم بالکذب ہو۔

موضوع:۔ جس حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس سے وضع فی الحدیث ثابت ہو۔

غریب:۔ جس حدیث کی سند کا کوئی راوی سلسلہ سند کے کسی شیخ سے روایت میں منفرد ہو۔

عزیز:۔ جس حدیث کے دو راوی ہوں پھر سلسلہ سند کے ہر راوی سے کم از کم دو شخص روایت کرتے ہوں۔

مشہور:۔ جو حدیث دو سے زیادہ طرق سے مروی ہو۔ (یعنی سلسلہ سند میں کسی شیخ سے بھی تین سے کم راوی نہ ہوں) اور یہ زیادتی حد تواتر سے کم ہو۔[1]

متواتر:۔ جو حدیث ہر دور میں اتنے کثیر طرق سے مروی ہو کہ ان روایات کا توافق علی الکذب عادۃً محال ہو۔

اقسام کتب حدیث

کتب حدیث کی انواع اور اقسام کافی زیادہ ہیں یہاں پر بعض ضروری اقسام کو بیان کیا جا رہا ہے۔

صحیح:۔ جس کتاب کے مصنف نے صرف احادیث صحیحہ کا التزام کیا ہو جیسے صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہ۔

جامع:۔ جس کتاب میں آٹھ عنوانوں کے تحت احادیث لائی جائیں اور وہ یہ ہیں۔ سیر، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، احکام، اشراط، مناقب جیسے بخاری اور ترمذی وغیرہ۔

سنن:۔ جس کتاب میں فقط احکام سے متعلق احادیث ہوں جیسے سنن ابوداؤد، نسائی۔

مسند:۔ جس کتاب میں ترتیب صحابہ سے احادیث لائی جائیں جیسے مسند احمد بن حنبل۔

معجم:۔ جس کتاب میں ترتیب شیوخ سے احادیث لائی جائیں جیسے معجم طبرانی۔

---

[1] غریب، عزیز اور مشہور ان میں سے ہر قسم کو خبر واحد کہا جاتا ہے۔

مستخرج:۔ جس کتاب میں کسی اور کتاب کی احادیث کو ثابت کرنے کے لیے ان احادیث کو مصنف کتاب کے شیخ یا شیخ الشیخ کی دیگر اسناد سے وارد کیا جائے۔ جیسے مستخرج لابی نعیم علی البخاری۔

مستدرک:۔ جس کتاب میں مختلف ابواب کے تحت ان احادیث کو لایا جائے جو ان ابواب میں کسی اور مصنف سے رہ گئی ہوں جیسے حاکم کی مستدرک علی الصحیحین؛

رسالہ:۔ جس کتاب میں جامع کے آٹھ عنوانوں میں سے کسی ایک عنوان کے تحت احادیث ہوں جیسے امام احمد کی کتاب الزہد آداب میں اور ابن جریر طبری کی کتاب تفسیر میں۔

جزء:۔ جس کتاب میں صرف ایک موضوع پر احادیث ہوں جیسے امام بخاری کی جزء القرأۃ خلف الامام۔

اربعین:۔ جس کتاب میں چالیس احادیث ہوں جیسے اربعین نووی۔

امالی:۔ جس کتاب میں شیخ کے املاء کرائے ہوئے فوائد حدیث ہوں جیسے امالی امام محمد۔

اطراف:۔ جس کتاب میں حدیث کا صرف وہ حصہ ذکر کیا جائے جو بقیہ پر دلالت کرے اور پھر اس حدیث کے تمام طرق اور اسانید بیان کر دیئے جائیں یا بعض کتب مخصوصہ کی اسانید بیان کی جائیں۔ جیسے اطراف الکتب الخمسۃ لابی العباس اور اطراف المزی۔

طبقات کتب حدیث شاہ ولی اللہ نے کتب حدیث کی صحت، شہرت اور مقبولیت کے اعتبار سے چار طبقے بیان کیے ہیں جن کو ہم تلخیص کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں۔

(۱) پہلا طبقہ ان کتابوں کا ہے جن کی صحت، شہرت اور مقبولیت سب سے زیادہ ہے جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور موطا امام مالک۔

(۲) دوسرا طبقہ ان کتابوں کا ہے جو صحت، شہرت اور مقبولیت میں پہلے طبقہ کے قریب ہیں اس طبقہ کی اکثر کتابوں میں اکثر احادیث صحیح اور حسن ہیں بعض ضعیف روایات بھی آگئی ہیں لیکن ان کا ضعف بیان کر دیا گیا ہے۔ جیسے جامع ترمذی، سنن ابوداؤد اور سنن نسائی۔

(۳) اس طبقہ میں ان مصنفین کی کتابیں ہیں جو امام بخاری اور مسلم پر مقدم ان کے معاصر

یا ان کے مقارب تھے، حدیث میں۔ ان کی فنی مہارت تو مسلم تھی لیکن ان کی تصانیف میں دوسرے طبقہ کی بنسبت ضعیف روایات زیادہ ہیں۔ بلکہ بعض ایسی احادیث بھی ہیں جو متہم بالوضع ہیں جیسے مسند شافعی، سنن ابن ماجہ، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، سنن دارمی، سنن دارقطنی، سنن بیہقی اور تصانیف طبرانی۔

(۴) چوتھے طبقہ میں ان متاخرین علماء کی کتابیں ہیں جن کی روایت کردہ احادیث کا قرونِ اولیٰ میں ثبوت نہیں ملتا۔ اس کے دو ہی مطلب ہیں یا تو متقدمین کو ان احادیث کی اصل نہیں مل سکی اور یا انہوں نے ان روایات میں کوئی علت خفیہ دیکھ کر ترک کر دیا۔ جیسے دیلمی، ابونعیم اور ابن عساکر وغیرہ کی تصانیف۔

مراتب اربابِ حدیث

سطورِ ذیل میں مراتب اربابِ حدیث کا بیان کیا جاتا ہے۔

طالب:۔ حدیث کا متعلم۔

شیخ:۔ حدیث کے معلم کو محدث یا شیخ کہتے ہیں۔

حافظ:۔ جس شخص کو ایک لاکھ احادیث متناً و سنداً اور اس کے روایت کے احوال جرحاً و تعدیلاً محفوظ ہوں۔

حجۃ: جس شخص کو تین لاکھ احادیث متناً و سنداً اور جرحاً و تعدیلاً محفوظ ہوں۔

حاکم: جس شخص کو تمام احادیث مرویہ متناً و سنداً اور جرحاً و تعدیلاً محفوظ ہوں۔

حدیث ضعیف کے افراد جب حدیث کی سند میں کوئی طعن یا جرح پائی جائے تو وہ حدیث باعتبار سند کے مطعون اور مجروح ہو جاتی ہے سطور سابقہ میں اس کی چند اقسام بیان کی گئی ہیں، مثلاً مضطرب، منقطع، معلول، منکر، متروک، مبہم وغیرہم طعن کی یہ تمام اقسام حدیث ضعیف میں داخل ہیں البتہ ان کے مراتب میں فرق ہوتا ہے اور حدیث متروک یعنی جس کا راوی متہم بالکذب ہو باقی اقسام کی بنسبت زیادہ شدید ضعف کی حامل ہوتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث کی سند میں متعدد وجوہ طعن ہوں مثلاً وہ حدیث معلول بھی ہو منکر بھی اور متروک بھی لیکن متعدد وجوہ طعن جمع ہونے کے باوجود بھی وہ حدیث ضعیف ہی رہے گی البتہ جس قدر وجوہ طعن زیادہ ہوں گے اس کا ضعف بڑھتا جائے گا بتلانا یہ مقصود ہے کہ سند میں طعن اور جرح کی زیادتی اس کے وضع اور بطلان کو مستلزم نہیں ہوتی حدیث کو صرف اس وقت موضوع قرار دیا جائے گا جب اس کی سند میں کوئی وضاع راوی آجائے۔

غیر صحیح کی تحقیق بعض دفعہ محدثین حضرات کسی سند کے بارے میں لکھتے ہیں لا یصح یعنی یہ سند صحیح نہیں ہے اس جملہ سے بعض ناواقف لوگ یہ مغالطہ کھاتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع یا باطل ہے حالانکہ اصطلاح محدثین میں صحیح، غلط یا باطل کا مقابل نہیں ہوتا بلکہ صحیح کے مقابلہ میں صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ اور ضعیف یہ سب شامل ہیں اور جب وہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے یہ صحیح لذاتہ نہیں ہے اور ایسی صورت میں یہ صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ یا حسن لغیرہ ہو سکتی ہے خلاصہ یہ ہے کہ صحت کی نفی تو ضعف کو بھی مستلزم نہیں چہ جائیکہ صحت کی نفی سے وضع یا بطلان کا حکم لازم آئے اس بحث کی نفیس تحقیق اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی نے رسالہ منیر العینین میں بیان فرمائی ہے؛

متن اور سند میں احکام کا فرق راوی کی مجروحیت اور وجوہ طعن کا تعلق سند سے ہوتا ہے متن حدیث کا حکم دوسرے قرائن کے اعتبار سے کیا جاتا ہے یہ ممکن ہے کہ کسی صحیح حدیث کو ایک وضاع راوی بیان کرے پس اس سند کے اعتبار سے تو اس حدیث کو موضوع کہا جائے گا لیکن فی نفسہ وہ حدیث موضوع نہیں کہلائے گی البتہ جب کسی حدیث کی سند میں کوئی وضاع راوی ہو اور اس حدیث کا متن کسی طریقہ سے ثابت نہ ہو تو وہ حدیث مطلقاً موضوع کہلائے گی

اس کی مثال یہ ہے کہ علامہ شمس الدین ذہبی میزان الاعتدال میں بیان فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے عن ابراہیم بن موسیٰ المزوزی عن مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ حدیث طلب العلم فریضۃ کو موضوع فرمایا علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے موضوع ہے ورنہ نفس حدیث دیگر طرق ضعیفہ سے ثابت ہے۔ اسی طرح تمہید میں حافظ ابن البر نے حدیث الصلوٰۃ بسواک خیر من سبعین صلوٰۃ کو باطل کہا ہے لیکن علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ حکم بھی اس خاص سند کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح حدیث ضعیف میں بھی ضعف کا حکم باعتبار سند کے ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی صحیح حدیث کو ایک ضعیف راوی بیان کرے پس سند کے اعتبار سے وہ حدیث ضعیف کہلائے گی لیکن متن حدیث کا یہ حکم نہیں ہوگا علامہ نووی فرماتے ہیں:

ان روایات الراوی الضعیف	ضعیف راوی کی روایات میں صحیح، ضعیف
یکون فیہ الصحیح والضعیف	اور باطل ہر قسم کی احادیث ہوتی ہیں
والباطل فیکتبونہا ثم یمیز	محدثین ان تمام روایات کو لکھ لیتے ہیں
اہل الحفظ والاتقان بعض	پھر اہل علم ان کو تمیز دیتے ہیں اور یہ
ذالک من بعض وذالک سہل علیہم	ان کے لیے آسان ہے اسی دلیل سے
معروف عندہم وبہذا	سفیان ثوری نے اس وقت استدلال
احتج السفیان الثوری حین	کیا جب ان سے کلبی کی روایات
نہی عن الروایۃ عن الکلبی	قبول کرنے پر اعتراض کیا گیا تو انہوں
فقیل لہ انت تروی عنہ فقال انا	نے کہا میں اس کے صدق اور کذب
اعرف صدقہ من کذبہ[۱]	میں تمیز کر لیتا ہوں۔

حدیث موضوع کا حکم حدیث موضوع سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی حدیث موضوع کو بغیر بیان وضع کے بیان کرنا جائز ہے۔ ایک حدیث متعدد ضعیف اسناد سے بیان کی جائے تو وہ قوی ہو جاتی ہے لیکن اگر ایک حدیث متعدد موضوع اسانید سے بیان

[۱] ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم للنووی علی مسلم ج ۱ ص ۲۱

کی جائے تو وہ پھر بھی موضوع رہتی ہے کیونکہ شر کے ساتھ شر مل جائے تو وہ پھر بھی شر ہی رہتا ہے۔

احادیث سے ثابت ہونیوالے امور کی تفصیل

احادیث سے جو مسائل اور احکام ثابت ہوتے ہیں جن کا تعلق حلت اور حرمت کے ساتھ ہو وہ چار قسم پر ہیں (۱) عقائد قطعیہ جیسے توحید و رسالت اور مسئلہ معاد (۲) عقائد ظنیہ جیسے انبیاء کی ملائکہ پر فضیلت اور قبر کے احوال۔

عقائد قطعیہ:۔ ان کے اثبات کے لیے حدیث متواتر ہونی چاہیئے۔ عام ازینکہ تواتر لفظی ہو یا معنوی۔

عقائد ظنیہ:۔ ان کے اثبات کے لیے اخبار آحاد کافی ہیں۔

احکام:۔ ان کے اثبات کے لیے حدیث صحیح ہونی چاہیئے یا کم از کم یہ کہ وہ حدیث حسن لغیرہ سے کم نہ ہو۔

فضائل و مناقب:۔ اس باب میں بالاتفاق احادیث ضعیفہ کا بھی اعتبار کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں:۔

انهم قد يروون عنهم احاديث الترغيب	حضرات محدثین ضعیف راویوں سے
والترهيب وفضائل الاعمال والقصص	ترغیب، ترہیب، فضائل اعمال، قصص
احاديث الزهد ومكارم الاخلاق ونحو	زہد اور مکارم اخلاق میں احادیث
ذالك مما لا يتعلق بالحلال والحرام وسائر	روایت کرتے ہیں، اور حلال و حرام کے
الاحكام وهذا الضرب من الحديث	احکام میں ان سے اصلاً روایت نہیں
يجوز عند اهل الحديث وغيرهم	کرتے۔ اور اس قسم کی احادیث میں
التساهل فيه وروايته ما سوى الموضوع	ضعیف راویوں سے روایت کرنا اور
منه والعمل به لان اصول ذالك	ان پر عمل کرنا صحیح اور شرع میں ثابت
صحيحة مقررة في الشرع معروفة	ہے اور احکام سے متعلق حدیث میں
عند اهله وعلى كل حال فان الائمة	جب کوئی ضعیف راوی متفرد ہو تو
لا يروون عن الضعفاء شيئا يحتجون	اس کی روایت سے ہرگز استدلال

به على انفرادہ فی الاحکام ؛ نہیں کیا جاتا۔

علامہ نووی کی اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ فضائل اور مناقب میں ضعیف روایات کو قبول کیا جاتا ہے اور ان کے مقتضی پر عمل بھی ہوتا ہے البتہ احکام میں ضعاف کا اعتبار نہیں ہوتا لیکن بعض صورتوں میں احتیاط کے پیش نظر احکام میں بھی ضعیف روایات کا اعتبار کر لیا جاتا ہے چنانچہ علامہ نووی لکھتے ہیں۔

قال العلماء من المحدثین والفقہاء وغیرہم	حضرات محدثین، فقہاء اور دیگر علماء کرام
یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب	فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال اور ترغیب
والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن	ترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا مستحب
موضوعا واما الاحکام کالحلال	ہے جبکہ وہ موضوع نہ ہو لیکن حلال اور
والحرام والبیع والنکاح والطلاق و	حرام کے احکام مثلاً بیع، نکاح اور
غیر ذالک فلا یعمل فیہا الا بالحدیث	طلاق وغیرہ میں حدیث صحیح یا حسن کے
الصحیح او الحسن الا ان یکون فی	سوا اور کسی پر عمل درست نہیں الا یہ
احتیاط فی شیئ کما اذا ورد	کہ اس میں احتیاط ہو مثلاً بیع یا نکاح
حدیث ضعیف بکراھۃ بعض البیوع	کی کراہت میں کوئی حدیث ضعیف
او الانکحۃ [۲]	وارد ہو؛

حدیث ضعیف کی تقویت

فضائل اعمال اور باب مناقب میں عموماً احادیث ضعیفہ کا اعتبار کیا جاتا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر ان بعض قرائن کا ذکر کر دیا جائے جن کی بناء پر حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے اور اس کا ضعف جاتا رہتا ہے پہلی صورت یہ ہے کہ جب حدیث ضعیف متعدد اسانید سے مروی ہو تو وہ حسن لغیرہ ہو جاتی ہے چنانچہ تمام مستند اصول حدیث کی کتابوں میں یہ مسئلہ مرقوم ہے محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے بھی فتح القدیر (ج ۱ ص ۳۰۲ طبع مصر) میں اس کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے اور علامہ شعرانی لکھتے ہیں:۔

---

[۱] ابو ذکریا یحییٰ بن شرف نووی المتوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم للنووی علی مسلم ج ص ۲۱

[۲] ایضاً ۔ کتاب الاذکار ص (۷۰۰)

وقد احتج جمهور المحدثين بالحديث الضعيف اذا كثرت طرقه ولحقوه بالصحيح تارة وبالحسن اخرى[1]

جب حدیث ضعیف متعدد اسانید سے مروی ہو تو جمہور محدثین اس سے استدلال کرتے ہیں اور اس کو گاہ صحیح کے ساتھ اور گاہ حسن کے ساتھ لاحق کرتے ہیں؛

دوسری صورت یہ ہے کہ جب کسی حدیث ضعیف کے موافق مجتہدین میں سے کسی کا قول مل جائے تو اس سے بھی حدیث ضعیف کی تقویت ہو جاتی ہے چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں ا۔

ان المجتهد اذا استدل بحديث كان تصحيحا له كما في التحرير وغيره[2]

مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو اس کا استدلال بھی حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے جس طرح تحریر میں امام ابن ہمام نے تحقیق فرمائی ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اگر کسی حدیث ضعیف کے موافق اہل علم میں سے کسی کا قول ہو تو اس سے بھی حدیث کی تقویت ہو جاتی ہے چنانچہ امام ترمذی حدیث ا۔ اذا اتی احدکم الصلوٰۃ والامام علی حال الحدیث کے تحت لکھتے ہیں ا۔ هذا حديث غريب لا نعرف احدا اسنده الا ما روي من هذا الوجه والعمل على هذا عند اهل العلم: ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں ا۔

قال النووي اسناده ضعيف نقله ميرك فكان الترمذي يريد تقوية الحديث بعمل اهل العلم[3]

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور امام ترمذی اہل علم کے عمل سے اس حدیث کی تقویت کا ارادہ فرما رہے ہیں۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ بعض اوقات صالحین کے عمل سے بھی حدیث کی تقویت ہو جاتی ہے

---

۱ امام عبد الوہاب الشعرانی — میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۶۸

۲ علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ — رد المحتار ج ۴ ص ۱

۳ ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ — مرقاۃ ج ۳ ص ۹۸

چنانچہ صلوٰۃ التسبیح جس روایت سے ثابت ہے وہ حدیث ضعیف ہے اور حاکم اور بیہقی نے اس کی تقویت کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ عبداللہ بن المبارک کے عمل کی وجہ سے یہ حدیث تقویت پائی۔ چنانچہ مولانا عبدالحی لکھتے ہیں :۔

قال البیہقی کان عبد اللہ بن	علامہ بیہقی لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک
المبارک یصلیہا وتداولہا	صلاۃ تسبیح پڑھا کرتے تھے اور بعد
الصالحون بعضہم عن	کے تمام علماء اس کو ایک دوسرے سے
بعض وفی ذالک تقویۃ	نقل کرکے پڑھتے رہے اس وجہ سے
للحدیث المرفوع [1]	اس حدیث مرفوع کو تقویت حاصل ہوئی

اس کے علاوہ تجربہ اور کشف سے بھی حدیث ضعیف کی تقویت ہو جاتی ہے چنانچہ ملا علی قاری نے اسی بحث میں ابن عربی کے کشف سے ایک حدیث کی تقویت کا واقعہ بیان کیا ہے۔

روایات مختلفہ میں مذاق آئمہ جب کسی ایک مسئلہ پر متعدد متعارض روایات وارد ہوں تو اس سلسلہ میں تتبع اور تلاش سے جو آئمہ اربعہ کا مسلک معلوم ہو سکا ہے وہ یہ ہے کہ امام اعظمؒ ایسی صورت میں روایات کے درمیان تطبیق دیتے ہیں اور حتی الوسع کوشش کرتے ہیں کہ ہر روایت پر کسی نہ کسی صورت میں عمل ہو جائے اور جب تطبیق نہ ہو سکے تو اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جو اسلام اور اصول روایت کے قریب تر ہو امام شافعیؒ ایسی شکل میں قوت سند کے لحاظ سے کسی ایک روایت کو لیتے ہیں اور باقی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ امام مالکؒ تعارض کی صورت میں اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جو اہل مدینہ کے تعامل کے موافق ہو اور امام احمد متقدمین کی اکثریت کا لحاظ کرتے ہیں۔

مشہور حفاظ سطور ذیل میں ہم چاروں مسلکوں کے مشاہیر حفاظ کے اسماء پیش کر رہے ہیں۔

احناف :۔ حافظ ابوبشر دولابی، حافظ اسحاق بن راھویہ، حافظ ابو جعفر طحاوی، حافظ ابن ابی العوام سعدی، حافظ ابو محمد حارثی، حافظ عبدالباقی، حافظ ابوبکر رازی جصاص، حافظ ابونصر کلاباذی

---

[1] مولانا عبدالحی لکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ — الآثار المرفوعۃ ص ۲۳

حافظ ابو محمد سمرقندی، حافظ شمس الدین سروجی، حافظ قطب الدین حلبی، حافظ علاؤ الدین ماردینی، حافظ جمال الدین زیلعی، حافظ علاؤ الدین مغلطای، حافظ بدر الدین عینی، حافظ قاسم بن قطلوبغا وغیرہم۔

شوافع :۔ حافظ دار قطنی، حافظ بیہقی، حافظ خطابی، حافظ عز الدین ابن سلام، حافظ ابن دقیق العید، حافظ عراقی، حافظ ذہبی، حافظ مزی، حافظ ابن اثیر جزری، سبکی ہیثمی، ابن حجر وغیرہم۔

مالکیہ :۔ حافظ حسین بن اسماعیل، حافظ زیلعی، حافظ ابن عبد البر، حافظ ابو الولید الباجی، حافظ قاضی ابوبکر العربی، حافظ عبد الحق، حافظ قاضی عیاض، حافظ مازری، حافظ ابن رشد، حافظ ابو القاسم سہیلی وغیرہم۔

حنابلہ :۔ حافظ عبد الغنی المقدسی، حافظ ابو الفرج بن الجوزی، حافظ ابن قدامہ، حافظ ابن رجب وغیرہم۔

امام اعظم ابوحنیفہ

حضرت امام الائمہ سراج الامۃ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ تمام فقہاء اور مجتہدین کے رئیس، ماہرین حدیث کے امام اور استاذ وارفتگان شوق کے قبلہ، عابدوں کے رہنما، زاہدوں کے قافلہ سالار، صوفیوں کے پیشوا، الغرض نبوت وصحابیت کے بعد ایک انسان میں جس قدر محاسن اور فضائل ہوسکتے ہیں وہ ان سب کے جامع بلکہ ان اوصاف میں سب کے لیے ہادی اور مقتدیٰ تھے۔

امام ابوحنیفہ نے فقہ اسلامی کے جو اصول اور قوانین وضع کیے اس کو امت محمدیہ کی اکثریت نے قبول کیا اور اعزاز وافتخار کے ساتھ فقہ حنفی کے مقلد ہوئے، بے شمار اصفیاء واتقیاء آپ کے مسلک کے مؤید بنے۔ اور بے شمار محدثین اور محققین نے آپ کے اصول اور قواعد کے مطابق فقہی جزئیات کی توضیح اور تشریح کی اور آج دنیا میں دو ثلث سے زیادہ مسلمانوں کی آبادی فقہ حنفی کے مطابق ہی اپنی عبادات اور معاملات کو انجام دے رہی ہے؛

ولادت اور نام ونسب

امام اعظم ابوحنیفہ کے نسب میں مؤرخین کا کافی اختلاف ہے۔ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں آپ کے نسب سے متعلق تمام روایات جمع کردی ہیں[1] بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ آپ کے والد ثابت آپ کی ولادت کے وقت قابل غور تھے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کے صاحبزادے حماد بن ابی حنیفہ سے صحیح روایت کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ کے والد ثابت مذہب اسلام پر پیدا ہوئے اسی طرح آپ کے دادا کے بارے میں بھی

[1] حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) تاریخ بغداد جلد ۱۳، ص۳۲۹

مؤرخین کا اختلاف ہے ۔ بعض لوگوں نے آپ کے دادا کا نام زوطی ذکر کیا ہے جو بنی تیم کے غلام تھے ۔ بعد میں بنی تیم نے آزاد کر دیا تھا لیکن یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے ۔ کیونکہ خطیب بغدادی کی آپ کے پوتے اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ سے نقل کردہ صحیح روایت اس کی تکذیب کرتی ہے ۔ انہوں نے آپ کے دادا کا نام نعمان بن مرزبان بیان کیا ۔
آپ کا پورا نام اس طرح ہے "نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان"[1] نیز اسماعیل بن حماد نے فرمایا ہم اہل فارس ہیں اور ہمیشہ سے آزاد ہیں ۔ ہمارے خاندان میں کبھی غلامی[2] نہیں آئی ۔ خطیب کی اس روایت کو دیگر محققین نے بھی قبول کر کے اس پر اعتماد کا اظہار کیا ہے ـــ حوالے کے لیے دیکھیے تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۴۹ از ابن حجر عسقلانی اور ذیل الجواہر المضیہ ج ۲ ص ۵۲۶ از ملا علی قاری ۔

یہ خیال بھی کیا جاتا ہے کہ آپ کے دادا کا نام قبل از اسلام زوطی تھا اور قبول اسلام کے بعد انہی کا نام نعمان رکھا گیا ہے ۔

اسماعیل بن حماد سے ہی روایت ہے کہ آپ کے دادا نعمان بن مرزبان کے حضرت علی سے بڑے گہرے مراسم تھے ایک مرتبہ نعمان بن مرزبان حضرت علی کے لیے فالودہ لے کر گئے جس کو انہوں نے بے حد پسند فرمایا جب ثابت پیدا ہوئے تو نعمان ان کو حضرت علی کی خدمت میں لے کر گئے ۔ حضرت علی نے ثابت اور ان کی اولاد کے حق میں دعا فرمائی تھی ۔ اسماعیل بن حماد کہتے ہیں ہمیں اللہ کے فضل سے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حق میں حضرت علی کی یہ دعا قبول فرمائی ہے[3]

آپ کی کنیت ابوحنیفہ ہے جس کا مطلب ہے ، صاحب ملت حنیفہ اور اس کا مفہوم ہے " ادیان باطلہ سے اعراض کر کے دین حق کو اختیار کرنے والا " اسی معنی کی غرض سے یہ کنیت اختیار کی گئی ہے ۔ ورنہ حنیفہ نام کی آپ کی کوئی صاحبزادی نہیں تھی ۔
آپکا نام نعمان ہے اس نام کی لطافت بیان کرتے ہوئے علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۳۲۶

[2] ایضاً

فرماتے ہیں کہ نعمان لغت میں اس خون کو کہتے ہیں جس پر بدن کا سارا ڈھانچہ قائم ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ جسم کی پوری مشینری کام کرتی ہے اور امام اعظم کی ذات گرامی بھی دستور اسلام کے لیے محور اور عبادات و معاملات کے تمام احکام کے لیے بمنزلہ روح ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ نعمان کے معنی سرخ اور خوشبودار گھاس کے بھی آتے ہیں چنانچہ آپ کے اجتہاد اور استنباط سے بھی فقہ اسلامی اطراف عالم میں مہک اٹھی ہے[1]

بشارت نبوی

امام اعظم کے ظہور کے بارے میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ملتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ اسی مجلس میں سورۃ جمعہ نازل ہوئی جب آپ نے اس سورہ کی آیت وآخرین منھم لما یلحقوا بھم۔ کی تلاوت فرمائی تو حاضرین میں سے کسی نے پوچھا حضور یہ دوسرے کون ہیں جو ابھی تک ہم سے نہیں ملے۔ حضور نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا۔ جب بار بار یہ سوال کیا گیا تو آپ نے حضرت سلمان فارسی کے کندھے پر دست اقدس رکھ کر فرمایا۔ لو کان الایمان عند الثریا لنالہ رجال من ھؤلاء۔ اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو اس کی قوم کے لوگ اس کو ضرور تلاش کریں گے[2] علامہ ابن حجر ہیتمی مکی نے حافظ سیوطی کے بعض شاگردوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہمارے استاذ (یعنی سیوطی) یقین کے ساتھ کہتے تھے کہ حدیث کے اولین مصداق صرف امام اعظم ہیں۔ کیونکہ امام اعظم کے زمانہ میں اہل فارس میں سے کوئی شخص بھی آپ کے علمی مقام کو نہ پا سکا۔ بلکہ آپ کا مقام تو الگ رہا۔ آپ کے تلامذہ کے مقام کو بھی آپ کے معاصرین میں سے کوئی شخص حاصل نہ کر سکا[3] اور تو اور نواب صدیق حسن خان بھوپالی کو بھی حنفیت سے بسیار تعصب کے باوجود کہنا پڑا۔

---

[1] علامہ ابن حجر ہیتمی مکی شافعی متوفی ۹۷۳ھ — الخیرات الحسان ص۳۴

[2] محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ — صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۲۷

[3] امام موفق بن احمد مکی متوفی ۵۶۸ھ — مناقب امام اعظم ج ۱ ص ۵۹

"ہم امام درال دخل است"[1]

امام ابوحنیفہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کے مصداق ہیں اس کی تائید مرجع عوام وخواص عارف کامل سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی اس بیان کردہ حکایت سے معلوم ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں :"حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا، حضور میں آپ کو کہاں تلاش کروں۔ فرمایا:۔ عند علم ابی حنیفۃ، علم ابوحنیفہ کے نزدیک"[2]

تعلیم کے مراحل

امام ابوحنیفہ ابتدائی اور ضروری تعلیم دین حاصل کرنے کے بعد تجارت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ایک دن اسی سلسلہ میں بازار جا رہے تھے راستہ میں امام شعبی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے آپ کے چہرہ پر ذہانت اور سعادت کے آثار نمایاں دیکھے تو آپ کو بلایا اور پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ بتایا میں بازار جا رہا ہوں۔ پوچھا علماء کی مجلس میں نہیں بیٹھتے! کہا نہیں، فرمایا تم علماء کی مجلس میں بیٹھا کرو۔ کیونکہ میں تمہارے چہرے پر علم وفضل کی درخشندگی کے آثار دیکھ رہا ہوں"[3]

امام شعبی سے ملاقات کے بعد امام اعظم کے دل میں علوم دینیہ کو علی وجہ الکمال حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ پہلے آپ نے علم کلام کو حاصل کرنا شروع کیا۔ اور اس میں کمال حاصل کر کے گمراہ فرقوں مثلاً جہمیہ اور قدریہ عقائد کے حاملین سے گفتگو اور مناظرہ شروع کیا، کچھ عرصہ اسی نہج پر کام کرتے رہے پھر خیال آیا کہ صحابہ کرام سے زیادہ دین کا جاننے والا اور کون ہو سکتا تھا اس کے باوجود انہوں نے ذات باری اور اس کی صفات کے باریک مسائل اور جبر و قدر کی معرکہ آرا بحثوں میں حصہ نہیں لیا۔ اس کے برخلاف شرعی اور فقہی مسائل میں ان کا التفات اور اشتغال زیادہ تھا۔ اگر مسائل کلامیہ میں غور وخوض کسی اہم اور بڑی خوبی کا حامل ہوتا تو یہ نفوس قدسیہ اس موضوع کو نہ چھوڑتے۔ اس خیال کے بعد

---

[1] نواب صدیق حسن بھوپالی — اتحاف النبلاء، ص ۲۲۴

[2] حضرت ابوالحسن علی بن عثمان الہجویری متوفی ۴۶۸ھ — کشف المحجوب ص ۲۱۶

[3] امام موفق بن احمد مکی متوفی ۵۶۸ھ — مناقب امام اعظم ج ۱ ص ۵۹

آپ کی توجہ اس موضوع سے ہٹنے لگی۔[1]

فقہی مسائل میں اشتغال اور حضرت حماد کے درس میں شمولیت کا داعیہ اس طرح پیش آیا کہ ایک دن ایک عورت نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا کہ جو شخص اپنی بیوی کو سنت کے مطابق طلاق دینا چاہتا ہو تو وہ کس طرح طلاق دے آپ نے فرمایا حماد سے یہ مسئلہ پوچھنا اور جو کچھ وہ جواب میں کہیں مجھے بھی بتا دینا۔ حماد نے جواب میں کہا کہ وہ شخص عورت کو اس طہر میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو اور پھر اس کو چھوڑ دے اور جب وہ عورت تیسرے حیض کے گزرنے پر غسل کرے گی۔ تو نکاح کے لیے آزاد ہوگی۔ یہ جواب سن کر حضرت امام اعظم نے حماد کی مجلس درس کو اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔[2]

فقہ کی طرف امام اعظم کی توجہ کا ایک اور باعث یہ ہوا کہ آپ نے ایک رات خواب دیکھا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کھود رہے ہیں۔ تعبیر رویا کے بہت بڑے عالم اور امام محمد بن سیرین سے اس خواب کی تعبیر پوچھی گئی تو انہوں نے اس کی تعبیر یوں بیان کی کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور سنن سے ایسے مسائل کا استخراج اور ایسے امور کی عقدہ کشائی کریں گے جو ان سے پہلے کسی نے نہیں کی ہوگی۔ اس تعبیر کو اشارہ غیبی قرار دے کر امام اعظم نے پوری توجہ اور استغراق سے علم فقہ کی تحصیل شروع کر دی۔[3]

حضرت حماد کے درس میں آپ کو نمایاں جگہ ملی اور بہت جلد آپ استاذ کی آنکھوں کے تارا بن گئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو خیال آیا کہ اپنا الگ حلقہ درس قائم کر لیں۔ اسی اثناء میں حضرت حماد کو کہیں جانے کا اتفاق ہوا۔ ان کی غیر موجودگی میں آپ نے ساٹھ فتوے جاری کیے۔ بعد میں جب وہ مسائل آپ نے حضرت حماد پر پیش کیے تو انہوں نے ان میں سے چالیس مسائل سے اتفاق کیا اور باقی ماندہ بیس مسائل سے اختلاف کیا۔ اس

---

[1] امام موفق بن احمد مکی متوفی ۵۶۸ھ — مناقب امام اعظم ج ۱ ص ۶۰

[2] ایضاً " " " — ایضاً " " ص ۵۵

[3] ایضاً " " " — ایضاً " " ص ۶۷

وقت آپ نے قسم کھائی کہ تاحیات حماد کی مجلس کو نہیں چھوڑیں گے ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا [۱]

اساتذہ

فقہ کے ساتھ ساتھ امام اعظم نے حدیث کی تحصیل بھی جاری رکھی۔ صحابہ کرام اور قابل غور تابعین میں سے جو حضرات بھی فن حدیث میں امام اور حجت تسلیم کیے جاتے تھے ان سب کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ صدر الائمہ امام موفق بن احمد مکی نے ابو عبداللہ بن حفص کے حوالے سے آپ کے چار ہزار اساتذہ کا ذکر کیا ہے [۲]

امام اعظم کے ان تمام اساتذہ اور مشائخ کا استقصا تو دشوار ہے لیکن چند مشاہیر اساتذہ کا ذکر کیا جاتا ہے ۔ امام اعظم کو بعض صحابہ کرام سے بھی روایت حدیث کا شرف حاصل ہے۔ جن میں حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے آپ کے جن مشائخ حدیث کا ذکر کیا ہے ان کے اسمار یہ ہیں۔ عطا ابن رباح عاصم بن ابی النجود، علقمہ بن مرثد، حماد بن ابی سلیمان، حکم بن عتبہ، سلمہ بن کہیل، ابو جعفر محمد بن علی، علی بن اقمر، زیاد بن علاقہ، سعید بن مسروق ثوری، عدی بن ثابت الانصاری، عطیہ بن سعید عوفی، ابو سفیان سعدی، عبدالکریم ابو امیہ، یحییٰ بن سعید انصاری اور ہشام بن عروہ [۳]

حافظ ذہبی نے ان کے علاوہ نافع، عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج، قتادہ، عمرو بن دینار اور ابو اسحاق کا بھی ذکر کیا ہے [۴]

ملا علی قاری نے آپ کے مشائخ میں ربیعہ، زید بن اسلم، شعبہ بن حجاج، ابو بکر بن عاصم بن ابی النجود اور عامر بن شرحبیل کا بھی ذکر کیا ہے [۵]

تلامذہ

امام اعظم کے تلامذہ بھی حدود شمار سے باہر ہیں۔ امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر آپ کے وہ قابل صد فخر تلامذہ ہیں جنہوں نے ساری دنیا میں فقہ حنفی کا سکہ بٹھا دیا

---

[۱] امام موفق بن احمد مکی متوفی ۵۶۸ھ — مناقب امام اعظم ج ۱، ص ۵۶

[۲] ایضاً ۔ ۔ — ایضاً ۔ ۔ ص ۳۸

[۳] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۴۹

[۴] امام ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ — تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۸

[۵] ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ — ذیل جواہر المضیہ ج ۲ ص ۴۵۴

اور امام اعظم کی تعلیمات کی اس طرح اشاعت کی کہ آج دنیا میں دو تہائی اکثریت فقہ حنفی کے مطابق اپنی عبادات اور معمولات کو انجام دے رہی ہے۔ ان اہم شخصیات کے علاوہ جن حضرات نے آپ سے اکتساب فیض کیا ان میں سے بعض کے اسماء یہ ہیں۔ حماد بن نعمان، ابراہیم بن طہمان، حمزہ بن حبیب، ابو یحییٰ حمانی، عیسیٰ بن یونس، وکیع، یزید بن زریع، اسد بن عمرو بجلی، حکام بن یعلی بن سلمہ رازی، خارجہ بن مصعب، عبدالمجید بن رداد، علی بن مسہر، محمد بن بشر عبدی، عبدالرزاق، مصعب بن مقدام، یحییٰ بن یمان، ابو عصمت نوح بن ابی مریم ابو عبدالرحمان مقری، ابو نعیم اور ابو عاصم [۱]

ذہانت و فطانت

امام اعظم رضی اللہ عنہ بے حد ذہین اور زیرک تھے۔ یوں تو فقہ حنفی کے تمام اصول و فروع آپ کی ذہانت اور فطانت پر بہترین شاہد ہیں۔ لیکن آپ نے اپنی زندگی میں بارہا لوگوں کے بعض ایسے الجھے ہوئے معاملات کا حل پیش کیا۔ جن کی عقدہ کشائی سے آپ کے تمام معاصرین عاجز ہو چکے تھے۔ اور جب اس وقت کے جلیل القدر ائمہ اور مسلّم اساتذہ آپ کے فتاویٰ کو دیکھتے تو ان کی عقلیں حیران رہ جاتیں۔ اور انہیں بے اختیار کہنا پڑتا کہ علم کے جس شہر میں امام ابو حنیفہ رواں دواں ہیں۔ ہم ہنوز اس کے دروازے تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔

آیئے اب ہم آپ کے سامنے ان بے شمار فتاویٰ میں سے چند فتووں کی جھلکیاں پیش کریں۔

امام ابو یوسف راوی ہیں کہ ایک شخص نے غصہ میں طلاق کی قسم کھا کر اپنی بیوی سے کہا کہ میں اس وقت تک تم سے کلام نہیں کروں گا جب تک تم مجھ سے بات نہ کرو۔ جواباً بیوی نے بھی قسم کھائی کہ میں بھی تم سے اس وقت تک گفتگو نہیں کروں گی جب تک تم مجھ سے بات نہ کرو گے۔ اس زمانے کے علماء نے فتویٰ دے دیا کہ ان میں سے جس نے بھی بات کر لی قسم ٹوٹ جائے گی۔ امام اعظم تک یہ سوال پہنچا تو آپ نے اس شخص کو فرمایا۔ جاؤ جا کر اپنی بیوی سے گفتگو کرو۔ کچھ نہیں ہوگا۔ سفیان ثوری کو آپ کے فتویٰ کا علم

---

[۱] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۴۹

ہوا تو بہت برہم ہوئے اور کہنے لگے تم حرام کو حلال کرتے ہو۔ امام اعظم نے اپنے جواب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا، خاوند نے قسم کھائی تھی کہ وہ بیوی کے بولنے سے پہلے بات نہیں کرے گا یہ سن کر اس کی بیوی نے بھی ایسی ہی قسم کھائی اور جب قسم کھائی تو اس نے خاوند سے بات کر لی اب جب خاوند اس سے بات کرے گا تو یہ کلام بیوی کی گفتگو کے بعد ہوگا۔ کیونکہ بیوی قسم کھا کر اس سے پہلے بات کر چکی ہے اور جب بیوی بات کرے گی تو وہ بات خاوند کی اس گفتگو کے بعد ہوگی۔ لہٰذا دونوں میں سے کسی کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ امام اعظم سے جواب کی یہ تفصیل سن کر سفیان ثوری کہنے لگے ابوحنیفہ تمہارے لیے علم کے وہ راستے کشادہ کر دیئے گئے ہیں جن تک ہماری رسائی نہیں ہوتی [1]

وکیع روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام اعظم، سفیان ثوری، مسعر، مالک بن مغول، جعفر بن زیاد اور حسن بن صالح، ایک رئیس کے ہاں ولیمہ میں شریک تھے صاحب خانہ نے اپنے دو لڑکوں کی ایسی دو لڑکیوں سے شادی کی تھی جو آپس میں بہنیں تھیں۔ ناگاہ صاحب خانہ حیران و پریشان آیا اور علماء کی اس جماعت سے مخاطب ہو کر کہنے لگا رات کو غلطی سے دونوں لڑکیوں میں سے ہر لڑکی اپنے خاوند کے غیر کے پاس پہنچا دی گئی۔ اور دونوں بھائیوں میں سے ہر ایک نے رات جس لڑکی کے پاس گزاری ہے وہ اصل میں دوسرے بھائی کی بیوی تھی۔ سفیان ثوری نے فتویٰ دیتے ہوئے کہا ہر لڑکی اپنے اصل خاوند کے پاس پہنچا دی جائے اور کسی سے کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ صرف اتنا ہے کہ ہر ایک پر مہر واجب ہوگا۔ مسعر نے امام اعظم کی طرف توجہ کی اور پوچھا آپ کیا فرماتے ہیں۔ سفیان کہنے لگے بھلا اس جواب کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ امام اعظم نے ان دونوں بھائیوں کو بلایا اور ہر ایک سے پوچھا جس لڑکی کے ساتھ تم نے رات گذاری ہے کیا اس کو تم پسند کرتے ہو؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے ان سے فرمایا تم دونوں اپنی اپنی بیویوں کو طلاق دو اور جس کے ساتھ رات گذاری ہے اس سے فوراً نکاح کر لو۔ آپ کے اس جواب سے تمام علماء حیران رہ گئے اور مسعر نے اٹھ کر آپ کی پیشانی چوم لی [2]

---

[1] ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ ذیل الجواہر المضیہ ج ۲ ص ۴۸۱

[2] ایضاً ۔ ۔ ایضاً ۔ ۔

امام اعظم بعض دفعہ دوسرے علماء کے فتویٰ اور قضایا کی اصلاح بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قاضی ابولیلیٰ کے ہاں ایک مقدمہ پیش ہوا کہ ایک شخص نے اپنی مجنونہ بیوی کو کچھ کہا تو اس نے جواب میں اسے یا ابن الزانیتین کہا۔ قاضی نے عورت کو مسجد میں کھڑا کیا اور اس پر دو بار حد لگائی۔ امام اعظم کو جب اس فیصلے کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا ابولیلیٰ نے اس فیصلے میں چھ غلطیاں کی ہیں۔ اولاً یہ کہ مجنونہ پر حد لگائی۔ حالانکہ جنون کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے، ثانیاً یہ کہ مسجد میں حد لگائی ہے حالانکہ مسجد امن کی جگہ ہے۔ ثالثاً عورت کو کھڑا کر کے حد قائم کی حالانکہ عورت کو بٹھا کر حد لگائی جاتی ہے۔ رابعاً عورت نے ایک کلمہ کے ساتھ تہمت لگائی تھی اور ایک کلمہ کے ساتھ اگر ساری دنیا کو بھی تہمت لگائی جائے تو ایک حد واجب ہے۔ اس لیے اس پر دو حدوں کے قائم کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ خامساً تہمت خاوند کے ماں باپ پر تھی اور وہ غائب تھے خاوند کو نہ شکایت کا حق تھا اور نہ حد کے مطالبہ کا۔ سادساً دوسری حد پہلی حد سے صحت یاب ہونے سے قبل لگائی حالانکہ اصول یہ ہے کہ اگر دو حدیں جاری کرنی ہوں تو ایک سے صحت یاب ہونے کے بعد دوسری حد لگائی جاتی ہے[1]

سیرت و کردار

امام اعظم رضی اللہ عنہ جس طرح علم و فضل میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اسی طرح اخلاق اور کردار کے لحاظ سے بھی یگانۂ روزگار اور بے نظیر تھے۔ ان کی فکر صائب اور علمی وسعت نے جس طرح قیامت تک کے لوگوں کے لیے ایک لائحہ عمل مہیا کیا اسی طرح ان کی بلند سیرت اور عظیم اخلاق نے انسانی کردار کو عظمت کا قوام اور مواد عطا کیا۔ یوں تو امام اعظم کے اخلاق کو بیان کرنے کیلئے تاریخ اور تذکرہ کی کتابوں سے متعدد واقعات کو بطور استشہاد پیش کیا جا سکتا ہے لیکن ان کے خلق کی جو تصویر ہارون الرشید کے دربار میں امام ابو یوسف نے کھینچی ہے اس کی جامعیت اور افادیت اندازہ سے باہر ہے۔

امام زعفرانی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید نے امام ابو یوسف سے کہا کہ امام ابوحنیفہ کے اوصاف بیان کیجئے۔ فرمایا امام اعظم محارم سے شدید اجتناب کرتے تھے۔ بلا علم دین میں

---

[1] امام ابن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۳ھ — الخیرات الحسان ص ۱۱۰

کوئی بات کہنے سے سخت ڈرتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں انتہائی مجاہدہ کرتے اہل دنیا کے منہ پر کبھی ان کی تعریف نہیں کرتے تھے۔ اکثر خاموش رہتے اور مسائل دینیہ میں غور و فکر کرتے رہتے تھے۔ اتنے عظیم علم کے باوجود بے حد سادہ اور منکسر المزاج تھے۔ جب ان سے کوئی سوال پوچھا جاتا تو کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتے۔ اور اگر اس کی نظیر قرآن و حدیث میں نہ ملتی تو پھر قیاس کرتے۔ نہ کسی شخص سے طمع کرتے اور نہ بھلائی کے سوا کبھی کسی کا تذکرہ کرتے۔ ہارون الرشید یہ سنتے ہی کہنے لگا صالحین کے اخلاق ایسے ہی ہوتے ہیں پھر اس نے کاتب کو ان اوصاف کے لکھنے کا حکم دیا اور اپنے بیٹے سے کہا ان اوصاف کو یاد کر لو۔[1]

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امام اعظم اگر کسی کو کچھ عطا فرماتے اور وہ اس پر ان کا ممنون ہوتا تو آپ کو بے حد افسوس ہوتا فرماتے شکر کا مستحق تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کا دیا ہوا مال میں نے تم تک پہنچایا ہے امام ابو یوسف نے کہا کہ امام اعظم بیس سال تک میرے اور میرے اہل وعیال کی کفالت فرماتے رہے۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ میں نے آپ جیسا فیاض کوئی شخص نہیں دیکھا، فرمایا تم نے حماد کو نہیں دیکھا۔ ورنہ ایسا کبھی نہ کہتے۔[2]

شفیق بیان کرتے ہیں کہ میں امام اعظم کے ساتھ بازار جا رہا تھا راستہ میں ایک شخص آپ کو دیکھ کر چھپ گیا۔ آپ نے اس کو بلا کر چھپنے کی وجہ پوچھی اس نے بتایا کہ میں نے آپ کے دس ہزار درہم دینے ہیں۔ کافی عرصہ گذر چکا لیکن میں تنگدستی کی وجہ سے نہیں دے سکا۔ اس لیے شرم کی وجہ سے آپ کو دیکھ کر چھپ گیا تھا۔ اس کی اس گفتگو کو سن کر آپ پر بڑا گہرا اثر ہوا اور فرمایا جاؤ میں خدا کو گواہ کر کے تمہارا سارا قرضہ معاف کرتا ہوں۔[3]

امام رازی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام اعظم کسی جگہ جا رہے تھے۔ راستہ میں کیچڑ تھی ایک جگہ آپ کے پیر کی ٹھوکر سے کیچڑ اڑ کر کسی شخص کے مکان کی دیوار سے جا لگی۔ آپ پریشان

---

[1] امام ابن بزاز کردری متوفی ۸۲۷ھ — مناقب کردری ج ۱ ص ۲۲۹

[2] امام ابن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۳ھ — الخیرات الحسان ص ۹۵

[3] ایضاً — ایضاً

ہوگئے کہ اگر کیچڑ اکھاڑ کر دیوار صاف کی جائے تو دیوار کی مٹی بھی اتر آئے گی اور اگر یونہی چھوڑ دیا جائے تو ایک شخص کی دیوار خراب ہوتی ہے۔ اسی پریشانی میں تھے کہ صاحب خانہ باہر آیا اتفاق سے وہ شخص یہودی تھا اور آپ کا مقروض تھا۔ آپ کو دیکھ کر سمجھا کہ قرض مانگنے آئے ہیں۔ پریشان ہو کر عذر پیش کرنے لگا آپ نے فرمایا قرض کو چھوڑو میں تو اس الجھن میں ہوں کہ تمہاری دیوار کو صاف کیسے کروں۔ کیچڑ کھرچوں تو خطرہ ہے دیوار سے کچھ مٹی بھی اتر آئے گی اور اگر یونہی رہنے دوں تو تمہاری دیوار گندی ہوتی ہے یہ بات سُن کر یہودی بے ساختہ کہنے لگا حضور دیوار کو بعد میں صاف کیجیے گا پہلے کلمہ پڑھا کر میرا دل پاک کر دیں۔

عبادت و ریاضت

امام اعظم عبادت و ریاضت میں قدم راسخ رکھتے تھے ان کی عبادت و ریاضت کا جو حال غیر حنفی علماء نے بیان کیا ہے وہ عادت سے اس قدر بعید اور اتنا حیرت انگیز ہے کہ آج کی عیش کوش اور تن آسان دنیا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ حنفی شافعی بلکہ ملتِ اسلامیہ کے علماء کے درمیان یہ بات حد استفاضہ سے زیادہ معروف ہے کہ امام ابوحنیفہ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے۔ لیکن زمانہ قریب کے مشہور مؤرخ جناب شبلی صاحب نے اس واقعہ سے سراسر انکار اور اس کو عقل کے خلاف قرار دیا ہے۔ دراصل گمراہی کی سب سے پہلی بنیاد یہ ہے کہ ہم اپنی عقل و فراست اور اپنے اخلاق و کردار کے میزان سے صالحینِ امت کے کارناموں کو تولنا شروع کر دیں۔ غور کیجیے امام بخاری کو تین لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں کیا آج کی دنیا کے لوگوں کی قوت حفظ کو سامنے رکھ کر یہ باور کرنا ممکن ہے۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ امام شمس الدین سرخسی نے تیس ضخیم مجلدات پر مشتمل مبسوط جیسی عظیم کتاب بغیر کسی بات کے مطالعہ کیے زبانی املا کرائی اور صرف مبسوط ہی نہیں امام سرخسی نے مبسوط جیسی کئی ضخیم کتب ہیں قیدخانہ میں بغیر مطالعہ کے زبانی املاء کرائیں۔ کیا آج کے لوگوں کی قوت علمیہ کے سامنے رکھ کر یہ باور کرنا ممکن ہے کہ کوئی شخص محض حافظہ کی بنیاد پر اتنا عظیم کام کر سکتا ہے جس طرح سلف صالحین کا یہ گروہ اپنی قوت علمیہ کے اعتبار سے ہم سے آگے تھا اسی طرح یہ نفوس قدسیہ اپنی قوت عملیہ کے لحاظ سے بھی ہمارے وہم و گمان سے بہت بلند تھے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی شب بیداری کا سبب یہ تھا کہ ایک بار ایک شخص نے آپ کو دیکھ کر کہا یہ وہ شخص ہیں جو عبادت میں پوری رات جاگ کر گذارتے ہیں، امام ابو حنیفہ نے یہ سنا تو فرمانے لگے ہمیں لوگوں کے گمان کے مطابق بننا چاہیئے۔ اس وقت سے آپ نے رات کو جاگ کر عبادت کرنی شروع کی یہاں تک کہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھا کرتے اور چالیس سال تک لگاتار اس معمول پر قائم رہے[1]

فضل بن دکین کہتے ہیں کہ میں نے تابعین میں امام ابو حنیفہ کی طرح کسی شخص کو شدت خشوع سے نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ دعا مانگتے وقت خوف خداوندی سے آپ کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا اور کثرت عبادت کی وجہ سے آپ کا بدن کسی سالخوردہ مشک کی طرح مرجھایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ایک بار آپ نے رات کو نماز میں قرآن کریم کی آیت مبارکہ بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھٰی وامرّ کی تلاوت کی پھر اس کی قرأت سے آپ پر ایسا کیف طاری ہوا کہ بار بار اس آیت کو دہراتے رہے یہاں تک کہ مؤذن نے صبح کی اذان کہہ دی۔[2]

زہد و تقوےٰ

تقویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر اس چیز کو چھوڑ دیا جائے جس کی وجہ سے دین میں کسی قسم کا شک و شبہ پیدا ہو اس لحاظ سے بھی امام ابو حنیفہ کا مقام بہت اونچا تھا جس چیز میں ادنیٰ سی کراہت کا بھی شائبہ ہوتا آپ اس سے کلیۃً اجتناب کرتے۔ زہد کا یہ عالم تھا کہ مال و دولت کی طرف قطعاً التفات نہ کرتے اور بڑی سی بڑی رقم بھی آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی تو شان استغنا سے رد کر دیا کرتے تھے۔

حسن بن زیاد حلفاً بیان کرتے تھے کہ امام اعظم نے کبھی کوئی وظیفہ یا کسی کا ہدیہ یا تحفہ قبول نہیں فرمایا۔ یہ زہد کا حال تھا اور تقویٰ کا اندازہ اس سے کریں کہ ایک مرتبہ اپنے شریک کے پاس تجارت کے لیے کپڑے کے تھان بھیجے جن میں سے ایک تھان میں کوئی نقص اور عیب تھا۔ آپ نے اپنے شریک سے کہا کہ جب اس تھان کو فروخت کرنا تو اس کا عیب بیان کر دینا۔ شریک نے اس تھان کو فروخت کر دیا اور گاہک کو اس کا عیب بیان کرنا بھول گیا اور بعد میں یہ بھی

---

[1] امام ابن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۳ھ الخیرات الحسان ص ۸۲

[2] ایضاً ۔ ۔ ایضاً ۔ ص ۸۳

یاد نہ رہا کہ کس شخص کے ہاتھ وہ تھان فروخت کیا تھا۔ امام اعظم کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے تیس ہزار درہم کی مالیت کے ان تمام تھانوں کی قیمت صدقہ کر دی۔ [1]

امام اعظم کی خصوصیات

امام اعظم کو اللہ عزوجل نے وہبی اور کسبی بے شمار خصوصیات سے نوازا تھا علم وحکمت میں دیکھیے تو وہ ایک بحر ناپید کنار، زہد و تقویٰ کے لحاظ سے دیکھیے تو نادرِ روزگار، فراست و فطانت کے اعتبار سے پرکھیں تو اپنا ثانی نہیں رکھتے، استنباط مسائل اور فقاہت کے لحاظ سے دیکھیں تو اعمش اور سفیان ثوری بھی ان سے سوال پوچھتے دکھائی دیتے ہیں۔

امام اعظم کو بے شمار ایسے محاسن اور فضائل حاصل تھے جن کی وجہ سے آپ اپنے معاصرین اور بعد کے آئمہ اور مجتہدین سے ممتاز اور فائق تھے۔ ان تمام کا احصار تو مشکل ہے۔ بعض ازاں یہ ہیں [2]

(۱) امام اعظم خیر القرون علی الاطلاق قرن اول میں پیدا ہوئے جس قرن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس قرن کے لوگ تمام زمانہ کے لوگوں سے بہتر ہیں۔

(۲) آپ نے حضرت انس، عبداللہ ابن ابی اوفی اور دیگر متعدد صحابہ کی زیارت کی جس کی وجہ سے آپ تابعی کہلائے۔

(۳) حضرت انس، عبداللہ بن ابی اوفی، عائشہ بنت عجرہ وغیرہم صحابہ کرام سے آپ کو شرف روایت بھی حاصل ہے۔

(۴) آپ کے اساتذہ و تلامذہ کی تعداد دیگر تمام آئمہ کے اساتذہ و تلامذہ سے زیادہ ہے۔

(۵) آپ نے سب سے پہلے علم فقہ کو مدون کیا اور ابواب و کتب کے لحاظ سے اس کو مرتب کیا۔ چنانچہ موطا میں امام مالک نے آپ کے طرزِ تدوین کی اتباع کی ہے۔

(۶) آپ کے طریق اجتہاد سے تمام آئمہ اور مجتہدین نے استفادہ کیا۔ چنانچہ امام شافعی نے فرمایا: الفقہاء کلھم عیال ابی حنیفۃ فی الفقہ۔

---

[1] امام ابن حجر ہیتمی متوفی ۹۷۳ھ الخیرات الحسان ص ۹۰

(۷) امام اعظم کا مسلک ان ممالک میں پہنچا۔ جہاں آپ کے مسلک کے سوا اور کوئی مسلک نہیں پہنچا۔ جیسے ہند، پاکستان، روم، ترکی اور ماوراء النہر وغیرہ۔

(۸) ملا علی قاری کی تصریح کے مطابق اس وقت دنیا کے مسلمانوں میں ⅔ مسلک حنفی کے حاملین ہیں اور باقی ⅓ دوسرے آئمہ کے مقلدین ہیں۔

(۹) آپ نے کبھی کسی کا صلہ اور انعام قبول نہیں کیا۔ اپنے ہاتھ کی کمائی سے خود بھی کھاتے تھے اور دوسرے علماء و فقراء پر بھی خرچ کرتے تھے۔

(۱۰) زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں جس قدر آپ کی سعی بلیغ اور جد و جہد کا ثبوت ملتا ہے، تاریخ میں کسی اور امام کا اس قدر مجاہدہ نہیں ملتا۔

کلمات ستائش امام اعظم کے علمی و عملی کمالات کی آپ کے معاصرین اور بعد کے آئمہ و مجتہدین نے تعریف و تحسین کی اور آپ کی دینی خدمات کو انتہائی عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ خلف بن ایوب بیان کیا کرتے تھے: "اللہ تعالیٰ سے علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا وہ علم آپ نے صحابہ تک پہنچایا۔ صحابہ نے تابعین کو اور تابعین سے وہ علم امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کو ملا۔ حق یہی ہے خواہ اس پر کوئی راضی ہو یا ناراض۔"[۱]

ابن عیینہ عبداللہ بن المبارک سے نقل کر کے کہتے تھے کہ ابو حنیفہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔[۲]

حضرت عبداللہ بن مسعود کے پوتے جناب قاسم کہا کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ کی مجلس سے زیادہ فیض رساں اور کوئی مجلس نہیں ہے۔[۳]

مسعر بن کدام کہتے تھے کہ کوفہ میں مجھے صرف دو آدمیوں پر رشک آتا ہے۔ ابو حنیفہ پر ان کی فقہ کی وجہ سے اور حسن بن صالح پر ان کے زہد

---

[۱] حافظ ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ — تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۶

[۲] ایضاً ۔ ۔ ۔ ایضاً ۔ ۔ ۔

[۳] ایضاً ۔ ۔ ۔۔۔ ایضاً ۔ ۔ ص ۳۳۷

کی وجہ سے۔[۱]

اسرائیل کا قول ہے کہ نعمان اچھے آدمی تھے احکام سے متعلق کسی کو ان سے زیادہ احادیث یاد نہ تھیں۔ نہ ان سے زیادہ کوئی حدیث کی فقہ جاننے والا تھا۔ انہوں نے حماد سے احادیث یاد کیں اور خوب یاد کیں۔ خلفاء اور امراء نے ان کی عزت کی اور جو شخص فقہی مسائل میں ان سے بحث کرتا اس کی جان مصیبت میں آجاتی تھی۔[۲]

امام ابو یوسف کا قول ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر حدیث کے معانی اور فقہی نکات جاننے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ وہ کہتے تھے میں جس کسی مسئلہ میں امام اعظم سے اختلاف کرتا تو بعد کے غور و خوض سے مجھ پر یہی منکشف ہوتا کہ امام اعظم کا نظریہ اخروی نجات کے زیادہ قریب تھا۔ بعض اوقات میں حدیث کے ظاہری مطلب کی طرف میلان کرتا تھا لیکن بالآخر یہ کہنا پڑتا تھا کہ احادیث کے دقائق میں وہ ہم سب سے بہت زیادہ بصیرت رکھتے تھے۔ ابو یوسف کہا کرتے تھے کہ میں امام ابوحنیفہ کے لیے اپنے والد سے پہلے دعا مانگتا ہوں۔[۳]

ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ تعزیت کے سلسلے میں سفیان کے گھر پہنچا۔ مجلس آدمیوں سے بھری ہوئی تھی۔ جب امام اعظم آئے تو سفیان نے کھڑے ہو کر ان کی تعظیم کی۔ اور اپنی جگہ ان کو بٹھایا اور خود سامنے مؤدب ہو کر بیٹھ گئے۔ بعد میں میں نے ان سے اس قدر تعظیم کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے وہ علم میں ذی مرتبہ شخص ہیں۔ اگر میں ان کے علم کے لیے نہ اٹھتا تو ان کے سن اور سال کی وجہ سے اٹھتا۔ اور اگر سن اور سال کی وجہ سے نہ اٹھتا تو ان کی فقہ کی وجہ سے اٹھتا اور اگر فقہ کی وجہ سے نہ اٹھتا تو ان کے تقویٰ کی وجہ سے اٹھتا۔[۴]

امام شافعی بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ امام مالک سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آپ نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا تھا؟ فرمایا ہاں میں نے انہیں ایسا شخص پایا کہ اگر وہ اس ستون کو سونے

---

[۱] حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۸

[۲] ایضاً " " " ایضاً " " ص ۳۳۹

[۳] ایضاً " " " ایضاً " " ص ۳۴۱

[۴] ایضاً " " " ایضاً " " ص ۳۳۸

کا ثابت کرنا چاہتے تو اپنے علم کے زور پر ایسا کر سکتے تھے [۱]

امام شافعی کہتے ہیں تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے پروردہ ہیں۔ امام ابوحنیفہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو فقہ میں موافقت حق عطا کی گئی [۲]

جرح اور اس کا جواب

خطیب بغدادی نے امام اعظم کے فضائل اور مناقب بیان کرنے کے بعد ۵ صفحات میں بعض لوگوں کے وہ اقوال بیان کیے ہیں جن میں امام اعظم پر جرح کی گئی ہے۔ اور اس جرح کا بعض حصہ عقائد سے متعلق ہے اور بعض اعمال سے عقائد کے لحاظ سے آپ کے بارے ارجاء اور زندقہ وغیرہ کی نسبت کی گئی ہے اور اعمال کے اعتبار سے آپ کی طرف خروج وغیرہ کی نسبت کی گئی ہے۔ خطیب بغدادی نے اس جرح کے بیان کرنے والے راویوں کی نہ توثیق اور تعدیل کی نہ جرح کا سبب بیان کیا بلکہ جرح نقل کرنے کے ساتھ ساتھ اس میں دوسرے اقوال بھی نقل کرتے چلے گئے۔ اس کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ خطیب نے ان روایات کو نقل کرنے میں صرف اپنا مؤرخانہ فرض ادا کیا ہے۔ ورنہ وہ ان روایات کے معتقد نہ تھے چنانچہ لکھتے ہیں۔ وقد سقنا عن ایوب السختیانی و سفیان الثوری و سفیان بن عیینة و ابی بکر بن عیاش وغیرهم من الائمة اخبارا کثیرة۔ تتضمن تقریظ ابی حنیفة والمدح له والثناء علیه والمحفوظ عند نقلة الحدیث عن الائمة المتقدمین وهؤلآء المذکورین منهم فی ابی حنیفة خلاف ذالک۔ وکلامهم فیه کثیر لامور شنیعه حفظت علیه متعلق بعضها باصول الدیانات وبعضها بالفروع نحن ذاکروها بمشیة الله ومعتذرون علی من وقف علیها وکره سماعها بان ابا حنیفة عندنا مع جلالة قدره اسوة غیره من العلمآء الذین دونا ذکرهم فی هذا الکتاب واوردنا اخبارهم وحکینا اقوال

---

[۱] حافظ ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۸۔

[۲] ایضاً ۔ ۔ ۔ ایضاً ۔ ۔ ص ۳۴۶

الناس فيهم على تباينها[1]

ہم اوراق سابقہ میں ابو سختیانی، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور ابو بکر بن عیاش وغیرہ سے امام اعظم کے فضائل اور مناقب نقل کر چکے ہیں لیکن ناقلان روایت کے پاس بعض اسانید سے امام اعظم کے بارے میں ایسے اقوال منقول ہیں جو بیان سابق کے خلاف ہیں۔ ان میں سے بعض اقوال اصول دین کے متعلق ہیں اور بعض فروع کے۔ اور ہم نے جس طرح دوسرے آئمہ کے بارے میں جرح اور تعدیل کے سب اقوال نقل کر دیئے ہیں اسی طرح باوجود اس کے کہ ہم امام کی جلالت قدر کے قائل ہیں ان کے بارے میں بھی تعدیل کے بعد جرح کے اقوال بھی نقل کریں گے۔ اور جو لوگ ان اقوال کو پڑھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کریں ہم ان سے اپنے اسلوب کتاب کی وجہ سے معذرت خواہ ہیں۔"

خطیب کے اس بیان سے واضح ہو گیا کہ انہوں نے ان اقوال کو نقل کرنے میں محض اپنے اسلوب کتاب کی پابندی کی ہے۔ ورنہ وہ بذاتہ امام اعظم کی جلالت، قدر اور عظمت شان کے قائل تھے۔

خطیب نے اگرچہ اپنی مورخانہ حیثیت سے ان اقوال کو نقل کیا ہے لیکن دوسرے مورخین نے اس روش میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔ چنانچہ ابن اثیر جذری شافعی، حافظ ذہبی، ابن حجر عسقلانی، ابو الحجاج المزی، عبدالغنی مقدسی، امام نووی، ابن العماد حنبلی، امام شافعی، امام عبدالوہاب شعرانی، ابن حجر ہیتمی مکی اور حافظ سیوطی جیسے حفاظ حدیث اور آئمہ رجال نے امام اعظم کا تذکرہ لکھا اور آپ کے بے شمار محامد و مناقب بیان کیے لیکن جرح سے متعلق ایک لفظ بھی نقل نہیں کیا۔ اس لیے اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ جرح کے یہ اقوال ناقدین اور ماہرین رجال میں سے کسی ایک کے نزدیک بھی ثابت نہیں ہیں۔

امام اعظم کی طرف سے جو (العیاذ باللہ) ارجاء، زندقہ وغیرہ نسبت کی گئی ہے اس کے ابطال کے لیے یہ کافی ہے کہ سلف، خلفاء، علماء اور مشائخ امام اعظم کے مذہب اور ان کے اقوال نقل کرتے چلے آرہے ہیں۔ کیا کوئی شخص ان تصانیف میں ارجاء یا زندقہ کی نشاندہی

---

[1] حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۶۹

کر سکتا ہے ؛ کیا عبداللہ بن المبارک ، ابراہیم بن ادہم ، شفیق بلخی ، معروف کرخی ، بایزید بسطامی ، داؤد طائی ، علی ہجویری اور معین الدین چشتی جیسے صالحین اولیاء اللہ نے ایک مرجئی کے مسلک کو اختیار کر لیا تھا ؟ اور کیا کوئی ہوش مند اس بات کو باور کر سکتا ہے کہ امت مسلمہ کی دو تہائی اکثریت ایک مرجئی سے اپنی تقدیر وابستہ کر چکی ہے ۔

مسلک حنفی کی برتری

امام ابوحنیفہ نے اجتہاد اور استنباط کے ایسے زریں اصول مقرر کیے جن کی وجہ سے آپ کا مسلک دوسرے آئمہ کے مسلک کے مقابلہ میں سب سے زیادہ عقل و آگہی کے قریب ، انتہائی محتاط اور مزاج رسالت کی سب سے زیادہ رعایت کرنے والا ہے ۔ چنانچہ کتاب اللہ کی رعایت سنت نبوی کی موافقت اور اتباع صحابہ کا سب سے زیادہ عنصر اگر کسی مسلک میں پایا جاتا ہے تو وہ فقہ حنفی ہے ۔ امام اعظم کے مسلک کی تمام خصوصیات اگر بیان کی جائیں تو ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے ۔ اجمالی طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ مثلاً نماز میں خضوع وخشوع مقصود ہوتا ہے اور خضوع وخشوع کے سب سے زیادہ قریب وہ نماز ہے جس میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین ، قرأت خلف الامام اور آمین بالجہر کا ترک ہو ۔ روزہ سے مقصود قہر نفس ہے دوسرے آئمہ روزہ میں عمداً کھانے پینے سے کفارہ لازم نہیں فرماتے ۔ امام اعظم نے روزہ کی اس حکمت کے پیش نظر فرمایا عمداً کھانے پینے سے بھی روزہ میں کفارہ لازم آتا ہے ۔ طہارت کے باب میں نظافت اصل ہے ۔ اس لیے آپ خون نکلنے سے نقض وضو کو لازم کرتے ہیں ۔ نابالغ احکام کا مکلف نہیں ہوتا اس لیے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ٹھہراتے ۔

مسلک حنفی میں احتیاط بہت زیادہ ہے اور اصول حنفیہ کی روشنی میں عبادت دیگر تمام اصول کے لحاظ سے عبادات کی جامع ہے ۔ چنانچہ ایک دو چسکی دودھ پی لینے سے رضاعت کا ثبوت ، وتر کا وجوب اور تین رکعات کے ساتھ اس کی تعیین اور قربانی کی تین دن کے ساتھ تحدید وغیرہ وہ مثالیں ہیں جن سے امام اعظم کے عظیم تفقہ اور دین کے معاملہ میں گہری احتیاط کا پتہ چلتا ہے ۔ اس کتاب کا اختصار اور اسلوب اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اس موضوع پر مکمل کر اور تفصیل سے گفتگو کی جائے ۔ انشاء اللہ اس

عنوان پر پھر کبھی تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

امام اعظم کے مسلک کی عظمت اور شرف کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ صوفیا کے نزدیک ثابت ہے کہ امام اعظم کا مسائل میں استنباط رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی کے تابع ہے اور جس کسی مسئلہ میں آپ نے کوئی حکم بیان کیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین سے بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ اس کی تائید رئیس الصوفیا حضرت سید علی ہجویری کے اس بیان سے ہوتی ہے! فرماتے ہیں!

"میں ایک بار شام میں تھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ مؤذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کے سرہانے سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں خود کو مکہ معظمہ میں دیکھا اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ کہ آپ باب بنی شیبہ سے تشریف لا رہے ہیں اور ایک معمر بزرگ کو اپنے پہلو میں اسی طرح لے رکھا ہے جیسے بچوں کو شفقت سے لیتے ہیں۔ میں فرط محبت سے دوڑا اور حضور کے پائے اقدس کو چومنے لگا میں سوچ رہا تھا کہ یہ معمر بزرگ کون ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل کے اس خیال پر مطلع ہوئے فرمانے لگے یہ تمہارے شہر کے لوگوں کا امام ہے یعنی ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ۔

اس خواب کو دیکھنے سے میرا یہ خیال قوی ہو گیا کہ امام اعظم ان پاک ہستیوں میں سے ہیں جو اوصاف طبع سے فانی اور احکام شرع کے ساتھ باقی و قائم ہیں۔ کیونکہ ان کے چلانے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اگر وہ خود چلتے تو باقی الصفت ہوتے، اور باقی الصفت یا مخطی ہوتا ہے یا مصیب۔ اور جب امام اعظم کے قائد حضور ہیں تو فانی الصفت ہوئے اور حضور کی صفت بقا سے قائم ہوئے اور جب حضور سے خطا محال ہے تو جو آپ کے چلانے سے چل رہا ہے اور اپنی صفت فنا کر کے آپ کی صفت سے قائم ہے اس سے بھی خطا نہیں ہو سکتی[1] پس ثابت ہوا کہ اور کسی امام سے مسائل میں خطا ہو یا نہ ہو آپ سے نہیں ہو سکتی۔

تصانیف:۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تصنیف و تالیف کا اس قدر

---

[1] حضرت ابوالحسن سید علی بن عثمان الہجویری متوفی ۴۶۵ھ — کشف المحجوب ص ۲۱۶

قدر رواج نہ تھا۔ عام طور پر لوگ اپنے حافظہ پر زیادہ اعتماد کیا کرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ اساتذہ کی تقاریر کو نوٹ کر لیتے تھے۔ اسی سبب سے امام اعظم کی تصانیف کی زیادہ تعداد نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے امام اعظم کی تصانیف کا اصلاً انکار کر دیا۔ لیکن ان کا یہ انکار روایت و درایت کی روشنی میں قطعاً ناقابل قبول اور کتب تواریخ سے بالکل ناواقفیت پر مبنی ہے۔

امام اعظم کی مندرجہ ذیل کتب اہل علم کے نزدیک شہرت اور تواتر سے ثابت ہیں۔

(۱) کتاب العالم والمتعلم:۔ امام اعظم کی یہ تصنیف عقائد اور نصائح کے موضوع پر متعلم کے سوال اور عالم کے جواب کے طور پر تالیف کی گئی ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۴۳۷)

(۲) کتاب الفقہ الاکبر:۔ عقائد کے موضوع پر امام اعظم کی اس تصنیف کو ابو مطیع بلخی نے آپ سے روایت کیا ہے اس کتاب کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۲۸۷)

(۳) کتاب الوصایا:۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۴۷۰)

(۴) کتاب المقصود۔

(۵) کتاب الاوسط۔

قاضی ابو زید دبوسی، ابو سہل غزالی، ابو علی الدقاق، ابو منصور ماتریدی اور ابو اللیث سمرقندی نے اپنی تصانیف جلیلہ میں ان کتابوں کے رواۃ اور ناسخین کی امام اعظم تک پوری سند بیان کی ہے[1]

امام اعظم نے اپنے تلامذہ کو احادیث املاء کرائیں اور اس کا نام کتاب الاثار رکھا جس کو امام اعظم کے متعدد شاگردوں نے روایت کیا ہے۔ ان میں کتاب الاثار بروایت امام محمد بہت زیادہ مشہور ہے۔ اسی کتاب کی احادیث کا انتخاب کر کے امام اعظم کی شیوخ کی ترتیب پر احادیث جمع کر کے مسانید امام اعظم ترتیب دی گئی ہیں۔ بہر حال یہ احادیث چونکہ امام اعظم کی املاء کرائی ہوئی ہیں اس لیے کتاب الاثار کو بھی امام اعظم کی تصانیف میں شمار کیا جاتا ہے۔ جس طرح موطا امام مالک کو باوجود یحییٰ بن یحییٰ کی روایت کے امام مالک کی تصنیف قرار دیا جاتا ہے۔

---

[1] فقیر محمد جہلمی   حدائق حنفیہ ص ۱۱

وصال حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل۔ سب سے زیادہ تکالیف انبیاء علیہم السلام پر وارد ہوتی ہے۔ پھر جو ان کے قریب ہو اور جو اس قریب کے قریب ہو۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عزت و حرمت اور ان کا مقام کون نہیں جانتا اس کے باوجود جس مظلومیت سے آپ دشت کربلا میں شہید کیے گئے وہ کسی شخص سے مخفی نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی عظمت کا آفتاب عرصہ دراز تک آسمان علم و فضل پر جگمگاتا رہا یہاں تک کہ اخیر عمر میں خلیفہ ابو جعفر منصور نے اپنے دربار میں آپ کو عہدہ قضاء کے لیے طلب کیا۔ آپ نے اس پیش کش کو قبول نہیں کیا جس کی وجہ سے آپ پر شاہی عتاب نازل کیا گیا۔ بغداد کے قید خانہ میں آپ کو مقید کر دیا گیا اور مؤرخین کی روایات کے مطابق آپ پر روزانہ کوڑے لگائے جاتے تھے۔ تا آنکہ ایک دن (ماہ رجب یا شعبان ۱۵۰ھ) بحالت سجدہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ پہلی مرتبہ پچاس ہزار اشخاص نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی اس کے بعد قبر پر نماز پڑھی جاتی رہی۔ امام موفق نے لکھا ہے کہ خیزران میں آپ کو دفن کیا گیا اور دفن کے بعد بیس دن تک لوگ آپ کی قبر پہ نماز جنازہ پڑھتے رہے۔ خلیفہ ابو جعفر منصور نے قبر پر آ کر نماز پڑھی اور سب سے آخر میں آپ کے صاحبزادے حماد بن ابی حنیفہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔[1]

---

[1] صدر الائمہ موفق بن احمد مکی متوفی ۵۶۸ھ — مناقب امام اعظم ج ۲ ص ۱۰۹

علم حدیث میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمات

امام الائمہ، سراج الامہ، سید الفقہا، سند الاتقیا، محدث کبیر حضرت ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ میں اللہ عزوجل نے علم وعمل کی تمام خوبیاں جمع کر دی تھیں، وہ میدانِ علم میں تحقیق و تدقیق کے شاہسوار، اخلاق وعادات میں لائق تقلید اور عبادت و ریاضت میں یگانۂ روزگار تھے۔ مسائل فقہیہ میں ان کی سطوت اور اجتہاد میں ان کا سکہ تو ہر ایک نے مانا ہے، البتہ بعض اہلِ ہوا، کوتاہ بین اور متعصب حضرات فن حدیث میں امام اعظم کی بصیرت پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور کچھ بے لگام لوگ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں، اس لیے ہم نہایت اختصار کے ساتھ علم حدیث کے فن روایت و درایت میں امام اعظم کا رتبہ اور مقام ٹھوس دلائل اور مستحکم شواہد کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ ناواقف لوگ متعصبین کے جھوٹے پروپیگنڈہ سے محفوظ رہ سکیں۔

حق تو یہ ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اسلامی علوم وفنون کے تمام شعبوں میں امام اور مجتہد تھے۔ جس طرح وہ آسمانِ فقہ کے درخشندہ آفتاب تھے اسی طرح عقائد و کلام کے افق پر بھی انہیں کا سورج طلوع ہوتا تھا اور روایت و درایت کے میدان میں سابقیت کا علم بھی انہی کا نصب کردہ ہے۔ فقہ میں یہ آب ورنگ انہی کے دم سے ہے اور فن حدیث میں یہ بہار انہی کی کاوشوں کا ثمرہ ہے، شافعی اور مالک فقہ میں ان کے پروردہ ہیں اور صحاح ستہ کے شیوخ ان کے فیض یافتہ، وہ نہ ہوتے تو نہ فقہا کو یہ عروج ہوتا اور نہ بخاری ومسلم کو یہ جوبن نصیب ہوتا۔

فن حدیث میں امام اعظم کی بصیرت پر اجمالی نظر

امام اعظم نے اگرچہ بنیادی طور پر علم فقہ کی خدمت کی

ہے اور اپنی عمر کا تمام حصہ اسی میں صرف کیا ہے تاہم علم حدیث میں بھی ان کا نہایت اونچا مقام ہے۔ انہوں نے فاضل صحابہ اور اکابر تابعین سے احادیث کا سماع کیا۔ پھر ان روایات کو کامل حزم و احتیاط کے ساتھ اپنے تلامذہ تک پہنچایا۔ امام اعظم چونکہ علم حدیث میں مجتہدانہ بصیرت کے حامل تھے اس لیے محض نقل روایت پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ قرآن کریم کی نصوص صریحہ اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں روایات کی جانچ پڑتال کرتے تھے۔ راویوں کے احوال اور ان کی صفات پر بھی زبردست تنقیدی نظر رکھتے تھے اور کسی حدیث پر اعتماد کرنے سے پہلے اس کی سند اور متن کو پوری طرح پرکھ لیتے تھے۔

جو لوگ سوچے سمجھے بغیر یہ کہہ دیتے ہیں کہ امام اعظم کو علم حدیث میں دسترس نہیں تھی وہ اس امر پر غور نہیں کرتے کہ امام اعظم نے عبادات و معاملات، معاشیات و عمرانیات اور قضایا و عقوبات کے اَن گنت احکام بیان کیے ہیں، حیاتِ انسانی کا کوئی گوشہ امام اعظم کے بیان کردہ احکام سے خالی نہیں ہے لیکن آج تک کوئی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ امام اعظم کا بیان کردہ فلاں حکم حدیث کے خلاف تھا۔ امام اعظم کی مہارتِ حدیث پر اس سے بڑھ کر اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ ان کا بیان کردہ ہر مسئلہ حدیث نبوی کے موافق اور ہر حکم سنت رسول کے مطابق ہے۔

بسا اوقات ایک ہی مسئلہ میں متعدد اور متعارض روایات ہوتی ہیں مثلاً نماز پڑھتے پڑھتے کوئی شخص رکعات کی تعداد بھول جائے تو بعض روایات میں یہ ہے کہ وہ ازسرِنو نماز پڑھے، بعض روایات میں ہے کہ وہ رکعات کو کم سے کم تعداد پر محمول کرے اور بعض میں ہے کہ وہ غور و فکر کرکے راجح جانب پر عمل کرے۔ اسی طرح سفر میں روزہ کے بارے میں بھی مختلف احادیث ہیں۔ بعض میں اثناءِ سفر میں روزہ کو نیکی کے منافی قرار دیا ہے۔ اور بعض میں عین ثواب، ایسی صورت میں امام اعظم منشاءِ رسالت تلاش کرکے ان روایات میں باہم تطبیق دیتے ہیں اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو سند کی قوت و ضعف اور دوسرے اصول درایت کے اعتبار سے فیصلہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جو منشاءِ وحی اور مزاجِ رسالت کو پہچانتا ہو، روایات کے تمام طرق پر حاوی، درایت کے کل اصولوں پر محیط اور راویوں

کے احوال پر ناقدانہ نظر رکھتا ہو۔

تابعیت کا ثبوت حدیث پاک کے ایک راوی ہونے کی حیثیت سے رجالِ حدیث میں امام اعظم کا مقام معلوم کرنا نہایت ضروری ہے۔ امام اعظم کے معاصرین میں سے امام مالک، امام اوزاعی اور سفیان ثوری نے خدمتِ حدیث میں بڑا نام کمایا ہے لیکن ان میں سے کسی کو بھی تابعیت کا وہ عظیم شرف حاصل نہیں ہے جو امام اعظم کی خصوصیت ہے۔

تابعی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کو دیکھا ہو اور اس بات پر سب نے اتفاق کیا ہے کہ امام اعظم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا اور ان سے ملاقات بھی کی تھی کیونکہ امام اعظم کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اس کے بارہ سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہے۔ نیز علامہ ابن حجر ہیتمی نے ثابت کیا ہے کہ امام اعظم نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کو بھی دیکھا ہے اور یہ بات بالکل صحیح ہے کیونکہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی اوفیٰ کا انتقال امام اعظم کی ولادت کے سات سال بعد ۸۷ھ میں ہوا ہے اور ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ ان دو صحابہ کے علاوہ اور بھی کئی صحابہ کا انتقال امام اعظم کی ولادت کے بعد ہوا ہے اور امام اعظم کی ان سے ملاقات کئی طرق سے ثابت ہے۔

امام اعظم کی صحابہ سے روایت حضرت انس کے سن وصال میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے وہب بن جریر سے نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا وصال ۹۵ھ میں ہوا ہے اور مشہور ۹۳ھ ہے اور حضرت انس کی زندگی میں امام اعظم بارہا بصرہ گئے تھے اس لیے اس بات کو کوئی نہیں مان سکتا کہ امام اعظم نے پندرہ سال کی عمر تک حضرت انس سے ملاقات نہ کی ہو اور ان

---

۱ الخیرات الحسان ، ص ۵۳

۲ تہذیب التہذیب ، ج ۵ ص ۱۵۲

۳ تہذیب التہذیب ، ج ۱ ، ص ۳۷۸

سے روایت حدیث کا شرف حاصل نہ کیا ہو محققین علماء کرام اور محدثین عظام نے امام اعظم کی مرویات صحابہ کو پوری اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اور دلائل سے انہیں تقویت دی ہے۔

امام ابو معشر عبد الکریم بن عبد الصمد طبری شافعی نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے مرویات میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے اور اس میں روایات کو مع اسناد کے ذکر کیا ہے۔ اور ان کی تحسین و تقویت کی ہے علامہ جلال الدین سیوطی شافعی نے ان روایات کو اپنے رسالہ تبییض الصحیفہ میں نقل کیا ہے، ہم اسی رسالہ سے چند احادیث کا انتخاب پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ سمعت انس بن مالک یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم۔	امام ابو یوسف، امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس سے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔
۲۔ عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ سمعت انس بن مالک یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الدال علی الخیر کفاعلہ۔	امام ابو یوسف، امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس سے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ خیر کا راہنما اس کے فاعل کے مثل ہے۔
۳۔ عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ سمعت انس بن مالک یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یحب اغاثۃ اللھفان۔	امام ابو یوسف، امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ پریشان حال کی مدد کو پسند کرتا ہے۔

۴- عن یحییٰ بن قاسم عن ابی حنیفۃ سمعت عبد اللہ بن ابی اوفی یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی للہ مسجدا ولو کمفحص قطاۃ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ (تبییض الصحیفہ ص ۱۲)	یحییٰ بن قاسم امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی خاطر سنگ خوار کے گڑھے جتنی بھی مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کا جنت میں گھر بنائیگا۔

صحابہ سے سماع پر بحث بلحاظ روایت

صحابہ کرام سے احادیث کا سماع اور ان کی روایت امام اعظم کا ایک جلیل القدر وصف اور عظیم خصوصیت ہے۔ احناف تو خیر کمالاتِ امام کے مداح ہیں ہی۔ شوافع سے بھی امام اعظم کے اس کمال کا انکار نہ ہو سکا بلکہ بعض شافعیوں نے بڑی فراخ دلی سے امام اعظم کی روایت صحابہ پر خصوصی رسائل لکھے ہیں تاہم بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا ہے چنانچہ زمانہ قریب کے مشہور مؤرخ جناب شبلی نعمانی صاحب بھی اس انکار میں پیش پیش ہیں، لکھتے ہیں۔

"بعض لوگوں نے رویت سے بڑھ کر روایت کا بھی دعوےٰ کیا ہے اور تعجب ہے کہ علامہ عینی شارح ہدایہ بھی اس غلطی کے حامی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ دعویٰ ہرگز پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ حافظ ابوالمحاسن نے عقود الجمان میں ان تمام حدیثوں کو مع اسناد کے نقل کیا ہے جن کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ امام نے صحابہ سے سنی تھیں۔ پھر اصولِ حدیث سے ان کی جانچ پڑتال کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ ہرگز ثابت نہیں۔ محدثانہ بحثیں تو وقت طلب ہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ امام نے صحابہ سے ایک بھی روایت کی ہوتی تو سب سے پہلے امام کے تلامذۂ خاص اس کو شہرت دیتے۔ لیکن قاضی ابویوسف، امام محمد، حافظ عبدالرزاق بن ہمام، عبداللہ بن مبارک، ابونعیم،

فضل بن وکیع، مکی بن ابراہیم، ابو عاصم النبیل وغیرہ سے کہ امام کے مشہور اور
با اخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھیے تو زیادہ تر انہی لوگوں نے ان کی نام آوری
کے سکے بٹھائے ہیں، ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں ؛"

(سیرۃ النعمان، ص ۴۲)

مقام صد حیرت ہے کہ شبلی جیسے تاریخ دان پر بھی یہ امر مخفی رہا کہ صحابہ سے امام اعظم
کی روایت کو نقل اور ثابت کرنے والے اولین حضرات ان کے ارشد تلامذہ ہی تھے ہم نے
جو چار منتخب روایتیں پیش کی ہیں ان میں سے تین قاضی ابو یوسف سے مروی ہیں اور
وہ امام اعظم کے مشہور اور قابل صد فخر شاگرد ہیں اور شبلی صاحب کی دی ہوئی تلامذہ
کی فہرست میں بھی موجود ہیں۔ اس کے باوجود ان کا یہ قول ناقابل فہم ہے کہ "تلامذہ سے ایک
حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں ہے"

نیز متعدد محققین علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ اوائل میں صحابہ سے روایت امام کو
ثابت کرنے والوں میں ان کے تلامذہ بھی تھے۔ چنانچہ ملا علی قاری امام کردری کے حوالے
سے لکھتے ہیں :۔

قال الکردری جماعة من المحدثین انکروا ملاقاته مع الصحابة واصحابه اثبتوه بالاسانید الصحاح الحسان وھم اعرف باحواله منھم والمثبت العدل اولی من النافی۔	امام کردری فرماتے ہیں کہ محدثین کی ایک جماعت نے امام اعظم کی صحابۂ کرام سے ملاقات کا انکار کیا ہے اور ان کے شاگردوں نے اس بات کو صحیح اور حسن سندوں کے ساتھ ثابت کیا ہے اور ثبوت روایت نفی سے بہتر ہے۔

(شرح مسند الامام للقاری ص ۵۸)

اور مشہور محدث شیخ محمد طاہری ہندی کرمانی کے حوالے سے لکھتے ہیں :۔

واصحابه یقولون انه لقی جماعة من الصحابة وروی	امام اعظم کے شاگرد کہتے ہیں کہ امام نے صحابہ کی ایک جماعت سے ملاقات

عنہم۔ (المغنی ص ۸۰) کی ہے، ان سے سماع حدیث بھی کیا ہے۔

اور حافظ بدرالدین عینی عبداللہ بن ابی اوفی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

ھو احد من رآہ ابو حنیفۃ	عبداللہ بن ابی اوفی ان صحابہ سے
من الصحابۃ وروی عنہ	ہیں جن کی امام ابوحنیفہ نے زیارت
ولا یلتفت الی قول المنکر	کی اور ان سے روایت کی ہے۔
المتعصب وکان عمر ابی	(قطع نظر کرتے ہوئے منکر متعصب
حنیفۃ حینئذ سبع سنین	کے قول سے) امام اعظم کی عمر اس
وھو سن التمییز ھذا علی	وقت سات سال کی تھی کیونکہ صحیح
الصحیح ان مولد ابی حنیفۃ	قول یہ ہے کہ آپ کی ولادت
سنۃ ثمانین وعلی قول	۸۰ھ میں ہوئی اور بعض اقوال
من کان سنۃ سبعین	کی بناء پر اس وقت آپ کی عمر
یکون عمرہ حینئذ	سترہ سال کی تھی۔ بہرحال سات
سبعۃ عشرۃ سنۃ	سال عمر بھی فہم وشعور کا سن ہے اور
ویستبعد جدا	یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک صحابی کسی
ان یکون	شہر میں رہتے ہوں اور شہر کے
صحابی مقیما	رہنے والوں میں ایسا شخص ہو
ببلدۃ وفی اھلھا	جس نے اس صحابی کو نہ دیکھا ہو
من لا رآہ واصحابہ	(اس بحث میں امام اعظم کے تلامذہ
اخبر بحالہ وھم	کی بات ہی معتبر ہے) کیونکہ وہ
ثقات فی انفسھم۔	ان کے احوال سے زیادہ واقف
(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۹۸)	ہیں اور ثقہ بھی ہیں۔

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ ظاہر ہو گیا کہ امام اعظم کی صحابہ سے روایت کو نقل کرنے والے اور ابتداء میں اس کو شہرت دینے والے ان کے لائق تلامذہ ہی تھے۔ شبلی

صاحب نے کہا ہے کہ ان کے شاگردوں نے اس بات کو نہیں بیان کیا لیکن چونکہ انہوں نے اس پر کوئی دلیل یا حوالہ پیش نہیں کیا اس لیے اس موضوع پر مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

صحابہ سے سماع پر بحث بلحاظ درایت

شبلی نعمانی کے انکار کی دوسری بنیاد اس امر پر ہے کہ حافظ ابوالمحاسن نے ان روایات کی اسناد پر جرح کی ہے لیکن بے شمار محدثین نے ان اسناد کی تعدیل بھی کی ہے۔ امام ابو معشر طبری اور حافظ سیوطی کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ان کے علاوہ محدث دارقطنی کے استاذ حافظ ابو محامد حضرمی، حافظ ابوالحسین بنیقی اور حافظ ابوبکر سرخسی یہ سب حفاظ حدیث اور جلیل القدر آئمہ فن ہیں جنہوں نے امام اعظم کی صحابہ سے مرویات پر باقاعدہ رسائل لکھے ہیں اور ان روایات کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔

نیز امام سخاوی لکھتے ہیں:۔

والثنائیات فی الموطا للامام مالک والوحدان فی حدیث الامام ابی حنیفۃ۔ (فتح المغیث ص ۳۴۱)	امام مالک کی احادیث میں ثنائیات ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ کی روایات میں وحدان ہیں۔

ثنائیات ان احادیث کو کہتے ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور راوی کے درمیان صرف دو واسطے ہوں اور وحدان ان احادیث کو کہتے ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور راوی کے درمیان صرف ایک واسطہ ہو۔ محدث سخاوی کا مطلب یہ ہے امام اعظم کی ایسی روایات بھی ہیں جن میں ان کے اور حضور کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے اور یہ واسطہ صحابہ کرام کا ہے پس ثابت ہوا کہ محدث سخاوی کے نزدیک امام اعظم کی صحابہ سے روایت ثابت ہے۔

اور صاحب بزازیہ ابن بزاز کردری لکھتے ہیں:۔

لا ینکر سماع الامام من ابی اوفیٰ۔ (مناقب ابی حنیفۃ للکردری ج ۱ ص ۱۱)	حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے امام اعظم کے سماع کا انکار نہیں ہو سکتا۔

حافظ بدرالدین عینی، امام کردری، ابو معشر شافعی، حافظ سیوطی، ابو بحر حضرمی، سرخسی، سخاوی اور ابن حجر ہیتمی مکی جیسے حفاظ اور آئمہ حدیث اور فن کے ماہرین کے اثبات کے بعد شبلی صاحب کے انکار کا کوئی وزن نہیں رہتا۔ نیز اس سلسلہ میں بحث کرتے وقت یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے۔ کہ امام اعظم کے بارے میں شوافع نے بھی کتابیں تصنیف کی ہیں اور ان میں اگرچہ کچھ مسلکاً انصاف پسند تھے لیکن بعض متعصب بھی تھے۔ نیز امام اعظم کی صحابہ سے روایات جن سے اسناد ثابت ہیں، ان میں بعض راویوں پر اگرچہ جرح کی گئی ہے تاہم ان میں کوئی راوی ایسا نہیں ہے جس کو باطل یا وضاع قرار دیا گیا ہو چنانچہ علامہ سیوطی اس باب میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

وحاصل ماذکرہ ھو وغیرہ الحکم	حافظ عسقلانی اور دوسرے ناقدین
علی اسانید ذلک بالضعف	نے ان اسانید پر ضعف کا حکم کیا
وعدم الصحۃ لا بالبطلان و	ہے بطلان یا وضع کا نہیں اور
حینئذ فسھل الامر فی ایرادھا	اب بات آسان ہے کیونکہ حدیث
لان الضعیف یجوز روایتہ و	ضعیف کی روایت جائز ہے اور اس
یطلق علیہ انہ ورد (تبییض الصحیفۃ ص)	پر روایت کا اطلاق کرنا صحیح ہے۔

اور قوت و ضعف ایک اضافی وصف ہے جو شخص بعض کے نزدیک ضعیف ہے، دوسرے اس کو قوی خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ رجال سے بحث کرنے والے حضرات بھی مختلف آراء رکھتے ہیں مشکل سے ہی ایسا ہو گا کہ کسی راوی کی جرح یا تعدیل پر سب کا اتفاق ہو۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ چھ سو پچاس راوی ایسے ہیں جو امام مسلم کے نزدیک لائق استدلال ہیں اور امام بخاری ان سے روایت نہیں لیتے۔ جابر جعفی کوفہ کا ایک مشہور راوی تھا، جسے دعویٰ تھا کہ اسے پچاس ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ اس کے بارے میں سفیان ثوری کہتے ہیں کہ میں نے جابر سے زیادہ کسی کو حدیث میں محتاط نہیں دیکھا شعبہ کہتے ہیں کہ جب جابر اخبرنا و حدثنا کہے تو وہ سب سے زیادہ معتمد ہے۔ وکیع کا قول ہے کہ جابر کی ثقاہت میں شک نہیں، اس کے برخلاف ابن معین کہتے ہیں کہ جابر کذاب ہے۔ نسائی نے کہا

وہ متروک ہے۔ سفیان بن عینیہ نے کہا کہ جابر کی باتیں سن کر مجھے خوف ہوتا ہے کہ کہیں چھت نہ گر جائے۔[1]

الغرض جرح و تعدیل ایک ظنی چیز ہے۔ اور محض بعض لوگوں کی تضعیف کی بنا پر امام اعظم کی صحابہ کرام سے روایات کو ساقط الاعتبار قرار دینا زیادتی ہے خصوصاً جبکہ ان سندوں کا کوئی راوی عسقلانی اور سیوطی کی تصریح کے مطابق باطل اور وضاع نہیں ہے۔

صحابہ سے روایات پر قرائن

شبلی نعمانی نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے روایت کے انکار پر کچھ عقلی وجوہات بھی پیش کی ہیں، لکھتے ہیں:۔

"میرے نزدیک اس کی ایک اور وجہ ہے، محدثین میں باہم اختلاف ہے کہ حدیث سیکھنے کے لیے کم از کم کتنی عمر مشروط ہے؟ اس امر میں ارباب کوفہ سب سے زیادہ احتیاط کرتے تھے یعنی بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی درسگاہ میں شامل نہیں ہو سکتا تھا۔ ان کے نزدیک چونکہ حدیثیں بالمعنی روایت کی گئی ہیں اس لیے ضروری ہے کہ طالب علم پوری عمر کو پہنچ چکا ہو ورنہ مطالب کو سمجھنے اور اس کے ادا کرنے میں غلطی کا احتمال ہے، غالباً یہی قید تھی جس نے امام ابوحنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا۔"

اس سلسلہ میں اولاً تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اہل کوفہ کا یہ قاعدہ کہ سماع حدیث کے لیے کم از کم بیس سال عمر درکار ہے، کونسی یقینی روایت سے ثابت ہے؟ امام صاحب کی مرویات صحابہ کے لیے جب یقینی اور صحیح روایت کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اہل کوفہ کے اس قاعدہ کو بغیر کسی یقینی اور صحیح روایت کے کیسے مان لیا گیا، ثانیاً یہ قاعدہ خود خلاف حدیث ہے کیونکہ صحیح بخاری میں امام بخاری نے متی یصح سماع الصغیر۔ کا باب قائم کیا ہے اور اس کے تحت ذکر فرمایا ہے کہ محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال کی عمر میں سنی ہوئی حدیث کو روایت کیا ہے، اس کے علاوہ حسنین

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۷ تا ۴۹

کرمین رضی اللہ عنہا کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت چھ اور سات سال تھی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر حضور کے وصال کے وقت تیرہ سال تھی اور یہ حضرات آپ کے وصال سے کئی سال پہلے کی سنی ہوئی احادیث کی روایت کرتے تھے پس روایتِ حدیث کے لیے بیس سال عمر کی قید لگانا طریقہ صحابہ کے مخالف ہے اور کوفہ کے اربابِ علم وفضل اور دیانت دار حضرات کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے اتنی جلدی صحابہ کی روش کو چھوڑ دیا ہوگا۔

ثالثاً بر تقدیر تسلیم گزارش یہ ہے کہ اہلِ کوفہ نے یہ قاعدہ کب وضع کیا، اس بات کی کہیں وضاحت نہیں ملتی۔ اغلب اور قرین قیاس یہی ہے کہ جب علم حدیث کی تحصیل کا چرچا عام ہوگیا اور کثرت سے درس گاہیں قائم ہوگئیں اور وسیع پیمانے پر آثار وسنن کی اشاعت ہونے لگی، اس وقت اہلِ کوفہ نے اس قید کی ضرورت کو محسوس کیا ہوگا تاکہ ہر کس و ناکس حدیث کی روایت کرنا شروع نہ کردے۔ یہ کسی طرح بھی باور نہیں کیا جاسکتا کہ عہدِ صحابہ میں ہی کوفہ کے اندر باقاعدہ درس گاہیں بن گئیں اور ان میں داخلہ کے لیے قوانین اور عمر کا تعین بھی ہوگیا تھا۔

رابعاً اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ۸۰ھ ہی میں کوفہ کے اندر باقاعدہ درسگاہیں قائم ہوگئی تھیں اور ان کے ضوابط اور قوانین بھی وضع کیے جاچکے تھے تو ان درس گاہوں کے اساتذہ سے سماعِ حدیث کے لیے تو بیس برس کی قید فرض کی جاسکتی ہے مگر یہ حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ وغیرہ ان درس گاہوں میں اساتذہ تو مقرر تھے نہیں کہ ان سے سماعِ حدیث بھی بیس سال کی عمر میں کیا جاتا۔

خامساً بیس برس کی قید اگر ہوتی بھی تو کوفہ کی درس گاہوں کے لیے لیکن اگر کوفہ کا کوئی رہنے والا بصرہ جاکر سماعِ حدیث کرے تو یہ قید اس پر کیسے اثرانداز ہوگی؟ حضرت انس بصرہ میں رہتے تھے اور امام اعظم ان کی زندگی میں بارہا بصرہ گئے اور ان کی آپس میں ملاقات بھی ثابت ہے تو کیوں نہ امام صاحب نے ان سے روایتِ حدیث کی ہوگی؟

سادساً اگر بیس سال عمر کی قید کو بالعموم بھی فرض کر لیا جائے تو بھی یہ کسی طور قرین قیاس

نہیں ہے کہ حضرات صحابہ کرام جن کا وجودِ مسعود نوادرِ روزگار اور مغتنمات عصر میں سے تھا ان سے ازراہ تبرک وتشرف احادیث کے سماع کے لیے بھی کوئی شخص اس انتظار میں بیٹھا رہے گا کہ میری عمر بیس سال کو پہنچ لے تو میں ان سے جا کر ملاقات اور سماع حدیث کروں حضرت انس[1] کے وصال کے وقت امام اعظم کی عمر پندرہ برس تھی اور امام کردری فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زندگی میں امام اعظم بیس سے زائد مرتبہ بصرہ تشریف لے گئے[2] پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ امام اعظم پندرہ برس تک کی عمر میں بصرہ جاتے رہے ہوں اور حضرت انس سے مل کر اور ان سے سماع حدیث کر کے نہ آئے ہوں، راوی اور مروی عنہ میں معاصرت بھی ثابت ہو جائے تو امام مسلم کے نزدیک روایت مقبول ہوتی ہے۔ یہاں معاصرت کی بجائے ملاقات کے بیس سے زیادہ قرائن موجود ہیں پھر بھی قبول کرنے میں تامل کیا جا رہا ہے۔

الحمد للہ العزیز! کہ ہم نے اصولِ روایت و درایت اور قرائن حکیمہ کی روشنی میں اس امر کو آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام سے روایت حدیث کا شرف حاصل تھا اور اس سلسلے میں جتنے اعتراضات کیے جاتے ہیں ان پر سیر حاصل گفتگو کر لی ہے۔ اس کے باوجود بھی ہم نے جو کچھ لکھا وہ ہماری تحقیق ہے ہم اسے منوانے کے لیے ہرگز اصرار نہیں کرتے۔

تنبیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تبرکاً چند احادیث کی روایت کے علاوہ امام اعظم نے اپنے زمانے کے مشاہیر اساتذہ اور افاضل شیوخ سے احادیث کا سماع کیا۔ اور ان سے بکثرت احادیث روایت کی ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے امام اعظم کے شیوخ میں عطاء بن ابی رباح، علقمہ بن مرثد، حماد بن ابی سلیمان، حکم بن عتیبہ سعید بن مسروق، عدی بن ثابت انصاری، ابو سفیان بصری، یحییٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ اور دیگر مشاہیر محدثین کا ذکر کیا ہے۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۴۰۸

[2] مناقب ابی حنیفہ، ج ۱، ص ۹

بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے امام مالک سے بھی سماعِ حدیث کیا ہے اور ان کی شاگردی اختیار کی ہے۔ تعجب ہے کہ شبلی نعمانی بھی اس غلطی کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"امام صاحب کو طلبِ علم میں کسی سے عار نہ تھی۔ امام مالک ان سے عمر میں تیرہ برس کم تھے ان کے حلقۂ درس میں بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں" (سیرۃ النعمان ص ۵۶)

پھر حافظ ذہبی سے نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

"امام مالک کے سامنے ابوحنیفہ اس طرح مؤدب ہو کر بیٹھتے تھے جس طرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے"

حقیقت یہ ہے کہ امام مالک خود امام اعظم کے شاگرد تھے اور ان کی تصانیف سے علمی استفادہ کرتے تھے۔

خطیب بغدادی اور دارقطنی نے صرف دو روایتیں ایسی پیش کی ہیں جن کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ امام اعظم نے امام مالک سے روایت کی ہیں لیکن خاتم الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ روایتیں صحیح سند سے مروی نہیں ہیں اور امام اعظم کی امام مالک کی روایت قطعاً ثابت نہیں ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

لم یثبت روایۃ ابی حنیفۃ عن مالک	امام ابوحنیفہ کی امام مالک سے
وانما اوردھا الدارقطنی ثم	روایت ثابت نہیں ہے دارقطنی
الخطیب روایتین وقعتا لھما	اور خطیب نے اس بات کا دعویٰ
باسناد فیھما مقال۔	دو روایتوں کی وجہ سے کیا ہے جن
(النکت علی ابن الصلاح)	کی اسناد میں خلل ہے۔

اور اس خلل کا بیان حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں کیا ہے کہ ان سندوں میں عمران بن عبدالرحیم نامی ایک شخص ہے اور یہ وضاع تھا چنانچہ لکھتے ہیں:۔

ھو الذی وضع حدیث	یہی وہ شخص ہے جس نے امام ابوحنیفہ

ابی حنیفہ عن مالک ۔ کی امام مالک سے روایت وضع

(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۷۸) کی ہے ۔

دراصل حماد بن ابی حنیفہ جو امام اعظم کے صاحبزادے تھے انہوں نے امام مالک سے روایتِ حدیث کی ہے بعض سندوں سے حماد کا لفظ رہ گیا ہوگا جس سے یہ غلط فہمی ہوئی اور اچھے اچھے لوگ اس میں مبتلا ہو گئے ۔

مرویاتِ امام اعظم کی تعداد

چونکہ بعض اہلِ ہوا یہ کہتے ہیں کہ امام اعظم کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں اس لیے ہم ذرا تفصیل سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امام اعظم کے پاس احادیث کا وافر ذخیرہ تھا۔ حضرت ملا علی قاری امام محمد بن سماعہ کے حوالے سے لکھتے ہیں :۔

ان الامام ذکر فی تصانیفہ بضعا و سبعین الف حدیث و انتخب الاثار من اربعین الف حدیث۔ (مناقب علی القاری بذیل الجواہر ج ۲ ص ۴۷۴)	امام ابوحنیفہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے ۔

اور صدر الائمہ امام موفق بن احمد تحریر فرماتے ہیں :۔

و انتخب ابوحنیفۃ الاثار من اربعین الف حدیث ۔ (مناقب موفق ج ۱ ص ۹۵)	امام ابوحنیفہ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار حدیثوں سے کیا ہے ۔

ان حوالوں سے امام اعظم کا جو علم حدیث میں تبحر ظاہر ہو رہا ہے وہ محتاج بیاں نہیں ہے ۔

روایتِ حدیث میں امام اعظم کا مقام

ممکن ہے کوئی شخص کہہ دے کہ ستر ہزار احادیث کو بیان کرنا اور کتاب الآثار کا چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کرنا چنداں کمال کی بات نہیں ہے، امام بخاری

کو ایک لاکھ احادیث صحیحہ اور دو لاکھ احادیث غیر صحیحہ یاد تھیں اور انہوں نے صحیح بخاری کا انتخاب چھ لاکھ حدیثوں سے کیا تھا پس فن حدیث میں امام بخاری کے مقابلہ میں امام اعظم کا مقام بہت کم معلوم ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں گزارش ہے کہ احادیث کی کثرت اور قلت درحقیقت طرق اور اسانید کی قلت اور کثرت سے عبارت ہے۔ ایک ہی متن حدیث اگر سو مختلف طرق اور سندوں سے روایت کیا ہے تو محدثین کی اصلاح میں ان کو سو احادیث قرار دیا جائے گا۔ حالانکہ ان تمام حدیثوں کا متن واحد ہو گا منکرین حدیث انکار حدیث کے سلسلے میں یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ تمام کتب حدیث کی روایات کو اگر جمع کیا جائے تو یہ تعداد کروڑوں کے لگ بھگ ہوگی اور حضور کی پوری رسالت کی زندگی کے شب و روز پر ان کو تقسیم کیا جائے تو یہ احادیث حضور کی حیات مبارکہ سے بڑھ جائیں گی پس اس صورت میں احادیث کی صحت کیونکر قابل تسلیم ہوگی لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ روایات کی یہ کثرت دراصل اسانید کی کثرت ہے ورنہ نفس احادیث کی تعداد چار ہزار چار سو سے زیادہ نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ امیر یمانی لکھتے ہیں :-

ان جملۃ الاحادیث المسندۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی الصحیحۃ بلا تکرار اربعۃ آلاف واربع مائۃ۔ (توضیح الافکار ص ۶۳)	بلاشبہ وہ تمام مسند احادیث صحیحہ جو بلا تکرار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں ان کی تعداد چار ہزار چار سو ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت ۸۰ھ ہے اور امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ان کے درمیان ایک سو چودہ سال کا طویل عرصہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں بکثرت احادیث شائع ہو چکی تھیں اور ایک ایک حدیث کو سینکڑوں بلکہ ہزاروں اشخاص نے روایت کرنا شروع کر دیا تھا۔ امام اعظم کے زمانہ میں راویوں کا اتنا شیوع اور عموم تھا نہیں اس لیے امام اعظم اور امام بخاری کے درمیان جو روایات کی تعداد کا فرق ہے وہ دراصل اسانید کی تعداد کا فرق ہے، نفس روایات کا نہیں ہے ورنہ اگر نفس احادیث

کا لحاظ کیا جائے تو امام اعظم کی مرویات امام بخاری سے زیادہ ہیں۔

اس زمانہ میں احادیث نبویہ جس قدر اسناد کے ساتھ مل سکتی تھیں امام اعظم نے ان تمام طرق واسناد کے ساتھ ان احادیث کو حاصل کر لیا تھا اور حدیث واثر کسی صحیح سند کے ساتھ موجود نہ تھے مگر امام اعظم کا علم انہیں شامل تھا، وہ اپنے زمانہ کے تمام محدثین پر ادراکِ حدیث میں فائق اور غالب تھے چنانچہ امام اعظم کے معاصر اور مشہور محدث امام مسعر بن کدام فرماتے ہیں :-

طلبت مع ابی حنیفة الحدیث	میں نے امام ابو حنیفہ کے ساتھ
فغلبنا واخذ نا فی الزهد	حدیث کی تحصیل کی لیکن وہ ہم
فبرع علینا وطلبنا	سب پر غالب رہے اور زہد
معه الفقه فجاء منه	میں مشغول ہوئے تو وہ اس میں
ماترون۔	سب سے بڑھ گئے اور فقہ میں
(مناقب ابی حنیفہ للذہبی ص ۲۷)	ان کا مقام تو تم جانتے ہی ہو۔

نیز محدث بشر بن موسیٰ اپنے استاد امام عبد الرحمٰن مقری سے روایت کرتے ہیں

وکان اذا حدث عن ابی	امام مقری جب امام ابو حنیفہ
حنیفة قال حدثنا شاهنشاه۔	سے روایت کرتے تو کہتے کہ ہم سے
(تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۳۴۵)	شہنشاہ نے حدیث بیان کی۔

ان حوالوں سے ظاہر ہو گیا کہ امام اعظم اپنے معاصرین محدثین کے درمیان فنِ حدیث میں تمام پر فائق اور غالب تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ان کی نگاہ سے اوجھل نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کے تلامذہ انہیں حدیث میں حاکم اور شہنشاہ تسلیم کرتے تھے۔ اصطلاحِ حدیث میں حاکم اس شخص کو کہتے ہیں جو حضور کی تمام مرویات پر متناً وسنداً دسترس رکھتا ہو، مراتبِ محدثین میں یہ سب سے اونچا مرتبہ ہے اور امام اعظم اس منصب پر یقیناً فائز تھے کیونکہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے بھی ناواقف ہو وہ حیاتِ انسانی کے تمام شعبوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

لائی ہوئی ہدایات کے مطابق جامع دستور نہیں بنا سکتا۔

امام اعظم کے محدثانہ مقام پر ایک شبہ کا ازالہ

گزشتہ سطور میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا تکرار احادیث مرویہ کی تعداد چار ہزار چار سو ہے اور امام حسن بن زیاد کے بیان کے مطابق امام اعظم نے جو احادیث بلا تکرار بیان فرمائی ہیں ان کی تعداد چار ہزار ہے، پس امام اعظم کے بارے میں حاکمیت اور حدیث میں ہمہ دانی کا دعویٰ کیسے صحیح ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چار ہزار احادیث کے بیان کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ باقی چار سو حدیثوں کا امام اعظم کو علم بھی نہ ہو کیونکہ حسن بن زیاد کی حکایت میں بیان کی نفی ہے علم کی نہیں؛

خیال رہے کہ امام اعظم نے فقہی تصنیفات میں ان احادیث کا بیان کیا ہے جن سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں اور جن کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لیے عمل کا ایک راستہ متعین فرمایا ہے جنہیں عرف عام میں سنن سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن حدیث کا مفہوم سنت سے عام ہے کیونکہ احادیث کے مفہوم میں روایات بھی شامل ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارکہ آپ کی قلبی واردات، خصوصیات، گذشتہ امتوں کے قصص اور مستقبل کی پیشن گوئیاں موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی احادیث سنت کے قبیل سے نہیں ہیں اور نہ ہی یہ احکام و مسائل کے لیے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

پس امام اعظم نے جن چار ہزار احادیث کو مسائل کے تحت بیان فرمایا ہے وہ از قبیل سنن ہیں اور جن چار سو احادیث کو امام اعظم نے بیان نہیں فرمایا وہ ان روایات پر محمول ہیں جو احکام سے متعلق نہیں ہیں لیکن یہاں بیان کی نفی ہے علم کی نہیں،

فن حدیث میں امام اعظم کا فیضان

امام اعظم علم حدیث میں جس عظیم مہارت کے حامل اور جلیل القدر مرتبہ پر فائز تھے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ تشنگان علم حدیث کا انبوہ کثیر آپ کے حلقۂ درس میں سماع حدیث

ا؎ مناقب موفق ج۱ ص ۹۶

کے لیے حاضر ہوتا، علامہ ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیا ہے کہ امام اعظم سے حدیث کا سماع کرنے والے مشہور حضرات میں حماد بن نعمان، ابراہیم بن طہمان، حمزہ بن حبیب، زفر بن ہذیل، قاضی ابو یوسف، عیسیٰ بن یونس، وکیع، یزید بن زریع، اسد بن عمرو، خارجہ بن مصعب، محمد بن بشیر، عبد الرزاق، محمد بن حسن شیبانی، مصعب بن مقدام، ابو عبد الرحمن مقری، ابو نعیم، ابو عاصم اور دیگر یگانہ روزگار افراد شامل تھے۔

حافظ ابن عبد البر امام وکیع کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

وکان یحفظ حدیثہ کلہ وکان قد سمع من ابی حنیفۃ حدیثا کثیرا۔	وکیع بن جراح کو امام اعظم کی سب حدیثیں یاد تھیں اور انہوں نے امام اعظم سے احادیث کا بہت زیادہ سماع کیا تھا۔

امام مکی بن ابراہیم، امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد اور امام بخاری کے استاذ تھے۔ اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات صرف امام مکی بن ابراہیم کی سند سے روایت کی ہیں۔ امام صدر الائمہ موفق بن احمد مکی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولزم ابا حنیفۃ رحمۃ اللہ وسمع منہ الحدیث۔ (مناقب موفق، ج ۱، ص ۲۰۳)	انہوں نے اپنے اوپر سماع حدیث کے لیے ابو حنیفہ کے درس کو لازم کرلیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کو اپنی صحیح میں عالی اسند کے ساتھ ثلاثیات درج کرنے کا جو شرف حاصل ہوا ہے وہ در اصل امام اعظم کے تلامذہ کا صدقہ ہے اور یہ صرف ایک مکی بن ابراہیم کی بات نہیں ہے۔ امام بخاری کی اسانید میں اکثر شیوخ حنفی ہیں ان حوالوں سے یہ امر آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا کہ امام اعظم علم حدیث میں مرجع خلائق تھے، آئمہ فن نے آپ سے حدیث کا سماع کیا اور جن شیوخ کے وجود سے صحاح ستہ

ؔ تہذیب التہذیب، ج ۱۰ ص ۴۴۹

کی عمارت قائم ہے ان میں سے اکثر حضرات آپ کے علم حدیث میں بالواسطہ یا بلا واسطہ شاگرد ہیں۔

حدیث میں امام اعظم کی تصانیف

متقدمین میں تصنیف و تالیف کے لیے آج کل کا مروجہ طریقہ معمول نہیں تھا بلکہ ان کی تصانیف املاء کی تصانیف کی صورت میں ہوتی تھیں جن کو ان کے لائق اور قابل فخر تلامذہ شیوخ کی تعلیم و تدریس کے وقت تحریر میں لے آتے تھے اور پھر وہ تصانیف ان شیوخ کی طرف ہی منسوب کی جاتی تھیں چنانچہ احکام الاحکام جو ابنِ دقیق العید کی تصنیف قرار دی جاتی ہے، اصل میں ان کی تصنیف نہیں ہے بلکہ انہوں نے اس کو اپنے تلمیذ رشید قاضی اسمٰعیل سے املاء کرایا ہے، اسی طرح امام اعظم درس حدیث کے وقت جو احادیث بیان کرتے ان کے لائق اور قابل صد افتخار تلامذہ قاضی ابو یوسف، محمد بن حسن شیبانی، زفر بن ہذیل اور حسن بن زیادہ ان روایات کو حدثنا اور اخبرنا کے صیغوں کے ساتھ قید تحریر میں لے آتے تھے۔

امام اعظم نے اپنی بیان کردہ احادیث کو املاء کرانے کے بعد اس مجموعہ کا نام کتاب الآثار رکھا۔ امام اعظم کے تلامذہ چونکہ کثیر التعداد تھے اس لیے کتاب الآثار کے نسخے بھی بہت زیادہ ہوئے لیکن مشہور نسخے چار ہیں ۔ (۱) کتاب الآثار بروایت امام ابو یوسف، (۲) کتاب الآثار بروایت امام محمد (۳) کتاب الآثار بروایت امام زفر (۴) کتاب الآثار بروایت حسن بن زیاد، لیکن ان تمام نسخوں میں سے زیادہ مقبولیت اور شہرت امام محمد کے نسخہ کو حاصل ہوئی ہے۔

تاریخ کے معتمد اساتذہ، محققین اہل نظر اور علماء ربانیین، امام اعظم کی تصنیف حدیث کو سب ہی مانتے ہیں لیکن شبلی صاحب امام اعظم کی تصنیف کا صاف انکار کرتے ہوئے لکھتا ہے ؛۔

• جو لوگ امام صاحب کے سلسلۂ کمالات میں تصنیف و تالیف کا جزو بھی مزید سمجھتے ہیں وہ انہی مفصلہ بالا کتابوں (جن میں کتاب الآثار بھی

ہے، کو شہادت میں پیش کرتے ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے۔" (سیرۃ النعمان ص ۱۲۲)

عقائد، حدیث اور فقہ، ان تمام موضوعات پر امام اعظم کی تصانیف موجود ہیں۔ سردست ان تمام موضوعات سے بحث ہمارے عنوان سے خارج ہے اس لیے ہم صرف حدیث کے موضوع پر امام اعظم کی شہرہ آفاق تصنیف "کتاب الآثار" کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

شبلی صاحب نے اس بارے میں صرف اتنا کہہ دیا ہے کہ اس کا انتساب امام اعظم کی طرف کرنا مشکل ہے لیکن اس انکار یا اشکال پر نہ تو انہوں نے کوئی تاریخی شہادت پیش کی ہے اور نہ ہی کوئی عقلی دلیل وارد کی ہے لہٰذا ہمارے لیے صرف یہی چارہ کار رہ گیا ہے کہ ہم "کتاب الآثار" کے ثبوت پر تاریخی شہادتیں جمع کر دیں۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:۔

روی الآثار عن نبل ثقات　　غزار العلم مشیختہ حنیفہ

(ترجمہ) امام اعظم نے "الآثار" کو ثقہ اور معزز لوگوں سے روایت کیا ہے جو وسیع العلم اور عمدہ مشائخ تھے۔　　(مناقب موفق، ج ۲، ص ۱۹۱)

اور علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

والموجود من حدیث ابی حنیفۃ مفردا انما ھو کتاب الآثار التی رواہ محمد بن الحسن۔ (تعجیل المنفعۃ برجال الائمۃ الاربعۃ ص ۲)	اور اس وقت امام اعظم کی احادیث میں سے "کتاب الآثار" موجود ہے جسے محمد بن حسن نے روایت کیا ہے

اور امام عبدالقادر حنفی امام یوسف بن قاضی ابو یوسف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

روی کتاب الآثار عن ابی حنیفۃ وھو مجلد ضخم۔	امام یوسف نے (اپنے والد ابو یوسف کے واسطے سے) امام ابو حنیفہ سے کتاب الآثار کو روایت

الجواہر المضیئۃ، ج ۲، ص ۳۲۵) کیا ہے جو کہ ایک ضخیم جلد ہے۔

مسانید امام اعظم

کتاب الآثار میں امام اعظم نے اپنے جن شیوخ سے احادیث کو روایت کیا ہے بعد میں لوگوں نے ہر ہر شیخ کی مرویات کو علیحدہ کر کے مسانید کو ترتیب دیا۔ اسی طرح امام اعظم کے ہر شیخ کی مرویات الگ الگ کتاب کی صورت میں جمع ہو گئیں اور بعد میں وہ مسند ابی حنیفہ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔

قاضی ابو یوسف، امام محمد، ابوبکر احمد بن محمد، حافظ عمر بن حسن، حافظ ابونعیم اصبہانی، حافظ ابوالحسن، حافظ ابو محمد عبداللہ اور امام ابوالقاسم وغیرہ ہم حضرات نے امام اعظم کی مسانید کو ترتیب دیا ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی مسانید امام اعظم کو ان الفاظ سے خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

وقد من اللہ علی بمطالعۃ مسانید	اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان کیا
الامام ابی حنیفۃ الثلاثۃ	کہ میں نے امام اعظم کی مسانید ثلاثہ
فرأیتہ لا یروی حدیثا الا عن	کا مطالعہ کیا، پس میں نے دیکھا
اخیار التابعین العدول	کہ امام اعظم ثقہ اور صادق تابعین کے
الثقات الذین ھم من خیر	سوا کسی سے روایت نہیں کرتے
القرون بشہادۃ رسول اللہ صلی اللہ	جن کے حق میں حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کالاسود وعلقمۃ	علیہ وسلم نے خیر القرون ہونے
وعطاء وعکرمۃ ومجاھد و	کی شہادت دی جیسے اسود،
مکحول والحسن البصری	علقمہ، عطاء، عکرمہ، مجاہد
واضرابھم رضی اللہ عنھم اجمعین	مکحول اور حسن بصری وغیرہم،
فکل الرواۃ الذین ھم	پس امام اعظم اور حضور صلی اللہ
بینہ وبین رسول اللہ صلی	علیہ وسلم کے درمیان تمام راوی
اللہ علیہ وسلم عدول ثقات	عدول، ثقہ اور مشہور اخیار
اعلام اخیار لیس فیھم	میں سے ہیں جن کی طرف کذب

کذاب ولا متھم بکذب۔ کی نسبت بھی نہیں کی جا سکتی اور نہ وہ کذاب ہے۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۶۸)

ثبوت حدیث کیلئے امام اعظم کی شرائط

روایت حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بہت زیادہ محتاط تھے، یہی وجہ ہے کہ ان حضرات سے بہت کم حدیثیں روایت کی گئی ہیں اور قبول حدیث کے معاملہ میں بھی یہ حضرات بہت سخت تھے۔ جب تک کسی حدیث پر اچھی طرح اطمینان نہ ہو جاتا اس وقت تک یہ لوگ کسی حدیث کو قبول نہیں کرتے تھے۔ امام اعظم بھی اسی مکتب فکر سے متاثر اور اسی کے پیروکار تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نے دوسرے محدثین کی طرح بے تحاشا روایت نہیں کی۔

امام اعظم نے احادیث کو قبول کرنے کے لیے بڑی کڑی شرطیں عائد کی ہیں اور اس سلسلہ میں جو اصول اور قواعد مقرر فرمائے ہیں وہ آپ کی دوررس نگاہ اور تفقہ پر مبنی ہیں۔ یہ شروط اور قواعد باقاعدہ منضبط نہیں ہیں، علمائے احناف نے ان میں سے اکثر کو آپ کے بیان کردہ مسائل سے مستنبط کیا ہے۔ ہمیں مختلف کتابوں کے تتبع سے جس قدر قواعد حاصل ہو سکے انہیں پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ امام اعظم ضبط کتاب کی بجائے ضبط صدر کے قائل تھے اور صرف اسی راوی سے حدیث لیتے تھے جو اس روایت کا حافظ ہو۔ (مقدمہ ابن صلاح)

۲۔ صحابہ اور فقہاء تابعین کے علاوہ اور کسی شخص کی روایت بالمعنی کو قبول نہیں کرتے تھے۔ (شرح مسند امام اعظم از ملا علی قاری)

۳۔ امام اعظم اس بات کو ضروری قرار دیتے تھے کہ صحابہ کرام سے روایت کرنے والے ایک یا دو شخص نہ ہوں بلکہ اتقیاء کی ایک جماعت نے صحابہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہو۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ)

۴۔ معمولات زندگی سے متعلق عام احکام میں امام ابوحنیفہ یہ ضروری قرار دیتے تھے کہ ان احکام کو ایک سے زیادہ صحابہ نے روایت کیا ہو۔ (الخیرات الحسان)

۵ ۔ جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو (یعنی اس سے اسلام کے کسی مسلّم اصول کی مخالفت لازم آتی ہو وہ امام اعظم کے نزدیک مقبول نہیں ہے۔ (مقدمہ تاریخ ابن خلدون)

۶ ۔ جو حدیث خبر واحد ہو اور وہ قرآن کریم پر زیادتی یا اس کے عموم کو خاص کرتی ہو امام صاحب کے نزدیک وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (الخیرات الحسان)

۷ ۔ جو خبر واحد صریح قرآن کے مخالف ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح)

۸ ۔ جو خبر واحد سنت مشہورہ کے خلاف ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (احکام القرآن)

۹ ۔ اگر راوی کا اپنا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو وہ روایت مقبول نہیں ہوگی ۔ کیونکہ یہ مخالفت یا تو راوی میں طعن کا موجب ہوگی یا نسخ کے سبب سے ہوگی ۔ (نبراس)

۱۰ ۔ جب ایک مسئلہ میں مبیح اور محرم دو روایتیں ہوں تو امام اعظم محرم کے مقابلہ میں مبیح کو قبول نہیں کرتے ۔ (عمدۃ القاری)

۱۱ ۔ ایک ہی واقعہ کے بارے میں اگر ایک راوی کسی امر زائد کی نفی کرے اور دوسرا اثبات اگر نفی دلیل پر مبنی نہ ہو تو نفی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ نفی کرنے والا واقعہ کو اصل حال پر محمول کرکے اپنے قیاس سے نفی کر رہا ہے اور اثبات کرنے والا اپنے مشاہدہ سے امر زائد کی خبر دے رہا ہے ۔ (حسامی)

۱۲ ۔ اگر ایک حدیث میں کوئی حکم عام ہو اور دوسری حدیث میں چند خاص چیزوں پر اس کے برخلاف حکم ہو تو امام اعظم حکم عام کے مقابلہ میں خاص کو قبول نہیں کرتے (عمدۃ القاری)

۱۳ ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح قول یا فعل کے خلاف اگر کسی ایک صحابی کا قول و فعل ہو تو وہ مقبول نہیں ہے ، صحابی کے خلاف کو اس پر محمول کیا جائے گا ، کہ اسے یہ حدیث نہیں پہنچی ؛ (عمدۃ القاری)

۱۴ ۔ خبر واحد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول یا فعل ثابت ہو اور صحابہ کی ایک جماعت نے اس سے اختلاف کیا ہو تو آثار صحابہ پر عمل کیا جائے گا ۔ کیونکہ اس صورت میں یا تو وہ حدیث صحیح نہیں ہے اور یا وہ منسوخ ہو چکی ورنہ حضور کے صحیح اور صریح فرمان کے ہوتے ہوئے صحابہ کرام کی جماعت اس کی کبھی مخالفت نہ کرتی ۔ (الخیرات الحسان)

۱۵۔ ایک واقعہ کے مشاہدہ کے بارے میں متعارض روایات ہوں تو اس شخص کی روایت کو قبول کیا جائے گا۔ جو ان میں زیادہ قریب سے مشاہدہ کرنے والا ہو۔ (فتح القدیر)

۱۶۔ اگر دو متعارض حدیثیں ایسی سندوں کے ساتھ مروی ہوں کہ ایک میں قلت وسائط سے ترجیح ہو اور دوسری میں کثرت تفقہ تو کثرت تفقہ کو قلت وسائط پر ترجیح دی جائے گی۔ (عنایہ)

۱۷۔ کوئی حدیث حد یا کفارے کے بیان میں وارد ہو اور وہ صرف ایک صحابی سے مروی ہو تو قبول نہیں ہوگی کیونکہ حدود اور کفارات شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں (الخیرات الحسان)

۱۸۔ جس حدیث میں بعض اسلاف پر طعن کیا گیا ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے (الخیرات الحسان)

امام اعظم کے بیان کیے ہوئے بے شمار مسائل میں سے یہ چند اصول و قواعد کا استخراج ہے ورنہ روایات کے قبول و رد میں امام اعظم کی تمام شروط کا احصار کرنا بے حد مشکل ہے بہرحال ان قواعد سے امام اعظم کی جس عمیق نظر، اصابت فکر، اور گہری احتیاط کا پتہ چلتا ہے وہ اہل فہم پر مخفی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعد میں آنے والے محدثین نے امام اعظم کی شروط کی روشنی میں روایات کو پرکھا ہے اور اگر تعصب کو چھوڑ کر تمام محدثین امام اعظم کی قائم کردہ شروط پر متفق ہو جاتے تو آج ہمارا ذخیرۂ احادیث مطعون اور موضوع روایات سے اصلاً بے غبار ہوتا۔

مخالفت حدیث کا اعتراض اور اس کے جوابات

بعض انتہا پسند حضرات امام اعظم رضی اللہ عنہ پر بالکلیہ احادیث کی مخالفت کا الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ حدیث کے علی الرغم اپنی رائے اور قیاس پر عمل کرتے تھے۔ ایسے ہی لوگ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام اہل الرائے کہتے ہیں۔ یہ بات تو انشاء اللہ کسی اور موقع پر بتائیں گے کہ اپنی رائے اور قیاس کے مقابلہ میں حدیث کو کون ترک کرتا ہے، سردست یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ حدیث ضعیف کے مقابلہ میں بھی صریح قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں۔

چنانچہ اعلام الموقعین میں ابن قیم، ابن حزم ظاہری کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ تمام احناف اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث ضعیف کے مقابلہ میں قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا اور الخیرات الحسان میں ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ اسی وجہ سے امام اعظم مراسیل کو قیاس پر مقدم کرتے ہیں۔

عام مخالفین یہ سمجھتے ہیں کہ امام اعظم نے بعض حدیثوں کی مخالفت کی ہے اور صریح حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل کیا ہے ایسی تمام احادیث پر گفتگو تو اس مختصر مقالہ میں بے حد مشکل ہے ہم چند ان احادیث کو بحث میں لا رہے ہیں جن پر مخالفین زیادہ زور دیتے ہیں:

حدیث بیع مصراۃ عرب میں رواج تھا کہ اونٹنیوں کا دودھ کئی دن تک نہ دوہا کرتے تاکہ اس کے تھنوں میں دودھ جمع ہوتا رہے اور بوقت فروخت زیادہ دودھ نکل سکے، ایسے جانور کو وہ لوگ 'مصراۃ' کہتے تھے، خریدار زیادہ دودھ دیکھ کر اس جانور کو بڑی سے بڑی قیمت پر خرید کر لے جاتا لیکن بعد میں اسے اس سے اتنا دودھ حاصل نہ ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے منع فرما دیا چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔[1]

"بکریوں اور اونٹنیوں کے تھنوں میں دودھ جمع نہ کرو جس شخص نے ایسی بکری یا اونٹنی کو خریدا تو وہ دودھ دوہنے کے بعد مختار ہے یا اسے اسی قیمت پر رکھ لے یا اس کو واپس کر دے اور استعمال شدہ دودھ کے عوض ایک صاع[2] کھجوریں بھی دے:"

امام اعظم فرماتے ہیں کہ اس صورت میں خریدار اس جانور کو واپس نہیں کر سکتا البتہ دودھ کے سلسلہ میں اس سے جو دھوکا کیا گیا ہے اس وجہ سے اس جانور کی قیمت بازار کے نرخ کے مطابق کم کی جائے گی اور باقی رقم وہ فروخت کنندہ سے واپس لے گا۔

امام اعظم کے اس حدیث پر عمل نہ کرنے کے متعدد وجوہ ہیں۔ اولاً وجہ یہ ہے کہ

---

[1] صحیح بخاری، ج ۱، ص ۲۸۸

[2] ساڑھے چار سیر

یہ حدیث خبر واحد ہے اور صریح قرآن کے مخالف ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے، فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ کسی شے کے بدلہ میں تجاوز کرنا ناجائز ہے اور صورت مذکورہ میں اگر ایک صاع کھجوریں مستقل دودھ سے زیادہ ہوں تو فروخت کنندہ کی طرف سے تجاوز ہے اور اگر کم ہوں تو خریدار کی طرف سے؛

ثانیاً یہ حدیث سنت مشہورہ کے خلاف ہے۔ ترمذی میں ہے، الخراج بالضمان جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تاوان بقدر ذمہ لیا جائے گا اور اس شکل میں جو تاوان لیا جا رہا ہے وہ بقدر ذمہ نہیں بلکہ اصل ذمہ سے کم یا زیادہ ہے۔ ثالثاً ابن التین نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے، بعض روایات میں ایک صاع کھجوروں کا ذکر ہے، بعض میں ایک صاع طعام کا، بعض میں دودھ کی مثل دودھ کا اور بعض میں دودھ کے بدلے میں دگنے دودھ کا ذکر ہے۔ رابعاً عیسیٰ بن ابان نے کہا ہے کہ دودھ کے بدلہ میں کھجوریں بمنزلہ بدل قرض ہیں۔ ابتداء اسلام میں بدل قرض میں زیادتی جائز تھی بعد میں جب قرآن نے اباحت سود کو منسوخ کر دیا تو اس حدیث کا حکم بھی منسوخ ہو گیا۔

بہرحال بیع مصراۃ کے سلسلہ میں امام اعظم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ قرآن کریم اور احادیث مشہورہ کے مطابق ہے اور حضرت ابوہریرہ کی روایت یا منسوخ ہے اور یا مضطرب اور ہونے کی وجہ سے متروک ہے۔

تازہ کھجوروں کی بیع چھواروں کے عوض

امام اعظم کھجوروں اور چھواروں کو ایک دوسرے کے عوض فروخت کرنا جائز قرار دیتے تھے لیکن حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اہل بغداد امام اعظم سے اس حدیث کی مخالفت کے سبب شاکی تھے۔ جب آپ بغداد گئے تو ان لوگوں نے اس سلسلہ میں آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا بتاؤ تازہ کھجوریں چھوارہ ہیں

؎ فتح القدیر، ج ۵، ص ۲۹۲

کی جنس سے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ چھوہاروں کی جنس سے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی حدیث مشہور التمر بالتمر (چھوہاروں کی بیع چھوہاروں کے عوض جائز ہے) کے
تحت اسے جائز ہونا چاہیئے۔ اور اگر وہ چھوہاروں کی جنس سے نہیں ہیں تو حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے فرمان اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم (جب جنس بدل
جائے تو جس طرح چاہو فروخت کرو) کے تحت اس بیع کو جائز ہونا چاہیئے۔ اہل بغداد
نے عاجز آکر وہ حدیث پیش کی جس میں تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض فروخت
کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ امام اعظم نے فرمایا یہ حدیث زید بن
عیاش پر موقوف ہے اور اس کی روایت نامقبول ہے۔

چار سے زیادہ ازواج کا مسئلہ

اگر کسی کی چار سے زیادہ بیویاں ہوں تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا پہلی
چار بیویوں سے نکاح صحیح ہے اور ان کے بعد جن عورتوں سے نکاح کیا ہے وہ باطل ہے
لیکن امام ترمذی کی روایت ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی جب مسلمان ہوئے تو ان کی دس
بیویاں تھیں اور وہ سب ان کے ساتھ مسلمان ہوگئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
سے فرمایا کہ ان میں سے جن چار کو چاہو اختیار کرلو، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ امام صاحب
کا مسلک حدیث کے خلاف ہے۔

امام صاحب کی اس حدیث کو قبول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ روایت قرآن
کریم کے خلاف ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ فانکحوا ما طاب لکم من النساء
مثنٰی وثلاث ورباع، پس از روئے قرآن پہلی چار عورتوں سے نکاح جائز ہوا
اور بعد کی عورتوں سے ناجائز، لہذا کوئی شخص پانچویں یا چھٹے درجہ کی بیوی کو اپنے پاس
نہیں رکھ سکتا، اور حدیث شریف اس آیت کے نزول سے پہلے کے زمانہ پر محمول ہے
اور یا اس شخص کی خصوصیت تھی اور یا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شرعی اختیار
سے غیلان بن سلمہ کو اس عام حکم سے مستثنٰی کر دیا تھا۔

امام اعظم پر جن احادیث کی مخالفت کا حکم لگایا جاتا ہے ان سب کی یہی حقیقت

ہے کیونکہ جن احادیث پر امام اعظم عمل نہیں کرتے وہ یا تو کسی فنی عیب کی بنا پر نامقبول ہوتی ہیں یا منسوخ ہوتی ہیں اور یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر مبنی ہوتی ہیں۔

روایات میں تطبیق

فن حدیث میں امام اعظم کے کمالات میں سے ایک عظیم کمال یہ ہے کہ آپ مختلف اور متعارض روایات میں بکثرت تطبیق دیتے تھے اور مختلف اور متناقض روایتوں کا محل اس طرح الگ الگ بیان کر دیتے تھے کہ منشاء رسالت نکھر کر سامنے آجاتا تھا؛

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے کون ایمان لایا تھا اس بارے میں روایات مختلف ہیں، اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر، حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والا ان میں سے ایک ہی ہو سکتا ہے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ وہ سب سے پہلے شخص ہیں[1] جنہوں نے ان متعارض حدیثوں کو جمع کیا اور فرمایا، مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر تھے، عورتوں میں سے حضرت خدیجہ اور بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی تھے، رضی اللہ عنہم

سفر میں روزہ کے بارے میں بھی احادیث مختلف ہیں بعض میں مسافر کے لیے روزہ کو نیکی قرار دیا ہے اور بعض میں نیکی کے منافی اور بعض میں روزہ رکھنے نہ رکھنے کا اختیار دیا ہے۔ امام اعظم نے ان تمام روایات میں تطبیق دی ہے اور فرمایا اگر سفر آرام دہ ہو تو روزہ رکھنا یقیناً بہتر ہے اور اگر سفر میں مشقت ہو تو روزہ نہ رکھنا بہتر ہے اور اگر سفر معتدل ہو تو مسافر کو اختیار ہے، روزہ رکھے یا نہ رکھے؛

روایات کے درجات

امام اعظم ابو حنیفہ وہ واحد اور منفرد شخص ہیں جنہوں نے قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں فرق مراتب کو ملحوظ رکھا، چنانچہ قرآن اور حدیث میں تعارض ہو تو حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں اور باہم روایات میں بھی متواتر، مشہور اور فرد کے فرق کو قائم رکھتے ہیں پس تعارض کے وقت

---

[1] حواشی صواعق محرقہ، ص ۶،

پہلے متواتر پھر مشہور اور پھر اس کے بعد فرد کو درجہ دیتے ہیں اور حدیث فرد اگرچہ ضعیف بھی ہو پھر بھی اس کو قیاس پر مقدم رکھتے ہیں۔

حرف آخر

امام اعظم نے حدیث کے تمام انواع و اقسام پر اجتہادی نوعیت سے کام کیا ہے بصیرت افروز راہنما اصول قائم کیے ہیں اور محض روایتی انداز سے سماع حدیث کرنے والوں کو عقل و آگہی کی روشنی دی ہے، ان کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر نہ جانے کتنے افراد دنیائے علم و فضل میں امر ہو گئے۔ ان کے تلامذہ کی عظمت کا بھی یہ عالم تھا کہ انہوں نے ذروں کو اٹھایا تو رشک ماہتاب بنا دیا، یہ حنفی سلسلہ کی کڑیاں تھیں جو احادیث رسول سے قرناً فقرناً ائمہ و مشائخ کے سینوں کو منور کرتی چلی گئیں۔ سلام ہو اس امام پر جس نے جھلملاتے چراغوں کو سورج کی توانائیاں بخشیں، آفرین ہو اس کی فکر صائب پر جس نے اسلامی علوم کو رعنائیاں دیں، آج دینی علوم کے تمام شعبوں میں انہیں کے فیض کے دھارے بہہ رہے ہیں، جب تک علم کا یہ سلسلہ چلتا رہے گا جب تک درس گاہوں میں فقہ و حدیث کا چرچا رہے گا زمانہ ابو حنیفہ کو سلام کرتا رہے گا۔

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ)

امام مالک

حضرت امام مالک وہ سب سے پہلے شخص ہیں جو دنیائے علم میں بیک وقت حدیث اور فقہ کے امام کہلائے ایک طرف مغرب اور مشرق میں ان کے مقلدین کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے تو دوسری طرف امہات کتب حدیث میں سے اکثر ایسی ہیں جن کی کچھ نہ کچھ احادیث کا سلسلۂ سند امام مالک تک پہنچتا ہے۔ فن حدیث میں سب سے پہلے انہوں نے باقاعدہ ایک کتاب لکھی اور اس کے بعد تصنیفات کتب حدیث کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

امام مالک کی شخصیت عشق رسالت سے معمور تھی۔ مدینہ کے ذرہ ذرہ سے انہیں پیار تھا۔ اس مقدس شہر کی سرزمین میں وہ کبھی کسی سواری پر نہیں بیٹھے۔ اس خیال سے کہ ممکن ہے کبھی اس جگہ حضور پیادہ چلے ہوں۔ پھر جس جگہ آقا پیدل چلے ہوں اس جگہ غلام سوار ہو کر چلے، یہ نہ اندازِ محبت ہے نہ طور غلامی؛

درس حدیث کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ غسل کر کے عمدہ اور صاف لباس زیب تن کرتے، پھر خوشبو لگا کر مسند درس پر بیٹھ جاتے اسی طرح بیٹھے رہتے۔ کبھی دوران درس پہلو نہیں بدلتے تھے۔ ایک دفعہ دوران درس بچھو انہیں پیہم ڈنگ لگاتا رہا۔ مگر اس پیکر عشق و محبت کے جسم میں کوئی اضطراب نہیں آیا اور وہ اسی انہماک اور استغراق کے ساتھ اپنے محبوب کی دلکش روایات اور دلنشیں احادیث بیان کرتے رہے۔

ولادت اور نام و نسب

امام مالک کا پورا نام اسطرح ہے امام دار الہجرت امام مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن غثمہ[1]

---

[1] امام ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۸۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۷

الاصبحی امام مالک کے پردادا ابوعامر بن عمرو جلیل القدر صحابی تھے۔ غزوہ بدر کے سوا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے[1] امام مالک کے جد اعلیٰ عمرو بن حارث ذواصبح کے ساتھ مشہور تھے۔ اس وجہ سے آپ کو اصبحی کہا جاتا ہے۔[2]

امام مالک کے سال ولادت میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ لیکن امام مالک کے تلمیذ رشید یحییٰ بن بکیر نے بیان فرمایا ہے کہ آپ کی ولادت ۹۳ھ میں ہوئی ہے اور امام ذہبی نے اسی کو صحیح ترین قول قرار دیا ہے[3]۔ شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ امام مالک شکم مادر میں عام معمول کے خلاف تین سال تک رہے ہیں[4]

اساتذہ

خلفائے راشدین کے عہد میں مسائل فقہیہ اور فتاوی کے سلسلہ میں عام طور پر لوگوں کا رجوع حضرت عائشہ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ، انس اور جابر رضی اللہ عنہم کی طرف ہوتا تھا اور یہی وہ نفوس قدسیہ تھے جو اس زمانہ میں دائرہ علمیہ کا مرکز قرار پاتے تھے۔ عصر صحابہ کے بعد فقہاء تابعین نے ان حضرات کی میراث کو سنبھالا، جن میں سعید بن مسیب، عروہ، سالم اور قاسم کے نام بڑے مشہور ہیں۔ تابعین کے بعد تبع تابعین میں سے ابن شہاب زہری، یحییٰ بن سعید انصاری، زید بن اسلم، ربیعہ، ابوزناد وغیرہم نے اس سلسلہ کو قائم رکھا۔ امام مالک نے جس علمی فضا میں ہوش وحواس کی آنکھ کھولی۔ وہ انہی حضرات کا زمانہ تھا۔ حضرات تبع تابعین جس علم کو تابعین اور وہ صحابہ کرام سے سینہ بہ سینہ منتقل کرتے چلے آرہے تھے۔ اس علم کو انہوں نے ان تمام بزرگ حضرات سے حاصل کر کے صفحات قرطاس پر محفوظ کر لیا تھا۔

امام مالک کے اساتذہ اور مشائخ میں زیادہ تر مدینہ طیبہ کے بزرگان دین شامل تھے

---

[1] شاہ ولی اللہ دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ — ھدایۃ الموطا ص ۱۷

[2] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۲۹ھ — بستان محدثین ص ۱۲

[3] امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ — تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۲

[4] شاہ ولی اللہ دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ — درایۃ الموطا ص ۱۸

علامہ زرقانی لکھتے ہیں کہ آپ نے نو سو سے زیادہ مشائخ اور بزرگانِ دین سے علمِ دین حاصل کیا ہے۔ [1]

آپ کے اساتذہ میں سے چند حضرات کے اسماء یہ ہیں۔ عامر بن عبداللہ بن العوام، نعیم بن عبداللہ المجمر، زید بن اسلم، نافع مولیٰ ابن عمر، حمید الطویل، سعید المقبری، ابو حازم، سلمۃ بن دینار، شریک بن عبداللہ بن ابی نمر، صالح بن کیسان زہری، صفوان بن سلیم، ربیع بن ابی عبدالرحمٰن، ابو الزناد ابن المنکدر، عبداللہ بن دینار ابو طوالۃ، عبد ربہ، یحییٰ بن سعید، عمرو بن ابی عمر، مولی المطلب علاء بن عبدالرحمان، ہشام بن عروہ، یزید بن الہاد، یزید بن عبداللہ بن خصیفہ، ابو الزبیر المکی، ابراہیم موسیٰ بن عقبہ، ایوب السختیانی، اسماعیل بن ابی حکیم، حمید بن عبدالرحمان، جعفر بن محمد صادق، حمید بن قیس مکی، داؤد بن الحصین، زیاد بن سعد، زید بن رباح، سالم ابی النضر، سہیل بن ابی صالح، صیفی مولیٰ ابو ایوب، ضمرۃ بن سعید، طلحۃ بن عبدالملک الایلی، عبداللہ بن ابی بکر بن حزم، عبداللہ بن الفضل الہاشمی، عبداللہ بن یزید، عبدالرحمان بن ابی صعصعہ، عبدالرحمان بن القاسم، عبداللہ بن ابی عبداللہ الاغر، عمرو بن مسلم بن عمارۃ بن اکیمہ، عمرو بن یحییٰ بن عمارۃ، قطن بن وہب، ابو الاسود عروۃ، محمد بن عمرو بن حلحلۃ، محمد بن یحییٰ بن حبان، مخرمہ بن بکیر وغیرہم۔ [2]

تلامذہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں مستقل سکونت رکھی تھی اور مسلمانوں کے لیے یہ مبارک شہر تمام شہروں میں قلب کی حیثیت رکھتا ہے اس وجہ سے اطراف واکناف سے لوگ یہاں آتے رہتے تھے۔ اور مدینہ منورہ میں امام دار الہجرت مالک بن انس کی علمی شہرت اپنے کمال پر پہنچی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے بے شمار لوگوں کو آپ سے علم حدیث کے سماع کا موقعہ حاصل ہوا۔ امام مالک سے ان کے مشائخ، معاصرین اور عام تلامذہ سب قسم کے لوگوں نے احادیث روایت کی ہیں۔

مشائخ میں ابن شہاب زہری، یحییٰ بن سعید انصاری اور یزید بن عبداللہ بن الہاد

---

[1] شیخ محمد بن عبدالباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۸ھ — شرح الزرقانی علی موطا ج ۱ ص ۲

[2] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۵

معاصرین میں سے اوزاعی، ثوری، ورقا بن عمر الشعبہ بن الحجاج، ابن جریج، ابراہیم بن طہمان، لیث بن سعد اور ابن عیینہ۔ عمر میں بزرگ حضرات سے ابو اسحاق فزاری، یحییٰ بن سعید القطان، عبدالرحمان بن مہدی، حسین بن ولید نیشاپوری، روح بن عبادہ، زید بن الحباب، امام شافعی، ابن المبارک، ابن وھب، ابن قاسم، قاسم بن یزید، الجرمی معن بن عیسیٰ، یحییٰ بن ایوب مصری، ابو علی حنفی، ابو نعیم، ابو عاصم، ابو الولید طیالسی، احمد بن عبداللہ بن یونس، اسحاق بن عیسیٰ بن الطباع، بشر بن عمر الزاہدی، جویرۃ بن اسماء، خالد بن خلد سعید بن منصور، عبداللہ بن رجاء مکی، قعنبی، اسماعیل بن یونس، ادیس یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری ابو مسہر عبداللہ بن یوسف، عبدالعزیز اویسی، مکی بن ابراہیم، یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر، یحییٰ بن قزعہ۔ قتیبہ بن سعید، ابو مصعب زہری، اسماعیل بن موسیٰ فزاری، خلف بن ہشام۔ عبدالاعلیٰ بن حماد المدرسی، سوید بن سعید، مصعب ابن عبداللہ زبیری۔ ہشام بن عمار، عتبہ بن عبداللہ مروزی اور ابو حذافہ احمد بن اسماعیل مدنی۔[1]

شخصیت امام مالک کا قد دراز، بدن فربہ اور رنگ سفید مائل بہ زردی تھا۔ آنکھیں بڑی اور خوبصورت تھیں ناک بلند اور سر پر لمبے نام بال تھے مونچھیں بطرز سبالہ رکھا کرتے تھے۔ امام مالک نے ستاسی سال کی عمر گزاری لیکن ڈاڑھی میں خضاب کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یمن، مصر اور خراساں کے بنے ہوئے بیش قیمت لباس زیب تن کیا کرتے تھے۔ عام طور پر سفید رنگ کا لباس پہنتے تھے اور عطر لگاتے تھے سر پر عمامہ باندھتے تھے اور دونوں شانوں کے درمیان شملہ لٹکایا کرتے تھے اور ضرورت کے بغیر کبھی سرمہ نہیں لگاتے تھے۔ چاندی کی انگشتری پہنتے تھے جس پر سیاہ رنگ کا نگینہ تھا اور حسبنا اللہ فنعم الوکیل۔ کندہ کرایا ہوا تھا ان سے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا اللہ تعالیٰ مومنین کے بارے میں فرماتا ہے، قالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ اس وجہ سے میرا دل چاہتا ہے کہ اس آیت کا مضمون ہمیشہ میرے سامنے رہے حتیٰ کہ میرے دل پر نقش ہو جائے۔

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۵۶

امام مالک کو تحصیل علم کی بے حد لگن تھی۔ زمانہ طالب علمی میں آپ کے پاس کچھ زیادہ مال نہ تھا لیکن کتابوں کا اشتیاق اس قدر تھا کہ مکان کی چھت توڑ کر اس کی کڑیاں فروخت کیں اور کتابیں خریدیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر دولت کا دروازہ کھول دیا۔ آپ کا حافظہ نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا۔ فرماتے ہیں جس چیز کو میں ایک بار دیکھتا ہوں اس کو یاد کر لیتا ہوں اور پھر اس کو نہیں بھولتا۔

امام مالک مدینہ منورہ کے جس مکان میں رہتے تھے وہ عبداللہ بن مسعود کی رہائش گاہ تھی۔ مسجد نبوی میں اس جگہ بیٹھتے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھا کرتے تھے امام مالک فرماتے ہیں۔ میں نے پوری زندگی میں کبھی کسی بیوقوف شخص کے ساتھ ہم نشینی نہیں کی۔ امام مالک عموماً تنہائی میں کھانا کھاتے تھے اس لیے کسی شخص نے آپ کے خورد و نوش کے احوال بیان نہیں کیے۔ وقار اور دبدبہ کے باوجود امام مالک اپنے اہل وعیال اور خدام کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ پیش آتے تھے۔ مدینہ منورہ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ آپ نے حرم مدینہ میں کبھی قضائے حاجت نہیں کی۔ قضائے حاجت کے لیے تمام عمر حرم مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے رہے۔ امام مالک مدینہ منورہ میں کبھی سوار ہو کر نہیں نکلتے تھے اور اس کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ جس شہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ ہو اس شہر کی سرزمین کو سواری کے سموں سے روندتے ہوئے مجھے حیا آتی ہے [۱]

معمولاتِ زندگی

امام مالک کی زندگی سادہ اور پُر وقار تھی لوگوں کے ساتھ معاملات میں بے حد خلیق اور متواضع تھے۔ انہوں نے ساری زندگی علمی خدمات اور تعظیم حرم رسول میں گزاری۔ ابو مصعب کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے اس وقت تک فتویٰ لکھنا نہیں شروع کیا جب تک ستر علماء نے میری اہلیت کی گواہی نہیں دی۔ امام زرقانی بیان کرتے ہیں کہ امام مالک نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ احادیث تحریر کی ہیں۔ سترہ سال کی عمر میں درس حدیث شروع کیا اور اس وقت ان کا حلقہ درس اپنے معاصرین کے حلقوں میں سب سے بڑا حلقہ تھا۔

---

[۱] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۲۹ھ بستان المحدثین ص ۱۳ تا ۲۲

طلباء کا انبوہ کثیر ہر وقت ان کے دروازے پر موجود رہتا تھا۔ انہوں نے اپنے دروازے پر ایک دربان مقرر کیا ہوا تھا۔ پہلے خواص اہلِ علم کو آنے کی اجازت تھی اور پھر عام طلبہ کو۔[1]

قتیبہ بیان کرتے ہیں کہ جب امام مالک ہمارے پاس تشریف لاتے تو عمدہ لباس زیب تن ہوتا اور خوشبو لگائی ہوئی ہوتی تھی۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ امام مالک نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں تشریف لاتے تھے۔ جنازہ پڑھنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ بیماروں کی عیادت کرتے تھے۔ لوگوں کے حقوق ادا کرتے تھے، مسجد میں مجلس منعقد کرتے پھر کسی وجہ سے مسجد میں بیٹھنا ترک کر دیا اور نماز پڑھ کر چلے جاتے۔ پھر جنازوں میں بھی جانا چھوڑ دیا اور لوگوں کے پاس جا کر تعزیت کیا کرتے۔ آخر عمر میں جمعہ اور پانچ نمازوں کے لیے مسجد میں جانے کے سوا سب کچھ چھوڑ دیا لیکن لوگوں کی محبت اور عقیدت میں فرق نہ آیا۔ بسا اوقات اس سلسلہ میں فرماتے کہ ہر شخص اپنا عذر بیان کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔

امام مالک انتہائی سادہ اور بے نفس تھے۔ ابن مہدی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے امام مالک سے مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا میں اس کو اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا۔ وہ شخص کہنے لگا میں بڑی دور سے آپ کا نام سن کر مسئلہ معلوم کرنے آیا تھا آپ نے فرمایا جب واپس تم اپنے گھر پہنچو تو بتا دینا کہ مالک نے کہا تھا کہ میں یہ مسئلہ اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا۔ سعید بن سلمان کہتے ہیں کہ امام مالک فتویٰ دینے سے پہلے اس آیت کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ان نظن الا ظناً وما نحن بمستیقنین[2]

درسِ حدیث امام مالک نے سترہ سال کی عمر میں تعلیم و تدریس کی ابتدا کر دی تھی، حدیث شریف پڑھانے سے پہلے غسل کرتے۔ عمدہ اور بیش قیمت لباس زیب تن کرتے، خوشبو لگاتے پھر ایک تخت پر نہایت عجز و انکساری سے بیٹھتے۔ اور جب تک درس جاری رہتا۔ انگیٹھی میں عود اور لوبان ڈالتے رہتے تھے درسِ حدیث کے درمیان کبھی پہلو نہیں بدلتے تھے۔ عبداللہ بن المبارک بیان کرتے ہیں کہ

---

[1] شیخ محمد عبدالباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ شرح الزرقانی للموطا، ص ۴

[2] امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۹

ایک دن میں درس حدیث میں حاضر ہوا امام مالک روایت حدیث فرما رہے تھے اسی دوران ایک بچھو کی نیش زنی کے باوجود آپ نے نہ پہلو بدلا نہ سلسلہ روایت ترک کیا اور نہ ہی آپ کے تسلسل کلام میں کچھ فرق واقع ہوا۔ بعد میں آپ نے فرمایا میرا اس تکلیف پر اس قدر صبر کرنا کچھ اپنی طاقت کی بنا پر نہ تھا بلکہ محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی وجہ سے تھا۔[۱]

عام طور پر درس حدیث کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ استاد حدیث پڑھے اور شاگرد سنتا رہے دوسرا یہ کہ شاگرد حدیث پڑھے اور استاد سنتا رہے۔ اہل عراق نے درس حدیث کے لیے صرف پہلے طریقہ کو اختیار کر لیا اور اسی طریقہ میں درس حدیث کو منحصر خیال کرتے تھے۔ اس وجہ سے امام مالک اور حجاز کے دوسرے علماء نے درس حدیث کے لیے دوسرے طریقوں کو اختیار کر لیا تھا۔[۲]

کلمات استناد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ عنقریب لوگ علم کی طلب میں سفر کر کے اونٹوں کے جگر پگھلا دیں گے پھر بھی انہیں عالم مدینہ سے بہتر کوئی عالم نہ مل سکے گا۔ سفیان بن عیینہ اور امام عبدالرزاق کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں امام مالک کی طرف اشارہ ہے۔[۳] امام شافعی فرماتے تھے کہ امام مالک علماء کے درمیان ایک درخشندہ ستارے کی مانند ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ اگر امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا ابن وہب کہتے ہیں کہ اگر مالک اور لیث نہ ہوتے تو ہم گمراہ ہو جاتے۔ اسحاق بن ابراہیم کہتے تھے جس چیز پر ثوری، مالک اور اوزاعی اتفاق کر لیں وہ سنت ہے۔ خواہ اس باب میں صریح نص وارد نہ ہو۔[۴] امام نسائی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تبع تابعین کی

---

[۱] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ — بستان المحدثین ص ۲۰

[۲] ایضاً " " " " — ص ۱۹

[۳] شیخ محمد عبدالباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ — شرح الزرقانی للموطا ج ۱ ص ۳

[۴] امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ — تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۹

جماعت میں امام مالک سے زیادہ عظیم کوئی شخص نہیں اور نہ ہی ان سے بڑھ کر کوئی شخص حدیث میں مامون تھا۔[1]

عبدالرحمان بن مہدی کہتے تھے کہ سفیان ثوری روایت حدیث میں امام تھے اور اوزاعی قواعد سلف کے امام تھے اور امام مالک ان دونوں فنون کے امام تھے نیز وہ یہ بھی کہتے تھے کہ میں نے امام مالک سے کوئی زیادہ عقلمند شخص نہیں دیکھا[2] یحیٰی بن سعید قطان اور یحیٰی بن معین انہیں امیرالمؤمنین فی الحدیث کہتے تھے۔ نیز ابن معین کہتے تھے کہ امام مالک مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں۔ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ امام مالک اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ قوی حافظہ رکھتے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا کہ ابن شہاب زہری کے شاگردوں میں امام مالک سب سے فائق تھے اور امام بخاری نے کہا کہ صحیح ترین سند یہ ہے۔ مالک عن نافع عن ابن عمر[3] امام اوزاعی فرماتے تھے کہ امام مالک استاذ العلماء، عالم حجاز اور مفتی حرمین ہیں اور جب امام مالک کے وصال کی خبر سفیان بن عیینہ کو پہنچی تو فرمانے لگے امام مالک نے روئے زمین پر اپنی مثال نہیں چھوڑی۔

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ امام مالک متعدد خصائل میں منفرد ہیں۔ اول طول عمر وعلو روایت، ثانی ذہن ثاقب اور وسعت علم، ثالث ان کی روایات کی حجیت پر آئمہ کا اتفاق، رابع ان کے تدین، تقویٰ اور اتباع سنت پر لوگوں کا اجماع خامس فقہ اور فتویٰ میں ان کا تقدم[4]۔

کرم بالائے کرم امام دار الہجرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے حظ وافر عطا فرمایا تھا وہ اسوہ رسول کے سراپا اور سنت نبویہ کی عملی تصویر تھے۔

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۹

[2] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ درایۃ الموطا، ص ۱۰

[3] ایضاً " " " " " "

[4] امام ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ص ۲۰۲

مصعب بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جب امام مالک کے سامنے حضور کا ذکر کیا جاتا تو شدت جذبات سے ان کا رنگ متغیر ہوجاتا اور اسم مبارک کی تعظیم کے لیے بے اختیار جھک جاتے تھے۔ مدینہ طیبہ کے ذرہ ذرہ سے انہیں عشق تھا اور وہ حرم رسول کی گلیوں اور بازاروں کا بھی احترام کرتے تھے۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے امام مالک کو بیش بہا نعمتیں نصیب ہوئی تھیں۔ امام ابونعیم اصفہانی اپنی سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کہ خلف امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام مالک نے فرمایا دیکھو تمہارے مصلے کے نیچے کیا ہے انہوں نے دیکھا ایک کاغذ تھا جس میں امام مالک کے بعض احباب نے اپنا خواب لکھا ہوا تھا کہ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں لوگ جمع ہیں آپ نے فرمایا میں نے تمہارے لیے اپنے منبر کے نیچے علم چھپا رکھا ہے اور مالک کو حکم دیا کہ وہ اس علم کو لوگوں میں تقسیم کر دیں۔

اسماعیل بن مزاحم مروزی بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ سے استفسار کیا کہ حضور ہم آپ کے بعد کس سے سوال کیا کریں، فرمایا مالک بن انس سے؛

ابوعبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ مسجد میں تشریف فرما تھے اور کافی لوگ آپ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور مالک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مؤدب کھڑے تھے حضور کے پاس مُشک تھی آپ اس میں سے تھوڑی مُشک مالک کو دے رہے تھے اور وہ اس مشک کو لوگوں میں تقسیم کر رہے تھے۔

محمد بن ربح بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو آپ سے پوچھا حضور مالک اور لیث میں زیادہ علم کس کا ہے فرمایا میرے علم کا وارث مالک ہے۔

مثنیٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ امام مالک فرماتے تھے کہ میری کوئی رات ایسی نہیں گزری جس میں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

زیارت نہ کی ہو۔ [1]

ابتلاء امام مالک کا مسلک تھا کہ طلاق مکرہ واقع نہیں ہوتی ان کے زمانہ کے حاکم نے اس مسئلہ میں ان سے اختلاف کیا اور ان کو زدوکوب کیا اور اونٹ پر سوار کرا کے شہر میں پھرایا اس حال میں بھی امام مالک نے باآواز بلند فرمایا کہ جو شخص مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ جان لے میں ابو عامر مالک بن انس اصبحی ہوں اور میرا مسلک یہ ہے کہ طلاق مکرہ واقع نہیں ہوتی جعفر بن سلیمان تک جب یہ خبر پہنچی کہ امام مالک بلند آواز سے یہ اعلان کر رہے ہیں تو اس نے حکم جاری کیا کہ انہیں اونٹ سے اتار لیا جائے۔

امام احمد بن حنبل سے جب اس واقعہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا طلاق مکرہ نافذ نہ کرنے کی بنا پر بعض حکام نے ان پر تشدد کیا تھا اور مجھے نہیں معلوم کہ وہ تشدد کرنے والا شخص کون تھا۔ [2]

مالکی مسلک کا رواج مغربی ممالک خصوصاً اندلس میں امام مالک کے مسلک کا بہت زیادہ چرچا ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہاں کے لوگ جب حج اور زیارت روضہ منورہ کے لیے حرمین حاضر ہوتے تو مدینہ منورہ میں امام مالک کی شہرت مقبولیت اور آپ کے علم و فضل سے بہت متاثر ہوتے اس سبب سے اندلس میں عام طور پر لوگ امام مالک کے فتاویٰ کی پیروی کرتے تھے چنانچہ قرطبہ سے یحییٰ بن یحییٰ مصمودی مدینہ منورہ پہنچے اور ایک سال تک امام مالک کی خدمت میں رہے اور واپس آکر انہوں نے موطا امام مالک اور فتاویٰ امام مالک کی تبلیغ اور اشاعت کی۔ اسی طرح اندلس کے ایک اور عالم عیسیٰ بن دینار بھی امام مالک کے شاگرد تھے۔ اور ان دو حضرات نے دیار مغرب میں امام مالک کے مسلک کی بہت زیادہ خدمت کی۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن یحییٰ کو خلیفہ عبد الرحمن میں پذیرائی حاصل تھی اور تمام شہروں میں قاضیوں کا تقرر ان کی رائے

---

[1] حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۳۱۶ تا ۳۱۷

[2] ایضاً " " " " ج ۶ ص ۳۲۲

سے ہوتا تھا اور یحییٰ بن یحییٰ اس بات کا خاص خیال رکھا کرتے تھے کسی ایسے شخص کو قاضی نہ مقرر کر دیا جائے جو مالکی مسلک سے اختلاف رکھتا ہو۔ [1]

وصال

یحییٰ بن یحییٰ مصمودی بیان کرتے ہیں کہ جب امام مالک کا مرض الموت طویل ہوا اور وقت آخر آپہنچا تو مدینہ منورہ اور دوسرے شہروں سے تمام علماء اور فقہاء امام مالک کے مکان میں جمع ہو گئے تاکہ امام مالک کی آخری ملاقات سے فیض یاب اور ان کی وصیتوں سے بہرہ مند ہوں۔ یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ اس وقت امام مالک کی عیادت کرنے والے ہم سمیت ایک سو تیس علماء حاضر تھے۔ میں بار بار امام کے پاس جاتا اور سلام عرض کرتا تھا تاکہ اس آخری وقت میں امام کی نظر مجھ پر پڑ جائے۔ اور وہ نظر میری سعادت اخروی کا وسیلہ بن جائے۔ میں اسی کیفیت میں تھا کہ امام نے آنکھیں کھولیں اور ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہم کو کبھی ہنسایا اور کبھی رلایا اس کے حکم سے زندہ رہے اس کے حکم سے جان دیتے ہیں اس کے بعد فرمایا موت آگئی۔ خدا تعالیٰ سے ملاقات کا وقت قریب ہے، حاضرین نے عرض کیا اس وقت آپ کے باطن کا کیا حال ہے فرمایا میں اس وقت اولیاء اللہ کی مجلس کی وجہ سے بہت خوش ہوں کیونکہ میں اہل علم کو اولیاء اللہ گردانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد علماء سے زیادہ کوئی شخص پسند نہیں ہے۔ نیز میں اس لیے بھی خوش ہوں کہ میری تمام زندگی علم کی تحصیل اور اس کی تعلیم میں گزری ہے اور میں اس سلسلہ میں اپنی تمام مساعی کو مستجاب اور مشکور گمان کرتا ہوں اس لیے کہ تمام فرائض اور سنن اور ان کے ثواب کی تفصیلات ہم کو زبان رسالت سے معلوم ہوئیں مثلاً حج کا اتنا ثواب ہے اور زکوٰۃ کا اتنا اور ان تمام معلومات کو سوا حدیث کے طالب علم کے اور کوئی شخص نہیں جان سکتا اور یہی علم اصل میں نبوت کی میراث ہے۔ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کہتے ہیں اس کے بعد امام مالک نے ربیع کی ایک روایت بیان کی کہ کسی شخص کو نماز کے مسائل بتلانا روئے زمین کی تمام دولت کو صدقہ کرنے سے بہتر ہے اور کسی شخص کی دینی الجھن دور کر دینا سو حج کرنے سے افضل ہے

---

[1] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۲۹ھ — بستان المحدثین ص ۳۵

اور ابن شہاب زہری کی روایات سے بتلایا کہ کسی شخص کو دینی مشورہ دینا سو غزوات میں جہاد کرنے سے بہتر ہے ۔ یحییٰ بن یحییٰ کہتے ہیں اس گفتگو کے بعد امام مالک نے کوئی بات نہیں کی اور اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی[1] ۔ امام ذہبی لکھتے ہیں کہ امام مالک کا سن وصال مؤرخین کے اتفاق سے ۱۷۹ھ ہے البتہ تاریخ میں اختلاف ہے ابومصعب اور ابن وہب نے تاریخ وصال ۱۰ ربیع الاول بیان کی ہے ، ابن سحنون نے گیارہ ربیع الاول ، ابن ابی اویس نے چودہ ربیع الاول تاریخ بتلائی ہے ۔ اور مصعب زبیری نے آپ کا وصال ماہ صفر میں ذکر کیا ہے ۔[2]

---

[1] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ — بستان المحدثین ص ۱۳۹

[2] امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ — تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۳

موطاء امام مالک

فن حدیث میں جس کتاب کو سب سے پہلے مدون کیا گیا وہ موطاء امام مالک ہے امام شافعی نے اس کتاب کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ کتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر اس سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے[1] اور فن جرح و تعدیل کے مشہور امام حافظ ابو زرعہ رازی متوفی ۲۶۴ھ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ موطاء کی تمام احادیث صحیح ہیں تو وہ حانث نہیں ہوگا[2] ابو بکر بن العربی نے کہا فن حدیث میں صحیح بخاری ثانوی حیثیت رکھتی ہے اور اس موضوع پر اصل اول موطاء امام مالک ہے[3] اور حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ موطاء کی صحت اور قوت سے لوگوں کے دلوں میں جس قدر ہیبت طاری ہے اس کا کوئی کتاب مقابلہ نہیں کر سکتی[4] حافظ ابن حبان لکھتے ہیں کہ فقہاء مدینہ میں امام مالک وہ شخص ہیں جنہوں نے روایات کے بارے میں تحقیق سے کام لیا اور جو شخص حدیث میں ثقہ نہ تھا اس سے اعراض فرمایا۔ وہ صحیح روایات کے علاوہ نہ اور کوئی چیز روایت کرتے اور نہ کسی غیر ثقہ سے حدیث بیان کرتے[5] یحییٰ بن سعید کہتے تھے کہ آج قوم کے پاس فن حدیث میں موطاء سے زیادہ کوئی صحیح کتاب نہیں ہے محمد بن سری کہتے تھے کہ میں نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تو عرض کیا

۱۔ شیخ محمد عبدالباقی زرقانی	شرح الموطاء للزرقانی ج ۱ ص ۸
۲۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۲۹ھ	بستان المحدثین ص ۲۶
۳۔ مولانا عبدالحی لکھنوی ۱۳۰۴ھ	التعلیق الممجد ص ۱۵
۴۔ ایضاً " "	" ص ۱۶
۵۔ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ	تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۹

حضور مجھے کچھ احادیث بیان فرمائیے جن کو میں آپ سے روایت کروں فرمایا اے ابن السّری میں نے مالک کو ایک خزانہ دیا ہے۔ جس کو وہ تم میں تقسیم کریں گے اور یاد رکھو وہ خزانہ موطا ہے پھر فرمایا اللہ کی کتاب اور میری سنت کے بعد مسلمانوں کے لیے موطا سے زیادہ کوئی صحیح چیز نہیں ہے اس کتاب کا سماع کرو اور اس سے فائدہ اٹھاؤ[1]

سبب تالیف حافظ ابو مصعب زہری لکھتے ہیں کہ خلیفہ منصور عباسی نے امام مالک سے فرمائش کی تھی کہ آپ لوگوں کے لیے ایک کتاب تصنیف کر دیجئے جس پر عمل کرنے کے لیے میں لوگوں کو آمادہ کروں امام مالک مختلف عذر پیش کرتے رہے مگر خلیفہ نے باصرار شدید آپ کو اس کام کے لیے تیار کر لیا بالآخر امام مالک نے موطا کی تصنیف شروع کی لیکن اس کی تکمیل سے پہلے منصور کا انتقال ہو گیا اور اس کے بیٹے محمد مہدی کے ابتدائی دورِ خلافت میں اس کتاب کی تکمیل ہو گئی[2]

مدارج تالیف ابن الو حباب ذکر کرتے ہیں کہ امام مالک نے ایک لاکھ احادیث میں سے موطا کا انتخاب کیا پہلے اس میں دس ہزار احادیث جمع کیں پھر مسلسل غور کرتے رہے یہاں تک کہ اس میں پانچ سو احادیث باقی رہ گئیں۔ حافظ ابن البر لکھتے ہیں کہ امام اوزاعی کے شاگرد عمر بن عبد الواحد کہتے ہیں کہ ہم نے چالیس دن میں امام مالک کو موطا سنائی تو آپ نے فرمایا کہ جس کتاب کو میں نے چالیس سال میں تالیف کیا تم نے اس کو چالیس دنوں میں حاصل کر لیا۔[3]

وجہ تسمیہ موطا کا لفظ وطی سے ماخوذ ہے جس کے معنی روندنے کے ہیں امام مالک نے اس کتاب کی تالیف کے بعد اس کو مدینہ منورہ کے ستر فقہاء کے سامنے پیش کیا جنہوں نے اس کتاب کو انظار دقیقہ سے روندا اس وجہ سے اس کا نام موطا پڑ گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لفظ مواطاۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی موافقت

---

[1] مولانا عبد الحی لکھنوی متوفی ۱۳۰۴ھ — التعلیق الممجد ص ۱۵

[2] علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ — تزئین الممالک ص ۴۳

[3] مولانا عبد الحی لکھنوی متوفی ۱۳۰۴ھ — التعلیق الممجد ص ۱۵

ہیں چونکہ اس کتاب کے ساتھ امام مالک کے زمانے کے تمام علماء نے موافقت کی تھی اس لیے اس کا نام موطاء رکھا گیا۔

تالیف میں اخلاص جب امام مالک نے موطاء کو تصنیف کرنا شروع کیا تو آپ کو دیکھ کر اور دوسرے علماء نے بھی آپ کی طرح اس فن میں لکھنا شروع کر دیا بعض لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ کیوں اپنے آپ کو اس تصنیف کی وجہ سے تکلیف میں ڈال رہے ہیں جبکہ اور لوگوں نے بھی اس طرز کی کتابیں لکھنی شروع کر دی ہیں امام مالک نے فرمایا عنقریب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا کام محض اللہ کے لیے ہے چنانچہ موطاء کے ظہور میں آنے کے بعد وہ تمام کتابیں اپنی رونق اور شہرت کھو بیٹھیں اور اس زمانہ کی تالیفات میں سے سوائے موطاء کے آج کسی کا نام و نشان نہیں ملتا۔ [1]

امام مالک موطاء کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو انھوں نے اپنا اخلاص ثابت کرنے کے لیے موطاء کے مسودہ کے تمام اوراق کو پانی میں ڈال دیا اور فرمایا اگر ان اوراق میں سے ایک ورق بھی بھیگ گیا تو مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ لیکن یہ امام مالک کی صدق نیت اور اخلاص کا ثمرہ تھا کہ پانی میں ڈالنے کے باوجود ان اوراق میں سے کوئی ورق بھی نہیں بھیگا اور اس کام میں امام مالک کا اخلاص اور ان کی للّٰہیت تمام لوگوں پر ظاہر ہو گئی۔ [2]

شرفِ اولیت تاریخی طور پر اس بات میں کسی شخص کو مجالِ سخن نہیں ہے کہ حدیث کا جو سب سے پہلا مجموعہ امت کے ہاتھوں میں پہنچا ہے وہ موطاء امام مالک ہے البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ صحیح مجرد میں پہلی کتاب بخاری ہے یا موطاء، بہرحال جمہور کی رائے یہی ہے کہ صحیح مجرد میں پہلی کتاب امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری کی الجامع الصحیح ہے جو آج تمام دنیا میں صحیح بخاری کے نام سے معروف

---

[1] شاہ ولی اللہ دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ — مقدمہ مسوی ج ۱ ص ۲۵

[2] شیخ محمد عبدالباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ — شرح الزرقانی للموطاء ج ۱ ص ۲۵

ہے اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ صحیح مجرد میں پہلی کتاب موطاء امام مالک ہے لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ موطاء میں بکثرت بلاغات مراسیل اور منقطعات ہیں اور انقطاع سند بہرحال صحت حدیث کے منافی ہے بعض لوگ اس کے جواب میں صحیح بخاری کے تراجم اور تعلیقات سے معارضہ کرتے ہیں کیونکہ امام بخاری نے متعدد جگہ سند ذکر کیے بغیر متن حدیث سے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے اور بعض جگہ ترجمۃ الباب میں معلقہ احادیث وارد کی ہیں پس اگر انقطاع سند موطاء کی صحت مجردہ کے لیے مانع ہے تو یہ صحیح بخاری میں بھی پایا جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ صحیح بخاری کی تعلیقات اور تراجم کی دوسرے توابع اور شواہد سے تقویت اور تائید ہو جاتی ہے تو موطاء کی بلاغات اور مراسیل وغیرہ کو بھی دوسرے قرائن سے تائید حاصل ہے۔

اس معارضہ کے جواب میں اولاً گزارش یہ ہے کہ موطاء کی تمام احادیث بلا استثناء پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکیں چنانچہ حافظ ابن البر مالکی اندلسی نے تصریح کی ہے کہ موطاء کی چار احادیث ایسی ہیں جن کی اور کسی سند سے تائید نہیں ہو سکی[1] ثانیاً ان منقطعہ احادیث کا کسی اور سند سے متصل ثابت ہونا ایک اور بات ہے لیکن جن اسناد سے امام مالک نے ان کو روایت کیا ہے وہ بہرحال منقطع ہیں اور ان اسناد کے لحاظ سے وہ احادیث فنی طور پر صحیح نہیں ہوں گی کیونکہ انقطاع صحت حدیث کے منافی ہے جیسا کہ اگر کسی حدیث کی سند میں کوئی وضاع راوی آجائے تو اس سند کے لحاظ سے وہ حدیث بہرحال موضوع قرار پائے گی خواہ متن حدیث کسی دوسری صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو۔ ثالثاً امام بخاری نے جس قدر تعلیقات وارد کی ہیں وہ سب اصل میں متصل ہیں اور امام بخاری نے ان احادیث کا علی وجہ الاتصال ہی سماع کیا ہے، لیکن عمداً متعدد حکمتوں کی بناء پر[2] ان کی اسناد کو حذف کر دیا برخلاف موطاء کی بلاغات کے کیونکہ امام مالک کو وہ تمام بلاغات علی وجہ الانقطاع ملی ہیں جیسا کہ عنقریب واضح

---

[1] شیخ محمد عبدالباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ شرح الزرقانی للموطا ج ۱ ص ۸

[2] صحیح بخاری کے باب میں ہم نے ان حکمتوں کو بیان کر دیا ہے (سعیدی)

ہو جائے گا۔ رابعاً امام مالک کی تمام منقطع احادیث کتاب کے اصل موضوع میں روایت کی گئی ہیں اس کے برخلاف امام بخاری نے تعلیقات اور تراجم کو ابواب کے ذیل میں وارد کیا ہے اور صحیح بخاری کے اصل موضوع میں کوئی منقطع حدیث نہیں ہے کیونکہ کتاب کا اصل موضوع احادیث مسندہ ہیں جیساکہ اس کے نام الجامع الصحیح المسند سے ظاہر ہے اور امام بخاری کی تصریح ما وضعت فی جامعی ھذا الا صحیح سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے۔

ہر ایک شخص کا مزاج اور مسلک جدا ہوتا ہے ہماری رائے اس سلسلہ میں بہر حال یہی ہے کہ صحیح مجرد میں احادیث جمع کرنے کا شرف جس شخص نے سب سے پہلے حاصل کیا وہ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ہیں اور نفس حدیث کا سب سے پہلا مجموعہ جس شخص نے امت مسلمہ کو فراہم کیا وہ امام ابو عبداللہ مالک بن انس اصبحی ہیں۔

آج تک تمام علماء سلفاً خلفاً یہی لکھتے آرہے ہیں کہ احادیث کا سب سے پہلا مجموعہ امام مالک نے پیش کیا لیکن مولوی عبدالرشید نعمانی لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے احادیث کا مجموعہ جس شخص نے پیش کیا وہ امام اعظم ہیں چنانچہ لکھتے ہیں :-

"امام ابو حنیفہ جب جامع کوفہ کی اس مشہور علمی درس گاہ میں مسند فقہ و علم پر جلوہ آرا ہوئے کہ جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے باقاعدہ طور پر چلی آ رہی تھی تو آپ نے جہاں علم کلام کی بنیاد ڈالی، فقہ کا عظیم الشان فن مدون کیا وہاں ہی علم حدیث کی ایک اہم ترین خدمت یہ انجام دی کہ احادیث احکام میں سے صحیح اور معمول بہ روایات کا انتخاب فرما کر ایک مستقل تصنیف میں ان کو ابواب فقہیہ پر مرتب کیا جس کا نام کتاب الآثار ہے اور آج امت کے پاس احادیث صحیحہ کی سب سے قدیم ترین کتاب یہی ہے۔ پھر لکھتے ہیں :-

ممکن ہے کہ بعض لوگ کتاب الآثار کو احادیث صحیحہ کا اولین مجموعہ بتانے پر چونکیں اس لیے اس حقیقت کو آشکارا کرنا نہایت ضروری ہے"

اور کتاب الآثار کی اولیت پر دلیل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ہوجائے گا۔ رابعاً امام مالک کی تمام منقطع احادیث کتاب کے اصل موضوع میں روایت کی گئی ہیں اس کے برخلاف امام بخاری نے تعلیقات اور تراجم کو ابواب کے ذیل میں وارد کیا ہے اور صحیح بخاری کے اصل موضوع میں کوئی منقطع حدیث نہیں ہے کیونکہ کتاب کا اصل موضوع احادیث مسندہ ہیں جیساکہ اس کے نام الجامع الصحیح المسند سے ظاہر ہے اور امام بخاری کی تصریح ما وضعت فی جامعی ھذا الاصح سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے۔

ہر ایک شخص کا مزاج اور مسلک جدا ہوتا ہے ہماری رائے اس سلسلہ میں بہرحال یہی ہے کہ صحیح مجرد میں احادیث جمع کرنے کا شرف جس شخص نے سب سے پہلے حاصل کیا وہ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ہیں اور نفس حدیث کا سب سے پہلا مجموعہ جس شخص نے امت مسلمہ کو فراہم کیا وہ امام ابوعبداللہ مالک بن انس اصبحی ہیں۔

آج تک تمام علماء سلفاً خلفاً یہی لکھتے آرہے ہیں کہ احادیث کا سب سے پہلا مجموعہ امام مالک نے پیش کیا لیکن مولوی عبدالرشید نعمانی لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے احادیث کا مجموعہ جس شخص نے پیش کیا وہ امام اعظم ہیں چنانچہ لکھتے ہیں :۔

"امام ابوحنیفہ جب جامع کوفہ کی اس مشہور علمی درس گاہ میں مسند فقہ وعلم پر جلوہ آرا ہوئے کہ جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے باقاعدہ طور پر چلی آ رہی تھی تو آپ نے جہاں علم کلام کی بنیاد ڈالی، فقہ کا عظیم الشان فن مدون کیا وہاں ہی علم حدیث کی ایک اہم ترین خدمت یہ انجام دی کہ احادیث احکام میں سے صحیح اور معمول بہا روایات کا انتخاب فرماکر ایک مستقل تصنیف میں ان کو ابواب فقہیہ پر مرتب کیا جس کا نام کتاب الآثار ہے اور آج امت کے پاس احادیث صحیحہ کی سب سے قدیم ترین کتاب یہی ہے۔ پھر لکھتے ہیں :۔

ممکن ہے کہ بعض لوگ کتاب الآثار کو احادیث صحیحہ کا اولین مجموعہ بتانے پر چونکیں اس لیے اس حقیقت کو آشکارا کرنا نہایت ضروری ہے "

اور کتاب الآثار کی اولیت پر دلیل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

بلاشبہ علامہ مغلطائی کے نزدیک اس بارے میں اولیت کا شرف امام مالک کو حاصل ہے۔

لیکن کتاب الآثار موطا سے پہلے کی تصنیف ہے جس سے خود موطا کی تالیف میں استفادہ کیا گیا ہے چنانچہ حافظ سیوطی تبییض الصحیفۃ فی مناقب الامام ابی حنیفہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

من مناقب ابی حنیفۃ	امام ابو حنیفہ کے ان خصوصی مناقب ہے
التی انفرد بھا انہ	کہ جن میں وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے
اول من دون	کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم
علم الشریعۃ و رتبہ ابوابا	شریعت کو مدون کیا اور اس کی
ثم تبعہ مالک بن	ابواب پر ترتیب کی پھر امام مالک
انس فی ترتیب	بن انس نے موطا کی ترتیب میں
الموطاء ولم	انہی کی پیروی کی اور اس باب
یسبق ابا	میں ابو حنیفہ پر کسی کو سبقت
حنیفہ احد۔	نہیں ہے۔[1]

لیکن ارباب فہم پر ظاہر ہوگا کہ نعمانی صاحب کی اس دلیل میں کوئی جان نہیں ہے کیونکہ حافظ سیوطی نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے سب سے پہلے علم شریعت کی تدوین کی ہے۔ اور علم شریعت علم حدیث سے عام ہے اور جب دعویٰ خاص اور دلیل عام ہو تو تقریب تام نہیں ہوتی اور خصوصاً اس لیے بھی کہ حافظ سیوطی نے خود تنویر الحوالک میں موطا کو حدیث کی پہلی کتاب قرار دیا ہے اس لیے تبییض الصحیفہ ان کے کلام۔ اول من دون علم الشریعۃ ؛ میں شریعت سے مراد علم حدیث کے ماسوا ماننا پڑے گا امام اعظم ابو حنیفہ کی دینی خدمات کا ایک الگ مقام ہے۔ کتاب و سنت سے مسائل کے استخراج اور علم شریعت کی کتب اور ابواب کے ساتھ باقاعدہ تدوین کی خدمت میں ان

---

[1] ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۱۵۸ تا ۱۶۱

پر کوئی سابقیت نہیں رکھتا اس حقیقت کو آشکارا کرنے کے لیے حافظ سیوطی نے ان کے بارے میں فرمایا، انہ اول من دون علم الشریعۃ، اسی طرح سب سے پہلے انہوں نے اجتہاد کے اصول اور پیمانے وضع کیے اور بعد کے تمام مجتہدین امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے ان قواعد سے پورا پورا استفادہ کیا۔ اسی لیے امام شافعی نے فرمایا الفقہاء کلہم عیال ابی حنیفۃ؛ تمام فقہاء امام ابوحنیفہ کے پروردہ ہیں اس کے ساتھ ساتھ علم حدیث میں بھی ان کا نہایت اونچا مقام ہے۔ فن حدیث میں انہوں نے کتاب الآثار کو تصنیف کیا جس کی پوری تحقیق ہم اس سے متعلق عنوان کے تحت ذکر کر چکے ہیں؛

اسلوب امام مالک کسی عنوان کو ثابت کرنے کے لیے اولاً حدیث مسند وارد کرتے ہیں اور اگر حدیث مسند نہ مل سکے تو توقعات تابعین سے حدیث مرسل روایت کرتے ہیں جب حدیث مرسل بھی نہ مل سکے تو بلاغات کو وارد کرتے ہیں اس کے بعد آثار صحابہ کی طرف رجوع کرتے ہیں آثار میں حضرت عمر کے قضایا اور حضرت عبداللہ بن عمر کے فتاوی کو مقدم رکھتے ہیں۔ صحابہ کے بعد اقوال تابعین کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ تابعین بھی فقہاء مدینہ کو ترجیح دیتے ہیں اور خاص طور پر سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، قاسم، سالم، سلیمان بن یسار، ابوسلمہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ابوبکر بن عمرو اور عمر بن عبدالعزیز کے اقوال کا ذکر کرتے ہیں۔ بعض جگہ امام مالک کسی عنوان کے تحت احادیث مسندہ، آثار اور فتاوی تابعین ذکر کرنے کے بعد اپنی رائے بھی ذکر کرتے ہیں۔

مثلاً انہوں نے باب وضوء النائم ان قام الی الصلوٰۃ۔ کے تحت حدیث وارد کی:۔

عن ابی هریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا استیقظ احدکم من نومہ فلیغسل یدہ قبل ان یدخلہا فی وضوئہ فان احدکم لایدری این باتت یدہ۔

اس کے بعد حضرت عمر کا اثر وارد کیا۔ [اذا نام احدکم مضطجعا فلیتوضأ] اور آیۂ وضو کی تفسیر میں زید بن اسلم کا یہ قول پیش کیا۔ ان ذلک اذا قمتم من المضاجع یعنی النوم اور اخیر میں اپنی رائے پیش کی۔ قال مالک الامر

عندنا انه لایتوضؤ الامن حدث یخرج من دبر او ذکر او منام [۱] موطا میں صرف احکام سے متعلق احادیث بیان کی گئی ہیں۔ تفسیر، اشراط اور مناقب سے متعلق احادیث روایت نہیں کی گئی ہیں اس لحاظ سے یہ کتاب اقسام کتب حدیث میں سے سنن کے ذیل میں آتی ہے۔

بلاغات موطا امام مالک میں بلاغات بکثرت موجود ہیں اس لیے ضروری ہے کہ بلاغات کی وضاحت کردی جائے اگر کسی شخص کو کوئی حدیث لکھی ہوئی مل جائے اور وہ خط تحریر سے اس حدیث کے لکھنے والے کو پہچانتا ہو تو بشرط اجازت اس حدیث کو روایت کرسکتا ہے اسکو فن حدیث کی اصطلاح میں وجادت کہتے ہیں۔ امام مالک نے اہل علم کی کتب اور ان کے نوشتوں میں جو احادیث لکھی ہوئی پائیں تو ان کو بلغہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صیغہ کے ساتھ روایت کردیا۔ اس قسم کی تمام روایات فنی طور پر منقطع کا حکم رکھتی ہیں اس کی ایک مثال یہ ہے: مالک انه بلغه ان عبد اللہ بن مسعود کان یقول من قبلة الرجل امرأته الوضوء۔ [۲] اس لحاظ سے امام مالک کی تمام بلاغات وجادت کے تحت آتی ہیں:

اسانید امام مالک نے احادیث مسندہ عام طور پر حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت انس، حضرت جابر، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت سہل بن سعد سے روایت کی ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر کی احادیث عموماً نافع یا عبداللہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ کی روایات عروہ، قاسم، ہشام اور عبدالرحمن سے حضرت ابوہریرہ کی احادیث، عن ابی الزناد عن الاعرج یا عن العلاء بن عبد الرحمن عن ربیعہ یا عن ابن شہاب عن سعید ابن مسیب سے روایت کرتے ہیں حضرت انس کی احادیث ابن شہاب، ربیعہ، اسحٰق بن عبداللہ، حمید اور عبداللہ بن

[۱] امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ، موطاء امام مالک ص ،
[۲] ایضاً ، ، ، ص ۱۵

ابی بکر سے روایت کرتے ہیں حضرت جابر کی احادیث ابو الزبیر، وہب بن کیسان اور محمد بن منکدر سے روایت کرتے ہیں اور ابو سعید خدری کی احادیث محمد بن یحییٰ اور عمر بن یحییٰ عن ابیہ سے روایت کرتے ہیں اور سہل بن سعد کی احادیث غالباً ابی حازم سے روایت کرتے ہیں ؛

چار نادر حدیثیں حافظ ابن عبد البر نے چار حدیثوں کا ذکر کیا ہے جن کا متن دوسری کتابوں میں نہیں ملتا ان کی تفصیل یہ ہے :

(۱) مالک انہ بلغہ۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انی لا نسی لاسن ۔ (موطا امام مالک ص ۳۵)

(۲) مالک انہ سمع من یثق بہ من اہل العلم یقول ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اری اعمار الناس قبلہ او ماشاء اللہ من ذالک فکا نہ تقاصر اعمار امتہ عن ان لا یبلغوا من العمل مثل الذی بلغ غیرھم فی طول العمر فاعطاہ اللہ لیلۃ القدر خیرا من الف شھر۔ (موطأ امام مالک ص ۹۹)

(۳) مالک عن معاذ بن جبل انہ قال آخر ما اوصانی بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین وضعت رجلی فی العزز ان قال لی احسن خلقک للناس معاذ بن جبل ؛ (موطأ امام مالک ص ۳۶۴)

(۴) اذا انشأت بحریۃ ثم تشاءمت فتلک عین غدیقۃ ؛ (شرح الزرقانی للموطأ ج ۱ ص ۸)

تعداد احادیث ابو بکر العربی نے بیان کیا ہے کہ موطاء امام مالک کی کل روایت بشمول آثار صحابہ و فتاویٰ تابعین ایک ہزار سات سو بیس ہیں جن میں چھ سو مسند ہیں، دو سو باسی مرسل ہیں، چھ سو سترہ موقوف ہیں اور دو سو پچھتر اقوال تابعین ہیں ۔[۱]

---

[۱] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ مقدمہ مسوی ج ۱ ص ۱۵

موطأ امام مالک کے راوی

موطأ امام مالک کو ہر طبقہ کے لوگوں نے بکثرت روایت کیا ہے خلفاء اسلام میں سے ہارون رشید امین اور مامون نے مجتہدین میں سے امام شافعی، امام محمد بن الحسن، امام احمد بن حنبل اور امام ابو یوسف نے۔ (ان تمام مجتہدین میں صرف امام محمد بن الحسن شیبانی نے امام مالک سے بلا واسطہ موطأ کی روایت کی ہے اور باقی مجتہدین نے بالواسطہ موطاء امام مالک کو روایت کیا ہے) امام مالک کے خصوصی تلامذہ میں سے یحییٰ بن یحییٰ المصمودی ابن القاسم اور اصبغ نے اور صوفیاء میں سے ذوالنون مصری نے اور محدثین میں سے ایک کثیر جماعت نے اس کو روایت کیا ہے جن کا احصاء بہت دشوار ہے۔[1]

موطاء امام مالک کے نسخے

موطاء امام مالک کے تیس سے زیادہ نسخے ہیں ان میں یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کا نسخہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بستان المحدثین میں موطاء کے سولہ نسخوں کا بالتفصیل ذکر کیا ہے اور ہر نسخہ کے راوی کی مختصر سوانح لکھی ہے۔ اس وقت امت کے ہاتھوں میں موطاء کے دو نسخے موجود ہیں ایک یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کا اور دوسرا امام محمد بن حسن شیبانی کا۔ یحییٰ بن یحییٰ کا نسخہ موطاء امام مالک اور امام محمد کا نسخہ امام محمد کی روایت کے سبب موطاء امام محمد کے نام سے مشہور ہے:

موطأ کی شروح و تعلیقات

موطاء امام مالک چونکہ فن حدیث میں سب سے پہلی کتاب تھی اس وجہ سے اس کو بہت زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی اور بے شمار لوگوں نے اس پر شروح، حواشی اور تعلیقات سپرد قلم کیے ہیں۔ ذیل میں بعض شروح کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) **تفسیر الموطاء:** یہ شرح ابو مروان عبدالملک بن حبیب بن سلیمان المالکی المتوفی سنہ ۲۳۹ھ کی تصنیف ہے۔

(۲) **شرح الموطاء:** یہ کتاب حمد بن محمد الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ کی تصنیف ہے۔

---

[1] شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ — مقدمہ مسوی ج ۱ ص ۲۲

(۳) شرح الموطأ :۔ یہ ابن رشیق المالکی متوفی ۴۵۶ھ کی تصنیف ہے۔

(۴) التمہید فی معانی الموطأ والاسانید :۔ یہ شرح حافظ ابو عمرو بن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ کی تالیف ہے۔

(۵) الاستذکار لمذہب علماء الامصار فیما تضمنہ الموطأ من معانی الرای والآثار :۔ یہ بھی حافظ ابن عبدالبر کی تصنیف ہے۔

(۶) شرح الموطأ :۔ یہ شرح ابو الولید الباجی سلیمان ابن خلف بن سعد بن ایوب المالکی المتوفی ۴۷۱ھ کی تصنیف ہے اور بیس جلدوں پر مشتمل ہے؛

(۷) المقتبس :۔ یہ شرح ابو محمد عبداللہ بن محمد البطلیوسی المالکی المتوفی ۵۱۱ھ کی تصنیف ہے؛

(۸) المقتبس فی شرح موطاء مالک بن انس :۔ یہ شرح قاضی ابو بکر بن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ کی تالیف ہے اس نام کے دو شخص مشہور ہیں ایک یہ ہیں اور دوسرے محی الدین ابن العربی صاحب الولایۃ العظمیٰ ہیں؛

(۹) کشف المغطا :۔ یہ حافظ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی تصنیف ہے اور کافی ضخیم کتاب ہے؛

(۱۰) تنویر الحوالک :۔ یہ بھی حافظ سیوطی کی تصنیف ہے۔

(۱۱) السعاف المبطاء :۔ یہ کتاب بھی حافظ سیوطی کی تصنیف ہے اس میں انہوں نے رجال کی تحقیق کی ہے؛

(۱۲) شرح موطاء امام مالک :۔ یہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف مالکی زرقانی متوفی ۱۱۲۸ھ کی تصنیف ہے پانچ جلدات پر مشتمل ہے۔ مصر سے کئی بار طبع ہو چکی ہے۔

(۱۳) المحلیٰ باسرار الموطاء :۔ یہ شیخ سلام اللہ دہلوی کی تصنیف ہے جو شیخ عبدالحق دہلوی کی اولاد سے ہیں۔

(۱۴) المسوی :۔ دو جلدوں پر مشتمل ہے یہ شاہ ولی اللہ متوفی ۱۱۷۶

کی تصنیف ہے۔

(۱۵) المصفیٰ :- یہ شرح بھی شاہ ولی اللہ کی تصنیف ہے فارسی زبان میں مختصر شرح ہے۔

امام شافعی

امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی دوسری صدی ہجری کے عظیم امام اور مجتہد تھے۔ امام شافعی کا زمانہ علم اور عرفان کے عروج کا زمانہ تھا۔ ہر طرف علم وحکمت کے دھارے بہ رہے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پہنچائی ہوئی احادیث تابعین کے سینوں میں موجزن تھیں اور ان کے سینوں سے علوم وفنون کے سفینے منتقل ہو رہے تھے۔ امام شافعی کو امام مالک اور امام محمد بن حسن شیبانی جیسے یکتائے روزگار حضرات سے استفادہ کا فخر حاصل ہوا امام اعظم ابوحنیفہ کی تصانیف کے مطالعہ کا موقعہ ملا اور اخیار تابعین سے روایت کا شرف حاصل ہوا انہوں نے کتاب وسنت سے مسائل کے استخراج کے لیے اصول اور پیمانے وضع کیے اور فقہ میں بڑا نام پیدا کیا ان کی شہرت شرق وغرب میں پھیل گئی اور ان کے ماننے والوں میں بڑے بڑے دانائے روزگار پیدا ہوئے چنانچہ محدثین اور مفسرین کی بڑی اکثریت فقہ شافعی سے ہی تعلق رکھتی ہے اور آج انڈونیشیا، ملائشیا مصر اور دیار عرب کے اکثر علاقوں میں آپ کے مقلدین موجود ہیں۔

ولادت وسلسلۂ نسب امام شافعی کو یہ فخر حاصل ہے کہ ان کا سلسلۂ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ حافظ ابونعیم نے ان کا سلسلہ نسب اس طرح ذکر کیا ہے۔ ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب بن عبد مناف۔ غزہ یا عسقلان کے مقام پر ۱۵۰ھ میں امام شافعی کی پیدائش ہوئی۔[1]

عام حالات:۔ دو سال کی عمر میں آپ کی والدہ آپ کو لے کر مکہ مکرمہ

---

[1] حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۶۷

آگئیں اور آپ نے وہیں پرورش پائی اور سن تمیز سے ہی علوم وفنون کی طرف توجہ کرنی شروع کردی۔ ابتداءً شعر، لغت اور تاریخ عرب کی طرف توجہ تھی اس کے بعد تجوید، قرأت اور حدیث وفقہ کی تحصیل شروع کی[1] بارہ سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے موطا کو حفظ کرلیا اور اس کے بعد امام مالک کی خدمت میں پہنچے اور ان پر موطا کی قرأت کی[2]۔ امام شافعی نے علوم دینیہ کی طرف اپنے رجحان کا واقعہ خود اس طرح بیان فرمایا ہے کہ میں اشعار سے شغف رکھتا تھا اور عرب بدوؤں سے سماع کرتا تھا۔ ایک دن میں ذوق وشوق سے لبید کے اشعار پڑھ رہا تھا ناگاہ ایک حجبی نے مجھے نصیحت کی کہ اشعار میں پڑکر کیوں وقت ضائع کرتے ہو جاؤ جاکر فقہ کا علم حاصل کرو، امام شافعی فرماتے ہیں میرے دل پر اس کی بات کا بڑا اثر ہوا اور میں نے مکہ جاکر ابن عینیہ سے نوٹ لینے شروع کردیئے پھر مسلم بن خالد زنجی کی مجلس میں آیا اور اس کے بعد امام مالک بن انس کی خدمت میں پہنچا[3]

اساتذہ امام شافعی کو اپنے زمانہ میں بہترین افاضل اور یگانہ روزگار افاضل سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان اساتذہ میں مسلم بن خالد زنجی، مالک بن انس، ابراہیم بن سعد، سعید بن سالم القداح، دراوردی، عبدالوہاب ثقفی، ابن علیۃ، ابن عینیہ، ابی نزہ، حاتم بن اسماعیل، ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ، اسماعیل بن جعفر، محمد بن خالد الجندی، عمر بن محمد بن علی بن شافع، عطاف بن خالد المخزومی اور ہشام ابن یوسف الصنعانی[4] حافظ ذہبی نے ان کے علاوہ محمد بن علی اور عبدالعزیز بن ماجشون کا بھی ذکر کیا ہے[5]

امام محمد سے تلمذ : یوں تو امام شافعی کے فن حدیث اور فقہ میں اساتذہ

۱۔ امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ	تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۶۲
۲۔ حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ	حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۶۹
۳۔ ایضاً " " "	" " ص ۷۰
۴۔ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ	تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۵
۵۔ امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ	تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۶۱

کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن جس شخصیت کا رنگ ان میں سب سے زیادہ نظر آتا ہے وہ امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد رشید امام محمد بن حسن شیبانی ہیں، علامہ حصکفی تحریر فرماتے ہیں کہ امام محمد کے مشہور تلامذہ میں سے ایک امام شافعی ہیں۔ امام محمد نے امام شافعی کی والدہ سے شادی کی اور اپنا تمام مال اور کتابیں امام شافعی کے حوالے کر دیں۔ اور امام محمد کی تصانیف کے مطالعہ سے ہی ان میں فقاہت کا ملکہ پیدا ہوا اور امام محمد کے اسی فیضان سے متاثر ہو کر امام شافعی نے کہا جو شخص فقہ میں نام کمانا چاہتا ہو وہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب سے استفادہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے استنباط مسائل اور استخراج احکام کی راہیں ان لوگوں پر کشادہ کر دی ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ قسم بخدا مجھے فقاہت ہرگز نصیب نہ ہوتی اگر میں امام محمد کی کتب کا مطالعہ نہ کرتا اور امام شافعی نیز فرماتے ہیں :- امن الناس علی فی الفقہ محمد بن الحسن ؛ جس شخص کا فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان ہے وہ امام محمد بن حسن شیبانی ہیں۔[1]

تلامذہ امام شافعی کے حدیث اور فقہ میں بے شمار شاگرد ہیں۔ جن چند حضرات کا حافظ ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں :- سلیمان بن داؤد ہاشمی، ابوبکر عبداللہ بن الزبیر حمیدی، ابراہیم بن منذر حزامی، ابو ثور ابراہیم بن خالد، احمد بن حنبل، ابو یعقوب یوسف بن یحییٰ مزنی، ربیع ابن سلیمان مرادی، ربیع بن سلیمان جنیدی، عمرو بن سواد عامری، حسن بن محمد بن صباح، زعفرانی، ابوالولید موسیٰ بن جارود مکی، یونس بن عبدالاعلیٰ اور ابو یحییٰ محمد بن سعید بن غالب عطار۔[2]

شمائل و خصائل امام شافعی طبعاً فیاض تھے۔ اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ بے حد غیور اور خود دار تھے۔ اہل جاہ و حشم اور ارباب ثروت و اقتدار سے کبھی کسی چیز کی طمع اور توقع نہ رکھتے اس کے ساتھ ساتھ بحد خلیق اور با مروت تھے۔ اگر کوئی شخص کبھی محبت اور عقیدت سے کوئی نذرانہ پیش کرتا تو

---

[1] حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ — تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۶-۱۷۲

[2] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۵

اس کو رد نہیں کرتے تھے۔ تاہم فیاضی طبع کی بنا پر اس کو پاس رکھتے بھی نہیں تھے۔
بارہا ایسا ہوا کہ خلیفہ ہارون رشید کی دعوت پر دربار میں گئے اس نے اشرفیوں کی تھیلیاں
نذر کیں اور آپ واپسی میں دونوں ہاتھوں سے ان اشرفیوں کو تقسیم کرتے ہوئے چلے
گئے۔ یہاں تک کہ جب گھر پہنچے تو آپ کے پاس اس نذرانے میں سے ایک درہم
بھی نہیں رہتا تھا۔

حمیدی روایت کرتے ہیں کہ امام شافعی جب صنعاء سے مکہ مکرمہ میں آئے تو آپ
کے پاس دس ہزار دینار تھے آپ نے ایک جگہ خیمہ نصب کر کے قیام فرمایا، لوگوں کو پتہ
چلا تو مختلف اطراف سے بے شمار لوگ ملاقات کے لیے حاضر ہوئے جن میں بہت سے لوگ
ضرورت مند بھی تھے۔ حمیدی کہتے ہیں کہ جب آپ لوگوں کی ملاقات سے فارغ ہوئے تو
آپ کے پاس ایک دینار بھی باقی نہیں رہا تھا۔[1]

ربیع کہتے ہیں کہ ایک روز امام شافعی کے پاس صرف ایک دینار تھا۔ ان کی خدمت
میں ایک شخص حاضر ہوا اور اپنی ضرورت بیان کی آپ نے وہ دینار اٹھا کر اسے دے دیا۔
حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا آپ اس شخص کو ایک یا دو درہم دے دیتے اور باقی
اپنی ضروریات کے لیے رکھ لیتے۔ فرمایا مجھ سے کوئی شخص ایسی کسی چیز کا سوال کرے جو میرے
پاس ہو اور میں اس کو نہ دوں مجھے اس سے شرم آتی ہے۔[2]

مزنی کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے بڑھ کر کوئی فیاض شخص نہیں دیکھا ایک شب
میں ان کے ساتھ مسجد سے ان کے گھر تک آیا۔ میں کسی شرعی مسئلہ میں ان سے گفتگو کر رہا تھا
اتنے میں ایک غلام آیا اور کہنے لگا میرے آقا نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ تھیلی نذر کی
ہے۔ آپ نے وہ تھیلی رکھ لی تھوڑی دیر بعد ایک شخص آیا اور اس نے کہا میری بیوی کے ہاں بچہ
پیدا ہوا ہے اور ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ نے وہ تھیلی اٹھا کر اسے دے دی۔[3]

---

[1] حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ — حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۳۰
[2] ایضاً " " " " " " " "
[3] ایضاً " " " " " " " ص ۱۳۲

یحییٰ بن علی امام شافعی سے روایت کرتے ہیں۔ آپ فرماتے تھے کہ کرم اور سخاوت انسان کے دنیا اور آخرت میں عیوب کی پردہ پوشی کرتے ہیں الاّ یہ کہ العیاذ باللہ وہ شخص کسی گمراہی کا شکار ہو جائے۔[1]

زہد و تقویٰ

امام شافعی رضی اللہ عنہ علمی وجاہت اور فقہی متانت کے باوجود عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ میں قدم راسخ رکھتے تھے۔ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں ان کی عبادت کے جو واقعات بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے ہر واقعہ اپنی جگہ ایک خرق عادت اور مستقل کرامت معلوم ہوتا ہے۔

ربیع ابن سلیمان کہتے ہیں کہ امام شافعی رمضان کے نوافل میں ساٹھ مرتبہ قرآن کریم کو ختم کرتے تھے۔ عام ایام میں وہ رات کے تین حصے کرتے۔ پہلے حصہ میں تصنیف و تالیف کا کام کرتے اور دوسرے میں نوافل پڑھتے اور تیسرے حصہ میں نیند کیا کرتے تھے۔[2]

ابراہیم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے عمدہ کسی شخص کو نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ کہتے ہیں ان کی نماز مسلم بن خالد کی نماز کے مشابہ تھی اور ان کی نماز مسلم بن جریج کی نماز کے مماثل تھی اور مسلم بن جریج کی نماز عطا کی نماز سے اور عطا کی نماز عبداللہ بن زبیر سے اور عبداللہ بن زبیر کی نماز ابوبکر صدیق سے اور ابوبکر صدیق کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے اور رسول اللہ کی نماز جبریل امین کی نماز سے مشابہ تھی۔[3]

ایک مرتبہ کوئی شخص قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کر رہا تھا۔ ھذا یوم لا ینطقون ولا یؤذن لھم فیعتذرون ۔ اس آیت کو سنتے ہی امام شافعی کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ جسم پر لرزہ طاری ہوا اور خوف الٰہی کی شدت سے ہوش و حواس جاتے رہے اور وہیں سر بسجدہ ہو کر گر پڑے جب ہوش آیا تو کہنے لگے:۔ اللھم انی اعوذ بک من مقام الکذابین ومن اعراض الجاھلین ھب لی

---

[1] حافظ ابو نعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۲۴ تا ۱۲۵

[2] ایضاً " " " " " ص ۱۲۴

[3] ایضاً " " " " " ص ۱۲۵

من رحمتك وجللني بسترك واعف عني بكرمك ولا تكلني الى غيرك ولا تقنطني من خيرك ؛ (مرقاۃ ج ۱، ص ۲۱)

کلمات ستائش

امام شافعی رضی اللہ عنہ کی علمی خدمات اور عبادت وریاضت میں ان کی جلالت شان کے پیش نظر ان کے معاصرین اور متاخرین بزرگوں نے ان کی خدمت میں فراخدلی سے خراج تحسین پیش کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے :- اللهم اهد قريشا فان عالمها يملا طبق الارض ؛ (اے اللہ قریش کو ہدایت دے بلاریب قریش کا ایک عالم تمام روئے زمین کو علم سے بھر دے گا) حافظ ابونعیم لکھتے ہیں " کہ اس حدیث میں جس قریش کے عالم کی پیش گوئی کی گئی ہے اس کا مصداق امام ابوعبداللہ شافعی رضی اللہ عنہ ہیں " اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آج دنیا کے اکثر علاقوں میں فقہ شافعی پڑھائی جاتی ہے۔ امام شافعی کے اجتہاد واستنباط سے علم وحکمت کے جو چشمے پھوٹے تھے۔ ان کی فیض آفرینوں سے آج پوری امت سیراب ہو رہی ہے مسلک شافعی نے لاتعداد محدث، فقیہہ اور مفسر پیدا کیے جن کی علمی تحقیقات اور نظری کاوشوں سے بلا امتیاز مسلک تمام ملت اسلامیہ استفادہ کر رہی ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں تیس سال سے میری کوئی رات ایسی نہیں گذری جس رات میں میں امام شافعی کے لیے دعا نہ کرتا ہوں۔ زعفرانی کہتے ہیں جس طرح علماء یہود میں عبداللہ بن سلام منفرد تھے اسی طرح علماء اسلام میں امام شافعی ممتاز ہیں۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو امام شافعی سے زیادہ کسی اور شخص کی طرف مائل ہوتے نہیں دیکھا؛ ابوعبید کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا۔ اور ابوثور کہتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ میں نے فصاحت بیان اور علم وفضل میں امام شافعی سے بڑھ کر کسی شخص کو دیکھا ہے وہ اپنے قول میں جھوٹا ہے۔[1]

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۶ تا ۲۸

پند و نصائح امام شافعی کے نصیحت آمیز اقوال اور حکمت سے لبریز کلام کو بھی تذکرہ نویسوں نے جمع کیا ہے جس سے لوگوں کے لیے امام شافعی کی خیر خواہی کے جذبات کا پتہ چلتا ہے۔ امام شافعی طلباء کے بارے میں فرماتے ہیں کہ علم کی طلب کرنا نفلی نماز سے بہتر ہے اور جو شخص دنیا اور آخرت کی سعادت چاہتا ہو وہ علم اور اس کے مقتضی پر عمل کو لازم کرے۔ نیز فرمایا جو شخص اپنی عزت اور وجاہت کو قائم رکھ کر انانیت سے علم حاصل کرنا چاہے وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔ اور جو عجز و انکساری سے علم حاصل کرے وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ علماء کے بارے میں فرماتے ہیں، علماء کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی عیب نہیں کہ وہ دنیا میں رغبت اور آخرت سے زہد کریں، فرمایا علما کا فقر اختیاری اور جہال کا فقر اضطراری ہوتا ہے۔ نیز فرمایا جو شخص اپنے احباب کو تنہائی میں نصیحت کرتا ہے وہ اس کی خیر خواہی کرتا ہے۔ اور جو لوگوں کے سامنے اس کو نصیحت کرتا ہے وہ اس کو رسوا کرتا ہے اور فرمایا تواضع بلند کردار لوگوں کی صفت ہے اور تکبر بد خلق لوگوں کا طریقہ ہے آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ اگر علماء اللہ تعالیٰ کے اولیا نہیں ہوتے تو پھر کوئی شخص اللہ کا ولی نہیں کیونکہ وہ جاہلوں کو اپنا دوست نہیں بناتا۔[1]

تصنیف و تالیف امام شافعی کی زندگی کا اکثر حصہ درس و تدریس، علمی مباحث مسائل کے استنباط اور افتاء وغیرہ کی مصروفیت میں گذرا اس کے باوجود انہوں نے مختلف موضوعات پر تصنیف و تالیف کی گراں قدر خدمات بھی انجام دی ہیں۔

ابو ثور اپنے کلم محترم سے روایت کرتے ہیں کہ عبد الرحمٰن بن مہدی نے امام شافعی کی خدمت میں لکھا کہ وہ ان کے لیے ایک ایسی کتاب لکھ دیں جس میں قرآن کے معانی معتبر احادیث اور اس کے ساتھ ساتھ اجماع اور ناسخ و منسوخ کا بھی بیان ہو۔ ان کی فرمائش پر امام شافعی نے اپنے عنوان شباب میں کتاب الرسالة کے نام سے ایک کتاب لکھی جو مذکورہ بالا تمام مقاصد پر

---

[1] ملا علی قاری ہروی متوفی ۱۰۱۴ھ   مرقاۃ ج ۱ ص ۲۱

مشتمل تھی۔[1]

مزنی بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی کو شہسواری اور تیر اندازی میں زبردست مہارت حاصل تھی اور انہوں نے اس موضوع پر سب سے پہلے کتاب السبق الرمی کے نام سے ایک کتاب پیش کی۔[2]

فن حدیث میں امام شافعی کی روایات کو کتاب الام اور کتاب المبسوط میں ان کے تلامذہ نے جمع کیا ہے۔ لیکن جو کتاب امام شافعی کی روایات کی جامع ہے وہ مسند شافعی ہے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔ مسند امام شافعی ان احادیث مرفوعہ کا مجموعہ ہے جنہیں خود امام شافعی رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں کے سامنے مع سند بیان کرتے تھے۔ امام شافعی کی بعض روایات کا ابو العباس محمد بن یعقوب الاصم نے ربیع بن سلیمان مرادی سے سماع کرکے ان کو کتاب الام اور مبسوط کے ضمن میں جمع کر دیا تھا ابو العباس اصم نے ان تمام روایات کو ایک جگہ جمع کرکے مجموعہ کا نام مسند شافعی رکھ دیا ہے۔ ربیع بن سلیمان نے ان تمام احادیث کا امام شافعی سے بلا واسطہ سماع کیا ہے۔ البتہ جزء اول کی چار حدیثوں کو انہوں نے بویطی کے واسطے سے روایت کیا ہے۔ جامع اور ملتقط کی احادیث کو ابو جعفر محمد بن مطر نیشاپوری نے ابواب ام اور مبسوط سے انتخاب کرکے جمع کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان احادیث کو بھی ابو العباس اصم نے جمع کیا ہے اور محمد بن مطر صرف کاتب تھے۔

مسند امام شافعی اگرچہ مسند کے نام سے مشہور ہے لیکن اس کی ترتیب نہ مسانید کے اعتبار سے ہے اور نہ ابواب کے لحاظ سے بلکہ اس میں کیف ما اتفق احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے اسی وجہ سے اس مجموعہ میں احادیث کا تکرار بہت زیادہ ہے۔[3]

وصال: امام شافعی پوری زندگی ملت اسلامیہ کی خدمت کرتے رہے، انہوں

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۷

[2] ایضاً " " " " " — ص ۳۱

[3] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ — بستان المحدثین ص ۹۰

نے اپنی زندگی کی ۵۲ بہاریں چمن اسلام کے نکھار میں گذار دیں اور ماہ رجب کی آخری تاریخ کو جمعہ کی شب مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد ۲۰۴ھ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا مزار مبارک مصر کے شہر قرافہ میں ہے۔

مزنی بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی جب مرض موت میں مبتلا تھے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے پوچھا حضور کیا حال ہے۔ فرمایا دنیا سے کوچ اور احباب سے جدائی کا وقت ہے۔ موت کا پیالہ پیش ہوا چاہتا ہے۔ اور نتیجہ اعمال نکلنے والا ہے بعنقریب اللہ کے دربار میں حاضری ہوگی۔ کون جانے کہ میری روح جنت کی طرف روانہ ہوگی جس پر میں اس کو مبارک باد دوں یا نار کی طرف جس پر میں اس سے تعزیت کروں پھر آپ پر گریہ طاری ہو گیا۔ اور آپ وجد کی حالت میں بار بار یہ شعر پڑھتے رہے۔

تعاظمنی ذنبی فلما قرنتہ ۔۔۔ بعفوک ربی کان عفوک اعظما[1]

میرے گناہ بہت بڑے بڑے ہیں لیکن میں تیری رحمت کی طرف نظر کرتا ہوں تو وہ میرے گناہوں کی نسبت کہیں زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

---

[1] ملا علی قاری ہروی متوفی ۱۰۱۴ھ مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۲۱

امام احمد بن حنبل

حدیث اور فقہ کے امام، عابد و زاہد، اقلیم ابتلاء کے شہنشاہ، حرمت قرآن کے پاسبان یہ ہے وہ عظیم شخصیت جنہیں دنیا امام احمد بن حنبل کے نام سے پکارتی ہے۔ علم حدیث میں ان کا بڑا فیضان ہے۔ بخاری، مسلم اور ابوداؤد جیسے آئمہ حدیث ان کے حلقۂ شاگردی میں ت گرد تھے۔ یزید بن ہارون ان کی تعظیم کرتے تھے۔ امام شافعی اور امام عبدالرزاق ان کے علم و فضل پر تحسین اور ان کے عزم و استقلال پر آفرین کہتے تھے۔ عباس عنبری نے کہا وہ حجت ہیں ابن مدینی نے کہا وہ احفظ ہیں اور قتیبہ نے کہا وہ دنیائے علم کے امام ہیں؛

ولادت اور نام و نسب

آپ کا پورا نام اس طرح ہے امام ابو عبداللہ احمد بن حنبل بن ہلال بن اسد اللہ الذہلی الشیبانی المروزی البغدادی۔

آپ ماہ ربیع الاول ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے[1]

ابتدائی حالات

ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے فن حدیث کی طرف توجہ کی اور پندرہ سال کی عمر میں احادیث کا سماع کرنے کے لیے ۱۷۹ھ میں سب سے پہلے بغداد کے مشہور شیخ ہیثم کی خدمت میں چلے گئے۔ اسی سال عبداللہ بن مبارک بغداد میں تشریف لائے۔ امام احمد کو اس کا علم ہوا تو ان کی مجلس میں پہنچے معلوم ہوا کہ وہ طرطوس چلے گئے اور دو سال بعد ان کا وہیں انتقال ہو گیا[2]

---

[1] امام ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۴۳۱

[2] حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۶۲

ہیثم کی وفات کے بعد امام احمد نے بغداد کے علاوہ دوسرے شہروں کا رُخ کیا اور مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ، شام، یمن اور جزیرہ کے مشائخ وقت سے سماع حدیث کیا۔[1]

اساتذہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام احمد بن حنبل کے جن اساتذہ کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں۔ بشر بن مفضل، اسماعیل بن علیہ، سفیان بن عیینہ، جریر بن عبدالحمید، یحییٰ بن سعید القطان، ابو داؤد طیالسی، عبداللہ بن نمیر، عبدالرزاق، علی بن عیاش حمصی، امام شافعی، معتمر بن سلیمان[2] اور علامہ ذہبی نے ان کے علاوہ ہیثم، ابراہیم بن سعد، عباد بن عباد اور یحییٰ بن ابی زائدہ کا بھی ذکر کیا ہے۔[3]

تلامذہ امام احمد بن حنبل کو درس و تدریس میں کئی بار مشکلات اٹھانی پڑیں۔ مامون رشید کے عہد میں جبراً آپ کو افتاء اور تدریس سے روک دیا گیا لیکن کسی دور میں بھی قید و بند کی صعوبتیں اور جبر و استبداد کی زنجیریں میدانِ تدریس میں آپ کا راستہ نہ روک سکیں اور علمِ حدیث میں آپ کا فیضان سیلِ رواں کی مانند بڑھتا چلا گیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی آپ کے تلامذہ کی فہرست میں ان مشہور زمانہ محدثین کا ذکر کرتے ہیں، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، اسود بن عامر، شاذان اور ابن مہدی امام احمد کے اساتذہ میں سے امام شافعی، ابوالولید، عبدالرزاق، وکیع، یحییٰ بن آدم اور یزید بن ہارون نے آپ سے سماع کیا۔ اور آپ کے زمانہ کے اکابرین میں سے قتیبہ، داؤد بن عمرو، خلف بن ہشام نے آپ سے سماع کیا ہے اور معاصرین میں سے احمد بن ابی حواری، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، حسین بن منصور، زیاد بن ایوب، رحیم، ابو قدامہ سرخسی، محمد بن رافع اور محمد بن یحییٰ بن ابی سمینہ نے آپ سے سماع حدیث کیا اور عام تلامذہ میں سے آپ کے دو صاحبزادے عبداللہ اور صالح اور ان کے علاوہ

---

[1] ملا علی قاری ہروی متوفی ۱۰۱۴ھ — مرقات ج ۱ ص ۲۲

[2] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۰

[3] امام ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ — تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۴۳۱

ابوبکر اثرم، حرب کرمانی، یحییٰ بن مخلد، حنبل بن اسحاق، شاہین بن سمیدع میمونی اور ان کے علاوہ بے شمار لوگوں نے سماع کیا [1]

کلمات ستائش امام احمد بن حنبل کے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور ابتلاء اور امتحان میں ان کی استقامت پر ان کے زمانہ کے اکابر، معاصرین اور معتقدین نے بے پناہ خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ حافظ ابونعیم نے ان تمام کلمات کو اپنی مکمل سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم ان میں سے بعض کلمات کو حذفِ اسانید کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

امام ابوداؤد سجستانی فرماتے ہیں میں نے دو سو ماہرینِ علم سے استفادہ کیا لیکن ان میں امام احمد بن حنبل کی مثل کوئی نہ تھا۔ وہ کبھی عام دنیاوی کلام نہیں کرتے تھے جب گفتگو کرتے تو موضوعِ سخن کوئی علمی مسئلہ ہوتا۔ اسی طرح حافظ ابو زرعہ بھی کہتے تھے کہ امام احمد علم و فن میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے [2]

سعید بن خلیل کہتے تھے کہ اگر امام احمد بن حنبل بنی اسرائیل میں ہوتے تو بلاشبہ ایک معجزہ کہلاتے۔ اور ابو العباس احمد بن ابراہیم کہتے تھے کہ جس طرح حضرت ابوبکر صدیق کے بعد کے تمام مسلمانوں کی نیکیاں حضرت ابوبکر کے میزان میں ہیں اسی طرح امام احمد بن حنبل کے بعد کے تمام لوگوں کا علم و کمال امام احمد کے میزان میں ہے [3]

قتیبہ بن سعید کہتے تھے کہ اگر امام احمد بن حنبل، امام مالک، سفیان ثوری اور اوزاعی کے زمانہ میں ہوتے تو علم و فضل میں ان پر مقدم ہوتے۔ نیز وہ کہتے تھے اگر امام احمد نہ ہوتے تو دنیا سے تقویٰ اٹھ جاتا [4]

اور اسحاق بن راہویہ کہتے تھے کہ اگر اسلام کی خاطر امام احمد بن حنبل کی قربانیاں

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۷۲

[2] حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ متوفی ۴۳۰ھ — حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۶۴

[3] ایضاً ۔ ۔ ۔ ایضاً ۔ ۔ ص ۱۶۹

[4] ایضاً ۔ ۔ ۔ ایضاً ۔ ۔ ص ۱۶۸

نہ ہوتیں تو آج ہمارے سینوں میں اسلام نہ ہوتا۔[1]

ابو عبد اللہ سجستانی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا پوچھا حضور اس زمانہ میں ہم کس کی اقتدار کریں؟ فرمایا! احمد بن حنبل کی۔[2]

زہد و تقویٰ امام احمد بن حنبل فقر و فاقہ میں استغنا کی شان رکھتے تھے ایک مرتبہ کھانے کے لیے کچھ نہ تھا۔ مجبور ہو کر اپنی نعلیں گروی رکھ کر روٹیاں خریدیں۔ امام عبد الرزاق کو پتہ چلا تو انہوں نے آپ کو رقم مہیا کی لیکن آپ کے غیور ضمیر نے ان سے کچھ لینا گوارا نہیں کیا اور خود محنت و مشقت کر کے اپنی ضرورت پوری کی۔[3]

حسن بن عبد العزیز کو ایک لاکھ دینار وراثت سے ملے اس نے ان میں سے تین ہزار دینار آپ کی خدمت میں پیش کیے اور عرض کیا کہ یہ مال حلال ہے آپ اس سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے عیال پر خرچ کریں لیکن آپ نے یہ کہہ کر وہ دینار واپس کر دیئے کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔[4]

علمی اور نظری مصروفیات کے باوجود امام احمد عبادات میں قدم راسخ رکھتے تھے۔ عبد اللہ بن احمد بن حنبل بیان کرتے ہیں کہ آپ دن اور رات میں تین سو نوافل پڑھا کرتے تھے اور جب آپ کی عمر پچپن سال کو پہنچی تو آپ مسئلہ خلق قرآن کے امتحان میں مبتلا ہو گئے آپ کے جسم پر کوڑے مارے جاتے تھے لیکن آپ اس حال میں بھی روزانہ ڈیڑھ سو نوافل پڑھا کرتے تھے۔[5]

---

[1] حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۷۱

[2] ایضاً " " " ایضاً " ص ۱۹۳

[3] ایضاً " " " ایضاً " ص ۱۷۵

[4] ایضاً " " " ایضاً " ص ۱۷۵

[5] ایضاً " " " ایضاً " ص ۱۸۱

عبداللہ بن احمد یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آپ راتوں کو نوافل میں قرآن پڑھا کرتے تھے اور سات راتوں میں ایک قرآن مجید ختم کر لیتے تھے۔ نیز وہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو امام احمد بن حنبل کی تلاش ہوتی تو وہ یا اس کو مسجد میں ملتے یا نماز جنازہ میں یا کسی مریض کے ہاں عیادت میں [1]

محبت رسول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جزو ایمان ہے اگر کسی انسان کا دل حضور کی نفس محبت سے خالی ہو تو اس میں نفس ایمان نہیں ہوتا۔ اور اگر کمال محبت سے خالی ہو تو اس میں کامل ایمان نہیں ہوتا۔

امام احمد بن حنبل کا دل محبتِ رسول سے معمور اور دماغ خوشبوئے رسالت سے مہکتا رہتا تھا۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ امام احمد کے پاس حضور کا ایک موئے مبارک تھا وہ اس مقدس بال کو اپنے ہونٹوں پر رکھ کر بوسہ دیتے کبھی آنکھوں سے لگاتے اور جب کبھی بیمار ہوتے تو اس بال کو پانی میں ڈال کر اس کا غسالہ پیتے اور شفا حاصل کرتے۔ [2]

تواضع امام احمد بارگاہِ الٰہی میں مقبول اور بے حد مستجاب الدعوات تھے۔ لوگ کثرت کے ساتھ ان کی خدمت میں دعا کے لیے حاضر ہوتے لیکن وہ خوش اسلوبی سے ان کو ٹال دیا کرتے۔

علی بن ابی حرارۃ بیان کرتے ہیں کہ ان کی ماں اپاہج تھی چل نہیں سکتی تھی۔ وہ دعا کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دروازہ کھٹکھٹایا، پوچھا کون ہے؟ بتایا میں فلاں ہوں۔ پوچھا کیا کام ہے؟ بتلایا کہ میری ماں اپاہج ہے ہر وقت بیٹھی رہتی ہے چلنے پھرنے سے معذور ہے اس کے لیے دعا کیجیے آپ یہ سن کر ناراض ہوئے اور فرمایا تمہاری ماں سے زیادہ ہم خود دعا کے محتاج ہیں ان سے کہو وہ خود ہمارے لیے دعا کریں۔ جب علی واپس گھر پہنچے تو دیکھا کہ ان کی والدہ گھر میں ٹھیک ٹھاک

---

[1] حافظ ابو نعیم اصبہانی احمد بن عبداللہ متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۸۴

[2] ایضاً ۔ ۔ ۔ ۔ ایضاً ۔ ۔ ۔ ص ۱۸۳

چل پھر رہی تھیں [۱]

امام احمد اور فتنہ خلق القرآن

۲۱۲ھ، آئمہ مسلمین اور مقتدایان قوم کے لیے انتہائی صبر آزما سال تھا۔ اسی سال عباسی خلفاء کے ایک خلیفہ مامون رشید نے خلق قرآن کے مکروہ عقیدہ کا اظہار کیا اور علماء معتزلہ کی معاونت سے اس عقیدہ کو پھیلاتا رہا۔ ۲۱۸ھ میں اس نے بغداد میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم معتزلی کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے " انا جعلناہ قرانا عربیًا " اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کو مجعول قرار دیا اور جو مجعول ہو وہ مخلوق ہے لہٰذا جو شخص قدم قرآن کا عقیدہ رکھتا ہے اس کا عقیدہ قرآن مجید کی نص صریح کا انکار ہے تم بغداد کے تمام علماء اور معتقد لوگوں کو جمع کرو اور ان پر یہ عقیدہ پیش کرو۔ جو مان لے اس کو امان دو اور جو نہ مانے ان کے جوابات لکھ کر مجھے بھیج دو۔ بہت سے سرکردہ لوگ اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور کتنے ہی لوگوں نے جان بچانے کی خاطر خلق قرآن کا عقیدہ قبول کر لیا۔ امام احمد بن حنبل سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہتا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ قاضی اسحاق بن ابراہیم نے یہ جواب مامون رشید کو لکھ بھیجا۔ مامون رشید نے جواب میں لکھا جو شخص عقیدہ خلق قرآن سے موافقت نہ کرے اس کو درس اور افتاء سے روک دو۔

کچھ عرصہ بعد مامون رشید نے قاضی بغداد کو لکھا جو لوگ عقیدہ خلق قرآن سے موافقت نہ کریں ان کو قید کر کے فوج کے حوالے کر دو۔ اگر خلق قرآن کا اقرار کر لیں تو ٹھیک ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ اس دھمکی سے مرعوب ہو کر احمد بن حنبل، محمد بن نوح اور قواریری کے سوا بغداد کے تمام علماء نے خلق قرآن کا اقرار کر لیا۔ قاضی کے حکم سے امام احمد وغیرہ کو قید کر کے مامون کی طرف بھجوا دیا گیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ مامون ان مردان خدا پر تلوار اٹھاتا، سیف قضا نے خود اس کا کام تمام کر دیا۔ [۲]

---

[۱] حافظ ابو نعیم اصبہانی احمد بن عبداللہ متوفی ۴۳۰ھ   حلیۃ الاولیاء، ج ۹ ص ۱۸۱

[۲] حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ   تاریخ الخلفاء، ۲۳۶ تا ۲۴۰ ملخصاً

امام احمد کے شاگرد احمد بن غسان کہتے ہیں کہ خلیفہ کے حکم پر مجھے اور امام احمد ابن حنبل کو گرفتار کر کے اس کے پاس لے جایا جا رہا تھا راستہ میں امام احمد بن حنبل کو یہ خبر پہنچی کہ خلیفہ ماموں رشید نے قسم کھائی ہے کہ اگر احمد بن حنبل نے خلق قرآن کا قول نہ کیا تو تو وہ ان کو اور ان کے شاگرد کو مار مار کر ہلاک کر دے گا۔ اس وقت امام احمد نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا۔ اے اللہ آج اس فاجر کو یہاں تک جرأت ہو گئی ہے کہ یہ تیرے اولیاء کو للکارتا ہے۔ اگر تیرا قرآن غیر مخلوق ہے تو تو ہم سے اس مشقت کو دُور فرما۔ ابھی رات کا ایک تہائی حصہ بھی نہیں گزرا تھا کہ سپاہی دوڑتے ہوئے آئے اور کہا اے ابو عبداللہ تم واقعی سچے ہو اور قرآن غیر مخلوق ہے قسم بخدا خلیفہ ہلاک ہو گیا[1]

۲۱۸ھ میں ماموں رشید ہلاک ہوا اور اس کا بھائی معتصم باللہ بن ہارون رشید تختِ حکومت پر قابض ہوا۔ ماموں کی طرح معتصم بھی اعتزال کا حامی تھا۔ اس نے حکومت سنبھالنے کے بعد عقیدہ اعتزال کی ترویج شروع کی۔ پہلے مختلف حیلوں سے امام احمد کو اعتزال کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ بالآخر ۲۲۰ھ میں اس نے امام احمد بن حنبل کو دربارِ خلافت میں طلب کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب امام احمد کی عمر ۵۶ سال کی ہو چکی تھی۔ شباب رخصت ہو چکا تھا اور ان کا جسم بڑھاپے کی سرحد میں داخل اور نحیف و نزار تھا لیکن اعصاب فولاد کی طرح مضبوط اور قوت ارادی چٹان سے کہیں زیادہ راسخ تھی۔

خلیفہ کے سامنے ایک طویل مناظرہ ہوا۔ امام احمد کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ قرآن کلام اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اگر یہ حادث ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات محل حوادث بن جانے گی اور یہ محال ہے۔ خلیفہ سے امام احمد کی اس دلیل کا کوئی جواب نہ بن سکا۔ بالآخر معتزلی قاضی اور اس کے حواری معتزلی علماء نے کہا کہ ہم فتویٰ دیتے ہیں کہ اس شخص کا خون آپ پر مباح ہے۔ آپ اس کو قتل کر دیں۔ خلیفہ نے جلاد کو بلایا اور اس سے کہا کہ احمد بن حنبل کے جسم پر کوڑے مارو۔ ایک جلاد جب کوڑے

---

[1] حافظ ابو نعیم اصبہانی احمد بن عبداللہ متوفی ۴۳۰ھ   حلیۃ الاولیاء، ج ۹ ص ۱۹۵

مارتے مارتے شل ہو جاتا تو دوسرا جلاد آجاتا اسی طرح بار بار جلاد بدلتے رہے اور امام احمد بن حنبل صبر و استقامت سے کوڑے کھاتے رہے۔

آپ کی تصانیف

امام احمد بن حنبل کی مشہور و معروف تالیف آپ کی مسند ہے۔ جس کو آپ نے بیاض کی صورت میں جمع فرمایا تھا اور اس کی باقاعدہ ترتیب کیلئے انکو مہلت نہ ملی۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ اور اس مسند احمد کے راوی حضرت ابوبکر قطیعی نے اس میں کچھ زیادات کیے اور پھر اس کی ترتیب کی خدمت حضرت عبداللہ مذکور نے سرانجام دی۔ یہ مسند اٹھارہ مسندوں کا مجموعہ ہے۔ جس میں کل چالیس ہزار اور بحذف مکررات تیس ہزار احادیث ہیں جن کو امام احمد نے ساڑھے سات لاکھ اور بقول حضرت ابو زرعہ دس لاکھ احادیث سے منتخب فرمایا۔ کیونکہ امام احمد ایک عظیم حافظ الحدیث تھے جن کو دس لاکھ تک احادیث زبانی یاد تھیں۔

اس مسند کے متعلق امام احمد نے خود فرمایا ہے کہ اس کتاب کو معیار اور مرجع قرار دیا جائے اور جو حدیث اس میں نہ ہو اس کو غیر معتبر سمجھا جائے۔ آپ کے اس ارشاد کی تشریح شاہ عبدالعزیز صاحب نے بستان المحدثین میں یوں فرمائی ہے کہ ان (غیر معتبر احادیث) سے وہ احادیث مراد ہیں جو شہرت یا متواتر المعنی کے درجہ کو نہ پہنچی ہوں ورنہ ایسی بہت سی احادیث صحیحہ مشہورہ ہیں جو اس مسند میں نہیں ہیں۔ امام احمد بن حنبل کی اس مسند کو بعض محدثین اصفہان نے فقہی ابواب پر بھی مرتب فرمایا مگر افسوس کہ وہ شائع نہ ہو سکا، البتہ اب مصر سے "الفتح الربانی" کے نام سے فقہی ابواب اور حواشی کے ساتھ غالباً چوبیس جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

آپ کی دیگر تصانیف یہ ہیں، کتاب الزہد۔ الناسخ والمنسوخ۔ المنسک الکبیر۔ المنسک الصغیر۔ حدیث شعبہ۔ فضائل الصحابہ۔ مناقب الصدیق والحسنین۔ التاریخ۔ کتاب الاشربہ کے علاوہ ایک مبسوط تفسیر بھی آپ نے تالیف فرمائی ہے۔

وصال

فتنہ خلق قرآن میں مبتلا ہونے کے بعد اکیس سال امام احمد زندہ رہے اور خلق خدا کو فیض پہنچاتے رہے۔ کوڑے کھانے سے جو اذیت اور تکلیف آپ کو پہنچی تھی وہ آخر عمر تک باقی رہی لیکن آپ پھر بھی عبادت و ریاضت

ل حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۹۷ تا ۲۰۶

ل ملا علی قاری الہروی متوفی ۱۰۱۴ھ مرقات ج ۱ ص ۲۲

پر مستقیم اور درس و تدریس میں ہمہ تن مصروف رہے۔ بالآخر ۷۷ سال کی عمر گذار کر معتصم باللہ کے بیٹے واثق باللہ کے عہد میں ۲۴۱ھ میں آپ نے جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی [۱]

بشارات

امام احمد بن حنبل نے جس طرح خدمت دین انجام دی اور امتحان میں صبر و استقامت سے کام لیا اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں بعد انعام و اکرام سے نوازا۔ حشیش بن ورد کہتے ہیں کہ میں خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا میں نے پوچھا حضور احمد بن حنبل کا کیا حال ہے؟ فرمایا عنقریب حضرت موسیٰ تشریف لاتے ہیں ان سے پوچھنا۔ جب حضرت موسیٰ تشریف لائے تو میں نے پوچھا اے اللہ کے نبی! احمد بن حنبل کا کیا حال ہے؟ فرمایا انہیں عیش و راحت اور تنگی و تکلیف میں مبتلا کیا گیا لیکن ہر حال میں ان کو صدیق پایا گیا۔ پس ان کو صدیقین کے ساتھ لاحق کر دیا گیا [۲]

مروزی کہتے ہیں میں نے وصال کے بعد امام احمد بن حنبل کو خواب میں دیکھا، انہوں نے سبز رنگ کے دو حلّے پہنے ہوئے تھے اور پیروں میں چمکتے ہوئے سونے کی دو نعلین تھیں۔ جن کے تسمے سبز زمرد کے تھے اور سر پر جواہر سے مرصع ایک تاج تھا اور وہ بڑے ناز سے چل رہے تھے میں نے پوچھا اے ابو عبداللہ یہ کیسی چال ہے؟ فرمایا یہ جنت کے خدام کی چال ہے۔ پھر میں نے پوچھا اے اللہ کے حبیب یہ آپ کے سر پر تاج کیسا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور مجھے اپنی جنت میں داخل کر لیا میرے سر پر تاج رکھا اور اپنا دیدار مجھ پر مباح کر دیا اور فرمایا اے احمد یہ تیرے القرآن کلام اللہ غیر مخلوق [۳] کہنے کا صلہ ہے۔

●●●

---

[۱] ملا علی قاری ہروی متوفی ۱۰۱۴ھ — مرقات ج ۱ ص ۲۲

[۲] حافظ ابو نعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ — حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۸۹

[۳] ایضاً — ایضاً

رحمۃ اللہ علیہ

امام محمد

حدیث وفقہ کے استاذ، امام اور مجتہد، عابد وزاہد جواد وفیاض، صاحب تصانیف کثیرہ واصل مراتب عظیمہ یہ ہے وہ شخصیت جن کا نام نامی امام محمد ہے جنہوں نے ایک لاکھ سے زیادہ مسائل مستنبط کیے۔ ہزار کے لگ بھگ کتابیں تصنیف کیں اور بے شمار شاگرد چھوڑے، خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ ابن اکثم نے یحییٰ بن صالح سے کہا تم امام مالک بن انس اور امام محمد بن حسن دونوں کی خدمت میں رہے ہو، بتاؤ ان دونوں میں کون زیادہ فقیہہ تھا۔ تو یحییٰ بن صالح نے بغیر کسی تردد کے جواب دیا امام محمد امام مالک سے زیادہ فقیہہ تھے؛

اور یہی خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ امام شافعی کہا کرتے تھے کہ علوم فقہیہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان جس شخص کا ہے وہ محمد بن حسن ہیں[1] امام ذہبی لکھتے ہیں کہ امام شافعی کہتے تھے کہ اگر میں یہ کہنا چاہوں کہ قرآن محمد بن حسن کی لغت میں اترا ہے تو میں یہ بات امام محمد کی فصاحت کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں[2] اور مولانا عبدالحیٔ لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا آپ نے یہ مسائل دقیقہ کہاں سے سیکھے، فرمایا امام محمد کی کتابوں سے۔[3]

ولادت وسلسلۂ نسب

خطیب بغدادی، حافظ ذہبی اور ابو محمد عبدالقادر قرشی صاحب الجواہر المضیہ نے

---

[1] حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی متوفی ۴۶۳ھ — تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۵

[2] امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ — العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۰۳

[3] عبدالحیٔ لکھنوی متوفی ۱۳۰۷ھ — الفوائد البہیہ ص ۱۶۳

آپ کا نام اس طرح ذکر کیا ہے ۔ ابو عبد اللہ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی[1] حافظ ابن بزاز کردری اور دوسرے محققین نے بھی آپ کا نسب یونہی ذکر کیا ہے البتہ صاحب کافی نے ایک روایت سے آپ کا نسب یوں بھی بیان کیا ہے ۔

محمد بن حسن بن عبد اللہ طاؤس بن ہرمز ملک بنی شیبان[2] لیکن صحیح نسب وہی ہے جس کو اکثر علماء نے بیان کیا ہے ۔ نسبت شیبانی کے بارے میں بھی مختلف آراء ہیں بعض علماء کے خیال میں یہ آپ کے قبیلہ کی طرف نسبت ہے اور بعض محققین کے نزدیک یہ نسبت ولائی ہے کیونکہ آپ کے والد بنو شیبان کے غلام تھے ۔

آپ کے والد حسن بن فرقد دمشق کے شہر حرستا کے رہنے والے تھے ۔ بعد میں وہ ترک وطن کر کے عراق کے شہر واسط میں آ گئے ۔ امام محمد ۱۳۲ھ میں اسی جگہ پیدا ہوئے بعض تذکرہ نویسوں نے ۱۳۵ھ بھی سال ولادت تحریر کیا ہے ۔

تعلیم و تربیت

واسط میں کچھ عرصہ ٹھہرنے کے بعد آپ کے والد کوفہ چلے آئے اور امام محمد کی تعلیم و تربیت کا آغاز اسی شہر سے ہوا ۔ حرمین شریفین کے بعد کوفہ اس دور کا سب سے بڑا مرکز علمی خیال کیا جاتا تھا اس وقت کوفہ میں امام ابو حنیفہ ، امام ابو یوسف ، مسعر بن کدام اور سفیان ثوری جیسے نابغہ روزگار حضرات کے علم و فضل کا چرچا تھا ۔ امام محمد نے قرآن کریم پڑھا علوم ادبیہ حاصل کیے اور پھر دینی علوم کی طرف متوجہ ہو گئے ۔

امام ابو حنیفہ کی خدمت میں

امام محمد ایک مرتبہ امام اعظم کی مجلس میں حاضر ہوئے مجلس میں آ کر امام صاحب کے بارے میں سوال کیا امام ابو یوسف نے آپ کی رہنمائی کی آپ نے امام اعظم سے دریافت کیا کہ ایک نابالغ لڑکا عشاء کی نماز پڑھ کر سو جائے اور اسی رات فجر سے پہلے وہ بالغ ہو جائے تو وہ نماز دہرائے گا یا نہیں ، امام اعظم نے فرمایا دہرائے گا ۔ امام محمد اسی وقت اٹھ کر ایک

---

[1] حافظ ابو بکر خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ — تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۲

[2] شیخ ابن بزاز کردری متوفی ۸۲۷ھ — مناقب کردری ج ۲ ص ۱۴۷

گوشہ میں نماز پڑھی۔ امام اعظم نے یہ دیکھ کر بے ساختہ فرمایا انشاء اللہ یہ لڑکا رجل رشید ثابت ہوگا۔ اس واقعہ کے بعد امام محمد گاہے گاہے امام اعظم کی مجلس میں حاضر ہوتے رہے کم سن تھے اور بے حد خوبصورت، جب باقاعدہ تلمذ کی درخواست کی تو امام اعظم نے فرمایا پہلے قرآن حفظ کرو پھر آنا سات دن بعد پھر حاضر ہو گئے امام اعظم نے فرمایا میں نے کہا تھا کہ قرآن مجید حفظ کر کے پھر آنا عرض کیا میں نے قرآن کریم حفظ کر لیا ہے۔ امام اعظم نے ان کے والد سے کہا اس کے سر کے بال منڈوا دو لیکن بال منڈوانے کے بعد ان کا حسن اور دمکنے لگا۔ ابو نواس نے اس موقعہ پر یہ اشعار کہے۔

حلقوا راسہ لیکسوہ قبحا   غیرۃ منھم علیہ وشحا

کان فی وجھہ صباح ولیل   نزعوا لیلہ وابقوہ صبحا

لوگوں نے ان کا سر مونڈ دیا تاکہ ان کی خوبصورتی کم ہو ان کے چہرہ میں صبح بھی تھی اور رات بھی، رات کو انہوں نے ہٹا دیا صبح تو پھر بھی باقی رہی۔

امام محمد چار سال تک امام اعظم کی خدمت میں رہے اور سفر و حضر میں بھی امام صاحب کے ساتھ رہے اور ان سے علوم دینیہ خصوصاً فقہ میں برابر استفادہ کرتے رہے[1]

امام ابو یوسف سے تلمذ فقہ ایک وسیع علم ہے کیونکہ کتاب و سنت سے مسائل کے استنباط اور اجتہاد کے لیے وقیع نظر اور بصیرت کی ضرورت ہے۔ امام محمد کو اس موضوع پر جس عظیم کام کرنے کی ضرورت تھی اس کے لیے ابھی علم کی مزید تحصیل اور مہارت کی ضرورت تھی اسی لیے امام اعظم کے وصال کے بعد امام محمد نے امام ابو یوسف کی طرف رجوع کیا۔

امام ابو یوسف جوہر شناس تھے۔ انہوں نے امام محمد کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ علم و فضل اور مرتبہ کی برتری کے باوصف وہ امام محمد کی بہت رعایت کرتے تھے۔ اسماعیل بن حماد بیان کرتے ہیں کہ امام ابو یوسف علی الصبح درس شروع کیا کرتے تھے۔ امام محمد اس وقت سماع حدیث کے لیے دوسرے اساتذہ کے پاس جاتے

---

[1] شیخ ابن بزاز کردری متوفی ۸۲۷ھ مناقب کردری ج ۲ ص ۱۵۵

تھے۔ جب امام ابو یوسف حدیث کے درس میں پہنچتے تو ان کے زیر درس کافی مسائل گزر چکے ہوتے تھے۔ لیکن امام ابو یوسف امام محمد کی خاطر ان تمام مسائل کو پھر دہرایا کرتے تھے۔[۱]

امام مالک کی خدمت میں

امام محمد کو فقہ کے ساتھ ساتھ علم حدیث کی تحصیل کی بھی لگن تھی چنانچہ وہ امام اعظم کے بعد امام مالک کے درس حدیث میں حاضر ہوئے جس طرح امام اعظم فقہ میں بے نظیر تھے۔ اسی طرح امام مالک علم حدیث میں بے مثال تھے اور یہ امام محمد کی خوش قسمتی تھی کہ ان کو امام اعظم اور امام مالک جیسے دو عظیم اماموں سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ امام محمد بیان فرماتے ہیں کہ وہ تین سال سے زیادہ عرصہ تک امام مالک کی خدمت میں رہے اور ان سے سات سو سے زیادہ احادیث کا سماع کیا۔[۲]

دیگر اساتذہ

امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام مالک کے علاوہ جن اساتذہ سے امام محمد نے علم حدیث حاصل کیا خطیب بغدادی نے ان میں مسعر بن کدام، سفیان ثوری، عمر بن ذر اور مالک بن مغول کا ذکر کیا ہے[۳] حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان اساتذہ کے علاوہ امام اوزاعی اور زمعہ بن صالح کا بھی ذکر کیا ہے[۴] اور امام نووی نے تہذیب الاسماء میں ان کے اساتذہ میں ربیع بن صالح اور بکیر بن عامر کا بھی ذکر کیا ہے ان مشاہیر اساتذہ حدیث کے علاوہ امام محمد نے اس وقت کے دیگر مشاہیر حدیث سے بھی استفادہ کیا اور ان سے روایت اور اجازت حاصل کی۔[۵]

تلامذہ

امام محمد کے علم و فضل کی شہرت بہت دور دور پھیل چکی تھی اور اطراف و اکناف سے تشنگان علم آپ کی خدمت میں آکر علم کی پیاس بجھاتے تھے۔ خطیب بغدادی نے آپ کے تلامذہ میں محمد بن ادریس شافعی،

۱۔ الامام الکوثری ... بلوغ الامانی ص ۳۵

۲۔ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لسان المیزان ج ۵ ص ۱۲۱

۳۔ حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۲

۴۔ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لسان المیزان ج ۵ ص ۱۲۱

۵۔ مولانا عبدالحی لکھنوی متوفی ۱۳۰۴ھ التعلیق الممجد ص ۳۰

ابو سلیمان جوزجانی، ہشام بن عبید اللہ رازی، ابو عبید القاسم بن سلام، اسماعیل بن توبہ اور علی بن مسلم کا ذکر کیا ہے۔ [۱] حافظ ابن حجر نے ان کے علاوہ علی ابن مسلم طوسی کا بھی ذکر کیا ہے۔ [۲]

ذہانت وفطانت

امام محمد بے حد ذہین اور زیرک تھے۔ اور بڑے بڑے عقدوں کو آسانی سے حل کر دیا کرتے تھے۔ امام بخاری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ فضیل نے ابراہیم سے مسئلہ پوچھا کہ اگر مینڈک سرکہ میں گر جائے تو سرکہ پاک ہے یا ناپاک۔ ابراہیم نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ یحییٰ بن سلام سے پوچھو ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا مجھے پتہ نہیں عثمان بن عیینہ سے پوچھو ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا مجھے علم نہیں امام محمد سے پوچھو، امام محمد سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ سرکہ پاک ہے کیونکہ مینڈک اپنے معدن میں مرا ہے پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا اگر مینڈک پانی میں مرجائے تو وہ پانی پاک ہوتا ہے اور اس پانی کو سرکہ میں ڈال دو تو وہ سرکہ بھی پاک رہے گا۔ اسی طرح مینڈک سرکہ میں گر جائے تو وہ بھی ناپاک نہیں ہو گا امام محمد نے جب اس مسئلہ کی تقریر کی تو سامعین حیران رہ گئے۔ [۳]

ایک مرتبہ ہارون رشید نے آپ سے کہا کہ میں نے زبیدہ سے کہا کہ میں امام عادل ہوں اور امام عادل جنت میں ہوتا ہے۔ زبیدہ نے پلٹ کر کہا نہیں تم ظالم اور فاجر ہو اور جنت کے اہل نہیں ہو۔ آپ نے یہ سن کر ہارون رشید سے فرمایا کبھی گناہ کے وقت یا گناہ کے بعد تم کو خدا کا خوف لاحق ہوا ہارون رشید نے کہا خدا کی قسم مجھے گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ کا بے حد خوف ہوتا ہے فرمایا پھر تم دو جنتوں کے وارث ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ولمن خاف مقام ربہ جنتان۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دو جنتیں عطا فرماتا ہے۔ [۴]

---

[۱] حافظ ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی متوفی ۴۶۳ھ — تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۲

[۲] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — لسان المیزان ج ۵ ص ۱۲۱

[۳] شیخ ابن بزاز کردری متوفی ۸۲۷ھ — مناقب کردری ج ۲ ص ۱۵۸

[۴] ایضاً " " " " ص ۱۵۹

معمولات امام محمد بے حد عبادت گذار تھے۔ تصنیف و تالیف اور مطالعہ کتب میں اکثر اوقات مشغول رہا کرتے تھے۔ رات کے تین حصے کرتے ایک حصہ میں عبادت کرتے ایک حصہ میں مطالعہ اور باقی ایک حصہ میں آرام کیا کرتے تھے[۱] امام شافعی بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں امام محمد کے پاس ٹھہرا، میں ساری رات نفل پڑھتا رہا اور امام محمد چارپائی پر لیٹے رہے صبح کو امام محمد نے بغیر وضو کیے نماز پڑھی میں نے پوچھا حضرت آپ نے وضو نہیں کیا۔ فرمایا تم نے ساری رات اپنے نفس کے لیے عمل کیا اور نوافل پڑھے اور میں نے تمام رات حضور کی امت کے لیے عمل کیا اور کتاب اللہ سے مسائل کا استنباط کرتا رہا اور اس رات میں ہزار سے زیادہ مسائل کا استخراج کیا اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے اپنی شب بیداری پر امام محمد کی شب بیداری کو ترجیح دی۔[۲]

کلمات ستائش امام محمد کے علم و فضل ان کی ذہانت و فطانت اور زہد و تقویٰ پر ان کے معاصرین اور بعد کے لوگوں نے بے حد خراج تحسین پیش کیا ہے۔ خصوصاً امام شافعی نے ان سے بے پناہ عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن حسن سے زیادہ کوئی صاحب عقل نہیں دیکھا۔ مزنی سے روایت ہے کہ امام شافعی فرماتے ہیں میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا۔ حرملہ بن یحییٰ روایت کرتے ہیں کہ امام شافعی نے کہا جب امام محمد کسی مسئلہ پر تقریر کرتے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا گویا ان پر قرآن نازل ہو رہا ہے۔ مزنی بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا۔ امن الناس علی فی الفقہ محمد بن حسن، فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان امام محمد بن حسن کا ہے اس احسان میں امام محمد کی تعلیم کے علاوہ ان کی فیاضی کا بھی دخل تھا۔ چنانچہ ربیع نقل کرتے ہیں کہ ایک بار امام شافعی نے فرمایا امام محمد نے مجھے ایک بار شتر کتب عنایت فرمائی ہیں۔ ربیع کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے سنا کہ میں نے جس شخص سے بھی کوئی مسئلہ پوچھا تو اس کی تیوری پر بل آگئے ماسوائے امام محمد کے ان سے جب بھی کوئی مسئلہ پوچھا

---

[۱] شیخ ابن بزاز کردری متوفی ۸۲۷ھ مناقب کردری ج ۲ ص ۱۶۲

[۲] ایضاً " " " " " ص ۱۵۹

تو انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے وہ مسئلہ سمجھایا۔ امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ فرمایا اگر یہود و نصاریٰ امام محمد کی کتابوں کا مطالعہ کرلیں تو فوراً ایمان لے آئیں۔ (حدائق حنفیہ ص ۱۲۷) اور امام شافعی کے اس قول کی تصدیق میں مولانا فقیر محمد جہلمی نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ عیسائیوں کے ایک عالم نے متعدد مسلمان علماء سے تبادلۂ خیال کیا لیکن وہ شخص مسلمان نہیں ہوا اتفاق سے اس نے امام محمد کی جامع کبیر کا مطالعہ کیا تو فوراً مسلمان ہوگیا اور کہنے لگا اگر یہ شخص پیغمبری کا دعوٰے کرکے اپنی اس کتاب کو دلیل قرار دے تو کوئی شخص مقابلہ نہیں کرسکتا میں نے سوچا جس نبی کے امتیوں کی یہ شان ہے اس نبی کا خود عِلم میں کیا مقام ہوگا۔ (حدائق حنفیہ ص ۱۲۹)

جرأت و استقلال

امام محمد بے حد غیور اور مستقل مزاج تھے۔ اقتدارِ وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرتے اور اظہارِ حق کے راستے میں کوئی چیز ان کے لیے رکاوٹ نہیں بنتی تھی۔ ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید کی آمد پر سب لوگ کھڑے ہوگئے محمد بن حسن بیٹھے رہے کچھ دیر بعد خلیفہ کے نقیب نے محمد بن حسن کو بلایا ان کے شاگرد اور احباب سب پریشان ہوگئے کہ نہ جانے شاہی عتاب سے کس طرح خلاصی ہوگی۔ جب آپ خلیفہ کے سامنے پہنچے تو اس نے پوچھا کہ فلاں موقع پر تم کھڑے کیوں نہیں ہوئے فرمایا کہ جس طبقہ میں خلیفہ نے مجھے ت م کیا ہے میں نے اُ سے نکلنا پسند نہیں کیا۔ آپ کی تعظیم کے لیے قیام کرکے اہل علم کے طبقہ سے نکل کر اہل خدمت کے طبقہ میں داخل ہونا مجھے مناسب نہیں تھا پھر کہا آپ کے ابن عم یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہو کہ آدمی اس کی تعظیم کے لیے کھڑے رہیں وہ اپنا مقام جہنم میں بنائے۔ حضور کی مراد اس سے گروہ علماء ہے پس جو لوگ حق خدمت اور اعزاز شاہی کے خیال سے کھڑے رہے انہوں نے دشمن کے لیے ہیبت کا سامان مہیا کیا اور جو بیٹھے رہے انہوں نے سنت اور شریعت پر عمل کیا جو

لے حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۶۲ تا ۱۶۶

لے ایضاً " " " " " ص ۱۷۱

آپ ہی کے خاندان سے لی گئی ہے اور جس پر عمل کرنا آپ کی عزت اور کرامت ہے ہارون رشید نے سن کر کہا سچ کہتے ہو۔[1]

عہدۂ قضاء

امام ابو یوسف کو فقہ حنفی کی ترویج اور اشاعت کا بے حد شوق تھا وہ چاہتے تھے کہ ملک کا آئین فقہ حنفی کے مطابق ہو اس لیے انہوں نے ہارون رشید کی درخواست پر قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ قبول کر لیا تھا کچھ عرصہ بعد ہارون رشید نے شام کے علاقہ رقہ کے لیے امام محمد کا بحیثیت قاضی تقرر کیا امام محمد کو علم ہوا تو وہ امام ابو یوسف کے پاس گئے اور اعتذار کیا اور درخواست کی کہ مجھے اس آزمائش سے بچائیے امام ابو یوسف نے مسلک حنفی کی اشاعت کے پیش نظر ان سے اتفاق نہیں کیا۔ وہ ان کو یحییٰ برمکی کے پاس لے گئے یحییٰ نے ان کو ہارون رشید کے پاس بھیج دیا۔ اس طرح مجبور ہو کر ان کو عہدہ قضاء قبول کرنا پڑا۔[2]

حق گوئی و بے باکی

امام محمد اپنے احباب اور ارکان دولت کے اصرار کی بناء پر عہدہ قضاء پر متمکن ہوئے جتنا عرصہ قاضی رہے بے لاگ فیصلے کرتے رہے لیکن قدرت کو ان کی آزمائش مقصود تھی اس کی تفصیل یہ ہے کہ یحییٰ بن عبداللہ نامی ایک شخص کو خلیفہ پہلے امان دے چکا تھا۔ بعد میں کسی وجہ سے خلیفہ اس پر غضبناک ہوا اور اس کو قتل کرنا چاہا اپنے اس مذموم فعل پر خلیفہ قضاۃ کی تائید چاہتا تھا تاکہ اس کے قتل کو شرعی جواز کا تحفظ حاصل ہو جائے۔ خلیفہ نے تمام قاضیوں کو دربار میں طلب کیا سب نے خلیفہ کے حسب منشاء نقض امان کی اجازت دے دی لیکن امام محمد نے اس سے اختلاف کیا اور برملا فرمایا یحییٰ کو جو امان دی جا چکی ہے وہ صحیح ہے اور اس امان کو توڑنے اور یحییٰ کے خون کی اباحت پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے لہٰذا اس کو قتل کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے ان کی اس حق گوئی سے مزاج شاہی برہم ہو گیا لیکن جن کی نظر میں مزاج الوہیت ہوتا ہے وہ کسی اور مزاج کی پرواہ نہیں کرتا اور جو اپنے دلوں میں اس قہار

---

[1] حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ — تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۳

[2] شیخ ابن بزاز کردری متوفی ۸۲۷ھ — مناقب کردری ج ۲ ص ۱۴۵

حقیقی کا خوف رکھتے ہیں وہ مخلوق کی ناراضگی کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے۔ امام محمد اپنے اس فیصلہ کے ردِ عمل کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے۔ چنانچہ اس اظہارِ حق کی پاداش میں نہ صرف یہ کہ آپ کو عہدہ قضاء سے ہٹایا گیا اور افتاء سے روکا گیا بلکہ کچھ عرصہ کے لیے آپ کو قید میں بھی محبوس کیا گیا۔

عہدہ قضاء پر بحالی امام محمد کے عہدہ قضاء سے سبکدوش ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہارون رشید کی بیوی ام جعفر کو کسی جائیداد کے وقف کرنے کا خیال آیا اس نے امام محمد سے وقف نامہ تحریر کرنے کی درخواست کی آپ نے فرمایا مجھے افتاء سے روک دیا گیا ہے اس لیے معذور ہوں۔ ام جعفر نے اس سلسلہ میں ہارون رشید سے گفتگو کی جس کے بعد اس نے نہ صرف آپ کو افتاء کی اجازت دی بلکہ انتہائی اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کر دیا۔

تصانیف امام محمد کی تمام زندگی علمی مشاغل میں گذری آئمہ حنفیہ میں انہوں نے سب سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی اور مولانا فقیر محمد جہلمی نے لکھا ہے کہ انہوں نو سو ننانوے (۹۹۹) کتابیں لکھی ہیں اور اگر ان کی عمر وفا کرتی تو وہ ہزار کا عدد پورا کر دیتے بعض محققین کا یہ بھی خیال ہے کسی موضوع پر جو کتاب لکھی جاتی ہے اس میں متعدد مسائل کو مختلف عنوانات پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ جیسے کتاب الطہارہ، کتاب الصلوٰۃ کتاب الصوم وغیرہ۔ پس جن لوگوں نے ۹۹۹ کا عدد لکھا ہے وہ ان کی تصانیف کے تمام عنوانات کے مجموعہ کے اعتبار سے لکھا ہے۔ بہرحال ان کی تصانیف کی جو تفصیل دستیاب ہو سکی ہے وہ اس طرح ہے۔

موطأ امام محمد حدیث میں یہ امام محمد کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے زیادہ تر امام مالک سے سنی ہوئی روایات کو جمع کیا ہے۔ امام مالک سے سنی ہوئی روایات کو متعدد فقہاء اور محدثین نے روایت کیا ہے بستان المحدثین میں شاہ عبدالعزیز نے موطا کے سولہ نسخے ذکر کیے ہیں لیکن آج دنیا میں صرف دو نسخے مشہور ہیں۔ ایک امام محمد کی روایت کا مجموعہ جس کو موطا امام محمد کہتے ہیں

اور دوسرا یحییٰ بن یحییٰ المصمودی کا نسخہ جو موطا امام مالک کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن موطا امام محمد، موطا امام مالک سے چند وجوہ کی بنا پر فوقیت رکھتی ہے۔ اولاً یہ کہ امام محمد یحییٰ بن یحییٰ سے علم حدیث میں زیادہ بصیرت اور فقہ میں ان سے بڑھ کر مہارت رکھتے تھے۔ ثانیاً موطا کی روایت میں یحییٰ بن یحییٰ سے متعدد جگہ غلطیاں واقع ہوئیں۔ چنانچہ خود مالکی محدث شیخ محمد عبد الباقی زرقانی نے ان کے بارے میں لکھا ہے۔ قلیل الحدیث لہ اوھام، (ان کو اکثر وہم لاحق ہوئے تھے۔ اور حدیث میں وہ بہت کم معرفت رکھتے تھے) اور امام محمد کے بارے میں لکھا ہے ذہبی جیسے شخص کو بھی اعتراف کرنا پڑا، وکان من البحور العلم والفقہ قویا فی مالک (امام محمد علم کے سمندر تھے اور امام مالک سے روایت کرنے میں وہ بہت قوی تھے)، ثالثاً یحییٰ بن یحییٰ کو امام مالک سے پوری موطا کے سماع کا موقع نہ مل سکا کیونکہ جس سال وہ امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اسی سال امام مالک کا وصال ہو گیا۔ اسی وجہ سے وہ موطا امام مالک میں احادیث عن مالک کے صیغہ سے روایت کرتے ہیں۔ برخلاف امام محمد کے وہ تین سال سے زیادہ عرصہ امام مالک کی خدمت میں رہے اور موطا کی تمام روایات کا انہوں نے امام مالک سے براہ راست سماع کیا ہے اسی وجہ سے وہ اخبرنا مالک کے صیغہ کے ساتھ موطا میں احادیث روایت کرتے ہیں۔

اس کتاب میں امام محمد ترجمۃ الباب کے بعد سب سے پہلے امام مالک کی روایت کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اگر مسلک حنفی اس روایت کے مطابق ہو تو اس کے بعد بہ ناخذ فرماتے ہیں اور اگر اس روایت کا ظاہر مسلک حنفی کے خلاف ہو تو اس کی توجیہ ذکر کر کے مسلک حنفی کے تائید میں احادیث اور آثار وارد کرتے ہیں اور بسا اوقات دوسرے آئمہ کے فتوؤں کے اقوال بھی ذکر کرتے ہیں۔ چونکہ اس کتاب میں امام محمد نے امام مالک کے علاوہ دوسرے مشائخ کی روایات بھی ذکر کی ہیں۔ اسی لیے یہ کتاب امام مالک کی طرف منسوب ہونے کی بجائے امام محمد کی طرف منسوب ہو گئی۔ موطا امام محمد میں کل ایک ہزار ایک سو اسی احادیث ہیں جن میں ایک ہزار پانچ احادیث امام مالک سے مروی ہیں اور ایک سو پچھتر دوسرے شیوخ سے سترہ امام ابو حنیفہ سے اور چار امام ابو یوسف سے مروی ہیں۔ اس

کتاب کی بعض احادیث کے طرق اور اسانید پر اگرچہ جرح کی گئی ہے لیکن ان کی تائید اور تقویت دوسری اسانید سے ہو جاتی ہے۔

(۲) **کتاب الآثار** حدیث میں یہ امام محمد کی دوسری تصنیف ہے۔ اس کتاب میں امام محمد نے احادیث سے زیادہ آثار کو جمع کیا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے ان کی یہ تصنیف کتاب الآثار کے نام سے مشہور ہو گئی۔ اس کتاب میں ایک سو چھ احادیث اور سات سو اٹھارہ آثار ہیں ان کے علاوہ اس میں انہوں نے امام اعظم کے اقوال کا بھی ذکر کیا ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۲۸۴)

(۳) **کتاب الحجج** اس کتاب میں بھی امام محمد نے احادیث کو جمع کیا ہے۔ امام مالک اور بعض دوسرے علماء مدینہ سے امام محمد کو فقہی اختلاف تھا۔ انہوں نے اپنے مؤقف کو احادیث اور آثار کی روشنی میں ثابت کرنے کے لیے اس کتاب کو تالیف کیا اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے مدینہ منورہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۶۸۱)۔

حدیث میں بھی اگرچہ امام محمد نے چند کتابیں تالیف فرمائی ہیں لیکن ان کا اصل موضوع فقہ ہے۔ اور اس سلسلے میں انہوں نے اہم خدمات انجام دی ہیں امام محمد کی فقہی تصنیفات کی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔ ایک ظاہر الروایۃ اور دوسری نوادر، ظاہر الروایۃ امام محمد کی ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جن کے بارے میں تواتر سے ثابت ہے کہ یہ امام محمد کی تصنیف ہیں یہ چھ کتابیں ہیں۔ مبسوط، زیادات، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر اور سیر کبیر۔ اور نوادر امام محمد کی ان تصانیف کو کہا جاتا ہے جن کا امام محمد کی طرف منسوب ہونا تواتر سے ثابت نہیں ہے۔

مبسوط علم فقہ میں یہ امام محمد کی سب سے ضخیم تصنیف ہے یہ کتاب چھ جلدوں میں تین ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اس میں دس ہزار سے زیادہ مسائل مذکور ہیں۔ اس کتاب کے متعدد نسخے ہیں، مشہور نسخہ وہ ہے جو ابو سلیمان جوزجانی سے مروی ہے۔ امام شافعی نے اس کو حفظ کر لیا تھا۔ ایک غیر مسلم اہل کتاب اس کو پڑھ

کر مسلمان ہوگیا اور کہنے لگا کہ جب محمد اصغر کی کتاب ایسی ہے تو محمد اکبر کی کتاب کی کیا شان ہوگی ۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۸۱) مصر اور استنبول کے کتب خانوں میں اس کے متعدد قلمی نسخے موجود ہیں ۔

الجامع الکبیر فقہ کے موضوع پر یہ امام محمد کی دوسری کتاب ہے اس میں مسائل فقہیہ کو عقل و دلائل سے ثابت کیا ہے ۔ نیز اس کتاب کی عربی بھی بے حد بلیغ ہے جس طرح یہ کتاب فقہی طور پر حجت تسلیم کی جاتی ہے ۔ اس طرح اسکی عربیت بھی زبان و بیان کے اعتبار سے حجت مانی جاتی ہے اس کتاب کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں حاجی خلیفہ نے پچاس سے زیادہ اس کی شروح کا ذکر کیا ہے ۔ اس کتاب کے متعدد راوی ہیں ۔ اور اس کے قلمی نسخے استنبول کے کتب خانوں میں موجود ہیں ۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۶۷)

الجامع الصغیر فقہ میں امام محمد کی یہ تیسری تصنیف ہے اس کتاب میں ۱۵۳۶ مسائل ہیں جن میں سے دو کے سوا باقی تمام مسائل کی بنیاد احادیث اور آثار پر رکھی ہے باقی دو مسئلوں کو قیاس سے ثابت کیا ہے ۔ اس کتاب کی وجہ تالیف یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے امام محمد سے فرمائش کی کہ وہ امام اعظم کے ان مسائل کو جمع کریں جو امام محمد نے امام ابو یوسف کی وساطت سے سماع کیے ہیں جب یہ کتاب امام محمد نے لکھ کر امام ابو یوسف پر پیش کی تو وہ بے حد خوش ہوئے اور باوجود اپنی جلالت علمی کے سفر و حضر میں ہر جگہ اس کو اپنے ساتھ رکھتے تھے ۔ اس کتاب کے مسائل کی تین قسمیں ہیں ۔ پہلی قسم میں وہ مسائل ہیں جن کا ذکر امام محمد کی دوسری کتب میں نہیں ہے ۔ دوسری قسم میں وہ مسائل ہیں جن کا ذکر دوسری کتب میں ہے لیکن یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے یا نہیں ، یہاں پر اس بات کی تصریح کر دی ہے ۔ تیسری قسم میں وہ مسائل ہیں جن کا محض اعادہ کیا ہے مگر وہ بھی تغییر عبارت کی وجہ سے افادہ سے خالی نہیں عہدۂ قضاء کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری خیال کیا جاتا تھا اس کی تیس سے زیادہ شروح لکھی گئی ہیں (کشف الظنون ج ۱ ص ۵۶۱) متاخرین میں

سے ایک شرح مولانا عبدالحی لکھنوی نے لکھی ہے اور اس کے شروع میں مبسوط مقدمہ النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر کے نام سے تحریر کیا ہے جس میں اس کتاب کی تمام خصوصیات اور اس کی شروح کا ذکر کیا ہے ؛

السیر الصغیر علم فقہ میں امام محمد کی یہ چوتھی تصنیف ہے۔ امام اعظم نے اپنے تلامذہ کو سیر و مغازی کے باب میں جو کچھ املاء کرایا یہ اس کا مجموعہ ہے۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۱۳)

السیر الکبیر فقہ کے موضوع پر یہ امام محمد کی پانچویں تصنیف ہے۔ امام اوزاعی نے سیر صغیر کا تعاقب کیا اور اس کے جواب میں امام محمد نے سیر کبیر کو تالیف کیا، سیر و مغازی کے موضوع پر یہ ایک انتہائی مفید کتاب شمار کی جاتی ہے۔
اس کتاب میں جہاد و قتال اور امن و صلح کے مواقع اور طرق بیان کیے ہیں۔ غیر مسلم اقوام سے مسلمانوں کے تعلقات ان کے حقوق و فرائض اور تجارتی اور عام معاملات پر سیر حاصل بحث کی ہے اسلام کے بین الاقوامی نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

یہ کتاب امام محمد کی انتہائی اہم اور ادق کتاب شمار کی جاتی ہے قوت استدلال اور دقت بیان کے اعتبار سے یہ کتاب ان کی دیگر تمام کتب میں ممتاز ہے۔ ہارون الرشید کو اس کتاب سے اس درجہ دلچسپی تھی کہ اس نے اپنے دونوں لڑکوں امین اور مامون کو اس کا سماع کرایا اس کتاب کی متعدد شروح لکھی جا چکی ہیں جن میں سب سے زیادہ شہرت امام سرخسی کی شرح کو حاصل ہوئی یہ شرح مع متن کے حیدر آباد دکن سے چھپ چکی ہے۔ (کشف الظنون، ج ۲ ص ۱۰۱۴)

زیادات ظاہر الروایۃ میں امام محمد کی یہ چھٹی تصنیف ہے جو کہ سیر صغیر اور سیر کبیر کے تتمہ کے حکم میں ہے کیونکہ سیر اور مغازی کے جو مسائل ان دو کتابوں میں رہ گئے تھے ان کا اس کتاب میں ذکر کر دیا گیا ہے اس کے قلمی نسخے استنبول کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ (کشف الظنون ج ۲ ص ۹۶۲)

فقہ سے متعلق امام محمد کی ان چھ کتابوں کو ظاہر الروایہ کہا جاتا ہے امام محمد بن محمد حاکم شہید متوفی ۳۳۴ھ نے مبسوط جامع صغیر اور جامع کبیر سے مکرر مسائل اور مطول عبارات کو حذف کر کے ایک مختصر متن تیار کیا اور اس کا نام الکافی فی فروع الحنفیہ رکھا۔ ایک بار انہیں خواب میں امام محمد کی زیارت ہوئی فرمایا تم نے میری کتابوں کے ساتھ کیا کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے فقہاء کو متساہل اور کسلمند پایا اس لیے مطول اور مکرر امور کو حذف کر دیا امام محمد نے جلال میں آکر فرمایا جس طرح تم نے میری کتابوں میں کانٹ چھانٹ کی ہے اللہ تعالیٰ تمہاری بھی ایسی ہی کانٹ چھانٹ کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا مرو کے لشکر نے آپ کو قتل کر دیا پھر آپ کے جسم کے دو ٹکڑے کر کے درخت پر لٹکا دیا۔

(حدائق حنفیہ ص ۱۰۰)

امام حاکم شہید کی الکافی کی متعدد علماء نے شروح لکھیں لیکن سب سے زیادہ شہرت شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ کی شرح مبسوط کو حاصل ہوئی۔ یہ کتاب تیس اجزاء پر مشتمل ہے اور مصنف نے اس شرح کو قید خانے میں بغیر کسی مطالعہ کے فی البدیہہ املاء کرایا ہے۔ فقہ حنفیہ میں یہ کتاب اصول کا درجہ رکھتی ہے اور ہدایہ وغیرہ میں جب مطلقاً مبسوط کا لفظ آتا ہے تو اس سے مراد یہی مبسوط سرخسی ہوتی ہے۔

دیگر کتب ظاہر الروایہ کے علاوہ امام محمد نے فقہ کے موضوع پر متعدد کتب تصنیف فرمائی ہیں جن کا احصار مشکل ہے چند کتابوں کا ذکر ہم ہدایۃ العارفین کے حوالے سے کر رہے ہیں۔ (۱) الاحتجاج علی مالک (۲) الاکتساب فی الرزق المستطاب (۳) الجرجانیات (۴) الرقیات فی المسائل (۵) عقائد الشیبانیہ (۶) کتاب الاصل فی الفروع (۷) کتاب الاکراہ (۸) کتاب الحیل (۹) کتاب السجلات (۱۰) کتاب الشروط (۱۱) کتاب الکسب (۱۲) کتاب النوادر (۱۳) الکیسانیات (۱۴) مناسک الحج (۱۵) نوادر الصیام (۱۶) الہارونیات اور بہت سی کتابیں[1]

سانحہ وصال ، امام محمد نے اٹھاون سال عمر گزاری اور عمر کا بیشتر حصہ

---

[1] اسماعیل پاشا بغدادی اسماء المؤلفین و آثار المصنفین ذیل کشف الظنون ج ۲ ص ۸

فقہی تحقیقات اور مسائل کے استنباط اور اجتہاد میں گذارا۔ جب دوبارہ عہدۂ قضا پر بحال ہوئے اور قاضی القضاۃ مقرر ہوئے تو ان کو ایک مرتبہ ہارون الرشید اپنے ساتھ سفر پر لے گیا وہاں رے کے اندر نبویہ نامی ایک بستی میں آپ کا وصال ہو گیا اسی سفر میں ہارون کے ساتھ نحو کا مشہور امام کسائی بھی تھا اور اتفاق سے اسی دن یا دو دن بعد اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ ہارون الرشید کو ان دونوں آئمہ فن کے وصال کا بے حد ملال ہوا اور اس نے افسوس سے کہا آج میں نے فقہ اور نحو دونوں کو رے میں دفن کر دیا[1]

روایت ہے کہ بعد وصال کسی نے آپ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ آپ کا نزع کے وقت کیا حال تھا۔ آپ نے فرمایا میں اس وقت مکاتب کے مسائل میں سے ایک مسئلہ پر غور کر رہا تھا مجھ کو روح نکلنے کی کچھ خبر نہیں ہوئی[2]

خطیب بغدادی نے امام محمد کے تذکرہ کے اخیر میں محمویہ نامی ایک بہت بڑے بزرگ جن کا شمار ابدال میں کیا جاتا ہے سے ایک روایت نقل ہے وہ فرماتے ہیں میں نے محمد بن حسن کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا اے ابو عبداللہ! آپ کا کیا حال ہے؟ کہا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا اگر تمہیں عذاب دینے کا ارادہ ہوتا تو میں تمہیں یہ علم نہ عطا کرتا میں نے پوچھا اور ابو یوسف کا کیا حال ہے فرمایا مجھ سے بلند درجہ میں ہیں پوچھا اور ابو حنیفہ؟ کہا وہ ہم سے بہت زیادہ بلند درجوں پر فائز ہیں[3]

---

[1] شیخ ابن بزاز کردری متوفی ۸۲۷ھ — مناقب کردری ج ۲ ص ۱۶۵

[2] فقیر محمد جہلمی — حدائق حنفیہ ص ۱۴۷

[3] حافظ ابو بکر احمد بن علی الخطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ — تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۱

امام طحاوی

امام ابو جعفر طحاوی تیسری صدی کے عظیم محدث اور بے بدل فقیہہ تھے۔ محدثین اور فقہاء کے طبقات میں ان کا یکساں شمار کیا جاتا تھا۔ سلف صالحین میں ایسے جامع حضرات کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں جو حدیث اور فقہ دونوں شعبوں میں سند کی حیثیت رکھتے ہوں۔ محدثین ان کو حافظ اور امام کہتے ہیں اور فقہاء ان کو مجتہد منتسب قرار دیتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر نے کہا کہ وہ ثقہ، نبیل اور حدیث کا مسکن تھے۔ سمعانی نے کہا، وہ امام، عاقل اور ثقہ شخصیت کے مالک تھے اور ان کی وفات کے بعد دنیا آج تک ان کی نظیر نہیں پیش کر سکی۔ امام سیوطی نے کہا وہ حدیث اور فقہ میں امام، علوم دینیہ کے ماویٰ اور احادیث نبویہ کے ملجا تھے اور حافظ ابو شیرازی کہا کرتے تھے کہ امام ابو جعفر طحاوی، اصحاب ابو حنیفہ کی ریاست کی منتہا ہیں[1]

حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ وہ کوفیوں کی روایات اور مسائل فقہیہ کی سب سے زیادہ معرفت رکھتے تھے اور تمام مذاہب فقہاء کے عالم تھے[2] اور اتقانی نے کہا کہ مذہب حنفیہ تو الگ رہا ابو جعفر طحاوی کی نظیر کسی مذہب میں نہیں ملتی[3]

ولادت اور نام و نسب

آپ کا پورا نام مع کنیت والقاب و نسب اس طرح ہے۔ الامام الحافظ ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن عبد الملک بن سلمہ بن سلیم بن خباب الازدی المصری الطحاوی الحنفی ہے۔ ازدی میں قبیلہ ازد کی طرف نسبت ہے جو ازد بن غران کی طرف منسوب ہے۔ حجری قبیلہ حجر کی طرف نسبت ہے۔

---

[1] وصی احمد محدث سورتی — ترجمہ طحاوی علی شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۱

[2] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — لسان المیزان ج ۱ ص ۲۷۶

[3] محمد عبدالرحمن مبارکپوری — مقدمہ التحفۃ الاحوذی ص ۹۲

حجر نام کے تین قبائل تھے۔ حجر بن وحید، حجر ذی الرعین اور حجر ازد۔ امام طحاوی کی جس قبیلہ کی طرف نسبت ہے وہ یہی ہے مصر میں وادیٔ نیل کے کنارے طحا نام کی ایک بستی ہے۔ اس میں پیدا ہونے کی وجہ سے آپ کو طحاوی کہا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ[1] محدث محی الدین ابو محمد عبد القادر صاحب متوفی ۶۹۶ھ الجواہر المضیۃ[2] شاہ عبد العزیز محدث متوفی ۱۲۲۹ھ دہلوی[3] نے اور مولوی عبد الحیٔ لکھنوی متوفی ۱۳۰۴ھ[4] نے امام طحاوی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنا سال ولادت ۲۳۹ھ بیان فرمایا ہے اور امام ابو عبد اللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ[5] ان سے ۲۳۰ھ نقل فرمایا ہے:

اساتذہ امام طحاوی نے ابتدائی تعلیم کے بعد اپنے ماموں ابو ابراہیم مزنی سے فقہ شافعی پڑھنی شروع کی لیکن آپ کی طبیعت سلیمہ میں جو قوت استدلال کی تلاش اور نظر میں باریک بینی تھی اس نے بہت جلد آپ کا رُخ شافعیت سے حنفیت کی طرف موڑ دیا۔ چنانچہ ۲۶۸ھ میں آپ نے مصر جا کر اس وقت کے شہرہ آفاق استاذ ابو جعفر احمد بن ابی عمران موسیٰ بن عیسیٰ سے فقہ حنفی کی تحصیل شروع کر دی۔ احمد بن ابی عمران فقہ حنفی میں زبردست دسترس رکھتے تھے اور دو واسطوں سے ان کا سلسلہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے مل جاتا تھا اس طرح امام طحاوی کی جو سند امام اعظم سے متصل ہے اس کی تفصیل یہ ہے احمد بن ابی عمران عن محمد بن سماعۃ عن ابی یوسف عن ابی حنیفہ۔

مصر کے بعد امام طحاوی شام چلے گئے اور وہاں شام کے قاضی القضاۃ ابو حازم سے فقہ کی تحصیل کی ان کے علاوہ مصر کے باقی مشائخ سے علم حدیث میں استفادہ کیا۔ اور جس قدر مشائخ حدیث ان کی زندگی میں مصر آئے ان سب سے امام طحاوی نے علم حدیث

---

[1] لسان المیزان ص ۲۷۴

[2] الجواہر المضیۃ ج ۲ ص ۱۰۴

[3] بستان المحدثین ص ۲۸۸

[4] الفوائد البہیۃ ص ۳۲

[5] تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۸۰۹

میں استفادہ کیا جن میں سلیمان بن شعیب کیسانی، ابو موسےٰ یونس بن عبدالاعلےٰ الصدفی وغیرہ کے نام لیے جاتے ہیں[1]۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے علم حدیث میں امام طحاوی کے جن مشائخ کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں:۔ یونس بن عبدالاعلےٰ، ہارون بن سعید ایلی، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم، بحر بن نصر، عیسیٰ بن مثرود، ابراہیم بن ابی داؤد البرلیسی، ابو بکر، بکار بن قتیبہ[2]۔ اور امام ذہبی نے ان اساتذہ کے علاوہ عبدالغنی بن رفاعۃ کا بھی ذکر کیا ہے[3]۔

تلامذہ امام طحاوی کی علمی شہرت دور دراز علاقوں میں پھیل چکی تھی اس لیے آپ سے استفادہ کرنے کے لیے دور دور سے تشنگان علم آتے تھے جن بے شمار لوگوں نے آپ سے علم حدیث میں سماع حاصل کیا ان میں سے چند حضرات کے اسماء یہ ہیں:۔

ابو محمد عبدالعزیز بن محمد الہیثی الجوہری، حافظ احمد بن القاسم بن عبداللہ البغدادی المعروف بابن الخشاب، ابو بکر علی بن سعدویہ البرقی، ابو القاسم مسلمۃ ابن القاسم بن ابراہیم القرطبی ابو القاسم عبداللہ بن علی الداؤدی، حسن بن القاسم بن عبدالرحمان المصری، قاضی ابن ابی العوام، ابوالحسن محمد بن احمد اخمیمی، حافظ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن علی المقری، ابوالحسن علی بن [illegible] الطحاوی، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی صاحب المعجم، حافظ ابو سعید عبدالرحمان بن احمد بن یونس مصری، حافظ ابو بکر محمد بن جعفر بن الحسین بغدادی میمون بن حمزۃ العبیدلی وغیرہ[4]۔

تبدیلی مسلک امام ابو جعفر طحاوی ابتدا میں شافعی المذہب تھے۔ بعد میں شافعیت کو چھوڑ کر حنفی مسلک اختیار کر لیا۔ عام شوافع مصنفین نے اس کا سبب بیان کرنے میں حقیقت پسندی سے کام نہیں لیا مثلاً امام ذہبی لکھتے ہیں:۔

وکان اولاً شافعیا یقرأ — امام طحاوی پہلے شافعی المذہب تھے

۱	وصی احمد محدث سورتی:	ترجمہ امام طحاوی علی شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۲
۲	حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ	لسان المیزان ج ۱ ص ۲۷۴ تا ۲۷۵
۳	امام ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ	تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۸۰۹
۴	محی الدین ابو محمد عبدالقادر محدث متوفی ۷۷۵ھ	الجواہر المضیئۃ ج ۱ ص ۱۰۴

عربی	اردو
على المزني فقال	ایک دن دوران تعلیم ان کے
له يوماً والله ما جاء	ماموں مزنی پر ناراض ہوئے اور کہا
منك شيئ فغضب	تم سے کچھ نہ ہو سکے گا امام طحاوی اس
من ذالك وانتقل	بات پہ ناراض ہو گئے اور جا کر
من ابي عمران۔[1]	ابو عمران حنفی سے پڑھنا شروع کر دیا۔

لیکن استاذ کا شاگرد پر محض ناراض ہونا کوئی اتنی اہم اور شدید بات نہیں ہے جس کی وجہ سے مسلک بدلنا پڑے۔ اصل بات کیا تھی اس کا علامہ عبدالعزیز پرہاروی ذکر فرماتے ہیں:۔

عربی	اردو
ان الطحاوی کان	امام طحاوی ابتداً شافعی المذہب
شافعی المذہب فقرء فی	تھے ایک دن انہوں نے کتب
کتابہ ان الحاملة	شافعیہ میں پڑھا کہ جب حاملہ عورت
اذا ماتت وفی بطنہا	مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ
ولد حی لم یشق	زندہ ہو تو بچہ نکالنے کے لیے اس
فی بطنہا خلافا لابی	کے پیٹ کو چیرا نہیں جائے گا۔
حنیفہ کان الطحاوی	برخلاف مذہب ابوحنیفہ۔ اور
ولد مشقوقا	امام طحاوی کو مذہب حنفی پر پیٹ
فقال لا ارضی	چیر کر نکالا گیا تھا۔ امام طحاوی نے
بمذہب رجل یرضی	اس کو پڑھ کر کہا میں اس شخص
بہلاکی فترک مذہب	کے مذہب سے راضی نہیں، جو
الشافعی وصار من	میری ہلاکت پر راضی ہو پھر انہوں
عظماء المجتہدین	نے شافعیت کو چھوڑ دیا اور
علی مذہب	حنفی مسلک کو اختیار کیا اور

---

[1] امام ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ — تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۸۰۹

ابی حنیفہ[1] اس مسلک کے عظیم مجتہد بن گئے۔

مولانا فقیر محمد جہلمی نے اس واقعہ کو ذرا اور تفصیل سے بیان کیا ہے لکھتے ہیں :-

فتاوی برہنہ میں آپ کے انتقال مذہب کا یہ سبب لکھا ہے کہ آپ ایک دن اپنے ماموں سے پڑھ رہے تھے کہ آپ کے سبق میں یہ مسئلہ آیا کہ اگر کوئی حاملہ عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو برخلاف مذہب امام ابوحنیفہ کے امام شافعی کے نزدیک عورت کا پیٹ چیر کر بچہ نکالنا جائز نہیں۔ آپ اس مسئلہ کے پڑھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ میں اس شخص کی ہرگز پیروی نہیں کرتا جو مجھ جیسے آدمی کی ہلاکت کی کچھ پرواہ نہ کرے۔ کیونکہ آپ اپنی والدہ کے پیٹ ہی میں تھے کہ آپ کی والدہ فوت ہو گئی تھیں اور آپ پیٹ چیر کر نکالے گئے تھے۔ یہ حال دیکھ کر آپ کے ماموں نے آپ سے کہا خدا کی قسم تو ہرگز فقیہہ نہیں ہوگا پس جب آپ خدا کے فضل سے فقہ و حدیث میں امام بے عدیل اور فاضل بے مثل ہوئے تو اکثر کہا کرتے تھے کہ میرے ماموں پر خدا کی رحمت نازل ہو اگر وہ زندہ ہوتے تو اپنے مذہب شافعی کے بموجب ضرور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرتے[2]۔

حدیث اور فقہ میں مہارت

۲۷۰ھ کے بعد امام طحاوی نے مصر کے قاضی ابو عبد اللہ محمد بن عبدہ کی نیابت کا عہدہ قبول کر لیا۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں قاضی کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔ ابو عبیدہ بن عبد اللہ نے اپنی ماں سے اور انہوں نے اپنے باپ سے کون سی حدیث روایت کی ہے جب شرکاء مجلس میں سے کسی شخص کو جواب نہ آیا تو میں نے اپنی سند کے ساتھ وہ حدیث بیان کی :-

---

1. علامہ عبد العزیز پر ہاروی نبراس ص ۱۱۰
2. حدائق حنفیہ ص ۱۶۵

حدثنا بکار بن قتیبہ نا ابو احمد نا سفیان عن عبد الاعلی التغلبی عن ابی عبید اللہ عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ لیغار للمومن خلیغر وحدثنا بہ ابراھیم بن ابی داؤد نا سفیان بن وکیع عن ابیہ عن سفیان موقوفا ۔

جب آپ اس کی مطلوب حدیث کو دو سندوں کے ساتھ مرفوعا اور موقوفا بیان کر چکے تو وہ شخص بے ساختہ کہنے لگا شام کو میں نے آپ کو فقہا کے میدان میں دیکھا تھا اور اب آپ حدیث کے میدان میں ہیں۔ بہت کم لوگ ہوں گے جو ان دونوں فنون میں آپ کی طرح جامعیت رکھتے ہوں۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا انعام ہے۔ [1]

امام بیہقی کا انکار شافعیہ کا مسلک ہے کہ مس ذکر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس حدیث کی تمام اسانید پر جرح کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ اس حدیث کی تمام اسانید کمزور اور مجروح ہیں جس وجہ سے یہ حدیث لائق استدلال اور قابل احتجاج نہیں ہے۔ امام بیہقی م ۴۵۸ھ نے کتاب المعرفۃ میں اس بحث کا ذکر کیا ہے ان سے امام طحاوی کے دلائل کا جواب تو نہیں بن سکا۔ فقط اتنا کہہ دیا، ان علم الحدیث لم یکن من صناعتہ کہ علم حدیث امام طحاوی کا فن نہیں تھا۔ لیکن اہل علم کے نزدیک امام بیہقی کے اس بے دلیل قول کا کوئی وزن نہیں ہے۔ فن حدیث میں امام طحاوی کی سطوت کے بارے میں ہم سطور سابقہ میں حافظ ابن عبد البر اندلسی مالکی م ۴۶۳ھ کی شہادت پیش کر چکے ہیں جو مصر اور مغرب کے علماء پر امام بیہقی سے زیادہ نظر رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ ابو سعید بن یونس مؤرخ مصر اور دیگر آئمہ کبار اور علماء رجال نے فن حدیث میں امام طحاوی کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔ درحقیقت امام بیہقی کا یہ قول احناف کے خلاف تعصب کے سوا کچھ نہیں اور اسی تعصب کے سبب سے امام بیہقی نے سنن

---

[1] امام ابو عبد اللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۸۰۹

کبریٰ میں احناف کی موید روایات کی تضعیف اور شوافع کی موید روایات کی تصحیح اور رجال کی تخریج اور توثیق میں شدید لغزشیں کھائی ہیں اور جگہ جگہ غلطیاں کی ہیں۔ چنانچہ شیخ علاء الدین علی بن عثمان المعروف بابن الترکمانی م ۷۵۰ھ نے الجواہر النقی فی الرد علی البیہقی میں ان تمام لغزشوں اور غلطیوں کو متعین کر دیا ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اتقانی سے نقل کرتے ہوئے لکھا، امام طحاوی کی جلالت علم اور ان کے اجتہاد، ورع تقویٰ اور معرفت مذاہب میں ان کے تقدم کے پیش نظر ان لوگوں کے انکار کا کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ یہ منکرین امام طحاوی سے کافی متاخر ہیں۔ اگر کسی شخص کو امام طحاوی کی مہارت حدیث میں شک ہو تو وہ صرف معانی الآثار ہی کا مطالعہ کرے جو ان کی پہلی تصنیف ہے۔ ہمارا مسلک تو الگ رہا کیا کوئی شخص کسی مذہب سے بھی اس کتاب کی نظیر لا سکتا ہے۔

اعزاز اور اکرام

امام طحاوی کے علم و فضل اور ورع و تقویٰ کے سبب تمام لوگ ان کا احترام کیا کرتے تھے۔ اکابر سلطنت اور اعاظم ملت سب کے دلوں میں ان کی عظمت اور عقیدت جاگزین تھی اور عوام و خواص سب ان کا اعزاز اور اکرام ملحوظ رکھتے تھے۔

ابن زولاق بیان کرتے ہیں کہ جب عبد الرحمان بن اسحاق مصر کے عہدہ قضاء پر متمکن ہوئے تو وہ امام طحاوی کے آداب و احترام کا پورا پورا خیال رکھتے تھے اور سواری پر ہمیشہ ان کے بعد سوار ہوتے تھے اور ان کے بعد اترتے تھے جب ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو کہنے لگے، امام طحاوی عمر میں مجھ سے گیارہ سال بڑے ہیں اور اگر وہ مجھ سے گیارہ گھنٹے بھی بڑے ہوتے تو مجھ پر پھر بھی ان کا احترام لازم تھا کیونکہ عہدہ قضاء کوئی ایسی بڑی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے میں امام طحاوی جیسی شخصیت پر فخر کر سکوں۔[1]

اسی طرح جب ابو عبد اللہ محمد بن زبر نے عہدۂ قضا سنبھالا اور امام طحاوی

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لسان المیزان ج ۱ ص ۲۸۱

ان سے ملنے آئے تو انہوں نے آپ کا بہت اعزاز اور اکرام کیا اور ان سے ایک حدیث املاء کرائی جس کو انہوں نے تیس سال پہلے ایک شخص کے واسطہ سے امام طحاوی سے روایت کیا تھا۔[۱]

سیرت اور عظمت کردار

امام طحاوی حق گو، نڈر اور بے باک شخصیت کے مالک تھے۔ بغیر کسی لاگ لپیٹ کے اور نتائج کی پرواہ کیے بغیر کلمۂ حق کہتے اور اس پر قائم رہتے۔ وہ قاضی ابو عبید کے نائب تھے لیکن اس کو ہمیشہ صحیح روش کی تلقین کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے قاضی سے فرمایا کہ وہ اپنے کارندوں کا محاسبہ کیا کریں۔ قاضی نے جواب دیا کہ اسماعیل بن اسحاق اپنے کارندوں کا حساب نہیں لیتے تھے امام طحاوی نے فرمایا کہ قاضی بکار اپنے کارندوں کا محاسبہ کیا کرتے تھے۔ قاضی نے پھر اسماعیل کی مثال دی۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کارندوں کا محاسبہ کیا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں ابن اللتبیۃ کا قصہ سنایا۔[۲] جب کارندوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ غضب ناک ہو گئے اور انہوں نے قاضی کو امام طحاوی کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا یہاں تک کہ قاضی امام طحاوی کا مخالف ہو گیا۔ اس اثناء میں قاضی معزول کر دیا گیا۔ جب امام طحاوی اس معزولی کا پروانہ پڑھا تو کچھ لوگ کہنے لگے آپ کو مبارک ہو، امام طحاوی یہ سن کر سخت ناراض ہوئے اور کہنے لگے قاضی بہرحال ایک صاحب علم آدمی تھا میں اب کس کے ساتھ علمی گفتگو کیا کروں گا۔[۳]

---

[۱] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — لسان المیزان ج ۱ ص ۲۸۱

[۲] ابو حمید ساعدی سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اللتبیۃ نامی ایک شخص کو صدقہ کا عامل بنایا جب وہ مال لے کر آیا تو کہنے لگا کہ یہ تمہارا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور فرمایا یہ شخص اپنے گھر کیوں نہ بیٹھا پھر دیکھتے اس کو ہدیہ ملتا ہے یا نہیں۔ الحدیث مشکوٰۃ ص ۱۵۶

[۳] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — لسان المیزان ج ۱ ص ۲۸۰ تا ۲۸۱

تصانیف امام طحاوی کثیر التعداد کتب کے مصنف تھے، مؤرخین اور تذکرہ نگار ہر دور میں آپ کو سراہتے رہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، کلام، تاریخ، رجال اور مناقب تقریباً تمام موضوعات پر آپ کی تصانیف موجود ہیں جن کی تفصیل یہ ہے (۱) احکام القرآن (۲) شرح معانی الآثار (۳) مشکل الآثار (۴) اختلاف العلماء (۵) کتاب الشروط (۶) شروط الصغیر (۷) الشروط الاوسط (۸) مختصر الطحاوی فی الفقہ (۹) النوادر الفقہیہ (۱۰) کتاب النوادر والحکایات (۱۱) حکم ارض مکہ (۱۲) حکم الفئ والغنائم (۱۳) نقض کتاب المدسین (۱۴) کتاب الاشربہ (۱۵) الرد علی عیسیٰ بن ابان (۱۶) الرد علی ابی عبید (۱۷) اختلاف الروایات (۱۸) الرزیہ (۱۹) شرح الجامع الکبیر (۲۰) شرح الجامع الصغیر (۲۱) کتاب المحاضر والسجلات (۲۲) کتاب الوصایا والفرائض (۲۳) کتاب التاریخ الکبیر (۲۴) اخبار ابی حنیفہ (۲۵) ...... (۲۶) عقیدۃ الطحاوی (۲۷) تسویہ بین اخبرنا وحدثنا (۲۸) سنن الشافعی (۲۹) صحیح الآثار۔[1]

وصال بیاسی سال کی عظیم اور پُرشکوہ زندگی گزارنے کے بعد امام طحاوی یکم ذیقعدہ ۳۲۱ھ میں وصال فرما گئے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں :- اسی سال مصر میں ان کے شیخ ابوبکر احمد بن عبد الوارث، ہرات میں ابو علی احمد بن الباسانی، اصفہان میں ابو علی الحسن بن محمد، بغداد میں حافظ سعید بن محمد ان کے علاوہ محمد بن الحسن ازدی، محمد بن نوح نیشاپوری، مکحول، بیروتی اور رئیس معتزلہ ابو علی جبائی انتقال کر گئے۔[2]

---

[1] الفوائد البہیہ ص ۳۲ ۔ الحدائق الحنفیہ ص ۱۶۵ ۔ الجواہر المضیئۃ ج ۱ ص ۱۰۵

[2] امام ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۸۱۰

شرح معانی الآثار

شرح معانی الآثار فن حدیث میں ایک عظیم تصنیف اور احناف کا سرمایہ افتخار ہے۔ اس کتاب میں حدیث، فقہ اور رجال کے متعدد علوم کو حسن اور عمدگی کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے تبھی تو فاضل اتقانی نے فخر سے سر اٹھا کر کہا تھا کہ جو شخص امام طحاوی کی علمی مہارت کا اندازہ کرنا چاہتا ہو، اسے چاہیئے کہ وہ شرح معانی الآثار کا مطالعہ کرے۔ مسلک حنفی تو الگ رہا کسی مذہب سے بھی اس کتاب کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی ہے[1]

اس کتاب سے امام طحاوی کا مقصد صرف احادیث کو جمع کرنا نہیں تھا بلکہ ان کے سامنے اصل مقصد احناف کی تائید اور یہ ثابت کرنا تھا کہ مسائل شرعیہ میں امام اعظم کا موقف کسی جگہ بھی احادیث کے خلاف نہیں ہے۔ اور جو روایات بظاہر امام اعظم کے مسلک کے خلاف ہیں وہ یا مؤول ہیں یا منسوخ۔

اس تصنیف میں امام طحاوی متعدد جگہ احادیث پر فنی حیثیت سے کلام کرتے ہیں اور مخالفین کی پیش کردہ روایات پر فن رجال کے لحاظ سے جرح کرتے ہیں اس کے علاوہ عقلی لحاظ سے بھی مخالفین کے نقطۂ نظر کی تضعیف کرتے ہیں اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب روایت اور درایت کی جامع ہے اور جن خوبیوں اور محاسن پر یہ کتاب مشتمل ہے صحاح ستہ کی تمام کتب ان سے خالی ہیں۔

سبب تالیف امام ابو جعفر طحاوی اس کتاب کی تصنیف کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ مجھ سے بعض اہل علم حضرات نے فرمائش کی کہ میں ایک ایسی کتاب تصنیف کروں جس میں احکام سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ کشف الظنون ج ۲ ص ۱۶۲۸

کی ان احادیث کو جمع کروں جو بظاہر متعارض ہیں اور چونکہ ملحدین اور مخالفین اسلام اس ظاہری تعارض کی وجہ سے اسلام پر طعن کرتے ہیں اس لیے ان متعارض روایات میں تطبیق دینے کے لیے علماء اسلام کی ان تاویلات کا ذکر بھی کروں جو کتاب وسنت، اجماع اور اقاویل صحابہ سے مؤید ہیں اور جو روایات منسوخ ہوچکی ہیں ان کے نسخ پر دلائل پیش کردوں تاکہ احادیث نبویہ کے درمیان تعارض نہ رہے اور طعن مخالفین سے یہ روایات بے غبار ہوجائیں۔[1]

تسمیہ امام طحاوی نے اپنی اس تصنیف کا نام شرح معانی الآثار رکھا ہے۔ آثار سے مراد احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ ہیں یعنی احادیث اور آثار کے معانی میں فی نفسہا یا باہم ظاہری طور پر جو تعارض ہے امام طحاوی نے ان احادیث و آثار کے معانی کی شرح اور وضاحت کرکے اس تعارض کو اٹھا دیا ہے۔ اصل نام تو اس کتاب کا شرح معانی الآثار ہی ہے لیکن بعض دفعہ اختصار اور تخفیف کی غرض سے اس کو معانی الآثار سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسلوب تمام امہات کتب حدیث میں امام طحاوی کا طرز سب سے منفرد اور دلچسپ ہے وہ ایک باب کے تحت پہلے اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث وارد کرتے ہیں پھر ذکر کرتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے اس کے بعد ذکر کرتے ہیں کہ احناف کثرہم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں اور ان کی دلیل ایک اور حدیث ہے جو اس حدیث کے مخالف ہے پھر اس حدیث کے متعدد طرق ذکر کرتے ہیں اخیر میں مذہب احناف کو تقویت دیتے ہیں دونوں حدیثوں کا الگ الگ محل بیان کرکے تعارض دور کرتے ہیں اور کبھی پہلی حدیث کی سند کا ضعف ثابت کرکے دوسری حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض اوقات پہلی حدیث کا منسوخ ہونا واضح کردیتے ہیں۔ نیز انہوں نے ہر باب میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ احناف کی تائید کرنے کے لیے آخر میں ایک عقلی دلیل پیش کی جائے۔ اور اگر

---

[1] امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ طحاوی متوفی ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۵

مسلک احناف پر کوئی اشکال وارد ہوتا ہو تو اس کو بھی دور کرتے ہیں بسطور ذیل میں ہم چند مثالوں سے اس اسلوب کی وضاحت کر رہے ہیں۔

تطبیق امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث روایت کی۔ عن ابی هريرة يقول سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول لا صلوٰة لمن لا وضوء له ولا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه[1] یعنی نہ بغیر وضو کے نماز صحیح ہے اور نہ بغیر بسم اللہ کے وضو۔ پھر اس مضمون کی ایک اور حدیث روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں ؛۔ فذهب قوم الى ان من لم يسم على وضوء الصلوٰة فلا يجزيه وضوء واحتجوا فی ذالک بهذا الآثار ؛ یعنی ایک قوم کا یہی مذہب ہے کہ وضو بغیر بسم اللہ کے صحیح نہیں ہے۔ پھر لکھتے ہیں ؛۔ وخالفهم فی ذالک آخرون فقالوا من لم يسم على وضوء فقد اساء وقد طهر بوضوئه ذالک واحتجوا فی ذالک بما حدثنا ؛ یعنی بعض دوسرے حضرات (احناف) نے ان لوگوں سے اختلاف کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ جس شخص نے وضو سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھی اس نے اچھا نہیں کیا لیکن اس کا وضو صحیح ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ مہاجر بن قنفذ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے وقت سلام کیا حضور نے ان کے سلام کا جواب وضو سے فارغ ہو کر دیا اور فرمایا مجھے تمہارے سلام کا جواب دینے سے اس کے سوا اور کوئی چیز مانع نہیں تھی کہ میں بغیر وضو کے اللہ تعالیٰ کے ذکر کو پسند نہیں کرتا ہوں۔ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام طحاوی فرماتے ہیں اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وضو سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھی کیونکہ آپ نے بغیر وضو کے اللہ کے ذکر کو جو سلام کے جواب کی صورت میں ہونا ناپسند فرمایا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان لا وضوء لمن لم یسم ؛ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ بسم اللہ کے وضو اصلاً صحیح نہیں دوسرا

---

[1] امام ابوجعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۶

یہ کہ بسم اللہ کے بغیر وضو، کامل نہیں ہوتا اور یہی معنی مناسب ہے تاکہ دونوں حدیثوں میں تعارض نہ رہے۔ پھر اس معنی پر مزید قرائن بیان کرتے ہوئے اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث روایت کرتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص مسکین نہیں ہے جس کو ایک کھجور یا دو کھجوریں یا ایک لقمہ یا دو لقمے لوٹا دیں۔ اس حدیث سے آپ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ شخص فی نفسہ مسکین ہی نہیں بلکہ آپ کا مقصد یہ ہے کہ وہ مسکین کامل نہیں ہے اسی طرح ایک اور حدیث روایت کرتے ہیں کہ وہ شخص مسلمان نہیں ہے جو رات سیر ہو کر گذارے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو اس حدیث کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ ایسا شخص مسلمان نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص مسلمان کامل نہیں ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ان قرائن کے پیش نظر لا وضوء لمن لم یسم کو بھی اسی معنی پر محمول کرنا چاہیئے کہ جو شخص وضو سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو کامل نہیں ہے۔ تاکہ یہ احادیث آپس میں متعارض رہیں۔

نسخ جب دو متعارض حدیثوں میں سے کسی ایک کے بارے میں نسخ کی دلیل مل جائے تو امام طحاوی اس کے منسوخ کی تصریح کر دیتے ہیں اور ایک حدیث کو معمول اور دوسری کو متروک اور منسوخ قرار دیتے ہیں اس کی ایک مثال یہ ہے کہ امام طحاوی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول توضئوا مما مست النار[1] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس حدیث کو اختلاف الفاظ کے ساتھ طرق متعددہ سے روایت کرنے کے بعد امام طحاوی ایسی احادیث روایت کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ مثلاً روایت کرتے ہیں :۔ عن ابی هریرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل من ثور اقط فتوضأ ثم اکل بعدہ کتفا فصلی ولم یتوضاء فثبت بما ذکرنا ان آخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] امام ابو جعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۵۰

هو ترک الوضوء مما غیرت النار وان ما خالف ذالک فقد نسخ بالفعل الثانی ۔یعنی حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پنیر کا ٹکڑا کھایا اور دوبارہ نیا وضو کیے بغیر نماز پڑھی امام طحاوی فرماتے ہیں ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو کو ترک کرنا تھا اور جو روایات اس کے مخالف ہیں وہ سب منسوخ ہیں ۔

جرح متعارض روایات میں سے کسی ایک روایت کو فیصلہ کن قرار دینے کے لیے بعض اوقات امام طحاوی فن رجال سے کام لیتے ہیں اور دو متضاد روایات میں سے کسی ایک روایت کو باعتبار اسناد کے مرجوح قرار دیتے ہیں اور دوسری روایت کو راجح اور استنباط حکم کے لیے اصل قرار دیتے ہیں اس کی ایک مثال یہ ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک مس ذکر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے امام طحاوی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ بسرہ بنت صفوان سے روایت کرتے ہیں :- انھا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یامر بالوضوء من مس الفرج .[1]

امام طحاوی اس حدیث کو زہری کی روایت سے مفصلاً بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مروان نے عروہ سے مسئلہ میں گفتگو کی کہ مجھے بسرہ بنت صفوان نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مس ذکر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جب عروہ نے مروان سے اس مسئلہ میں موافقت نہیں کی تو مروان نے اپنا ایک سپاہی بھیج کر بسرہ سے اس حدیث کی تصدیق کرائی ۔ امام طحاوی فرماتے ہیں جب عروہ کے نزدیک خود مروان کی روایت حجت نہ تھی تو اس کے سپاہی کی روایت ان کے نزدیک کس طرح معتبر ہوگی ۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ربیعہ نے اس حدیث کو سن کر کہا کہ ذکر، خون یا حیض کی طرح نجس نہیں ہے اور جب خون یا حیض میں ہاتھ ڈال دینے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو مس ذکر سے وضو کس طرح ٹوٹ سکتا ہے اس کے بعد مس ذکر سے وضو ٹوٹنے کے بارے میں ایک اور حدیث روایت کرتے ہیں :- حدثنا یونس قال انا ابن وهب قال

---

[1] امام ابو جعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۵۵

حدثنا سعید بن عبد الرحمان عن هشام بن عروۃ عن ابیہ عن بسرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا مس احدکم ذکرہ فلا یصلین حتی یتوضأ ؛ اس حدیث کی سند پر جرح کرتے ہوئے امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ہشام بن عروہ کا اپنے والد عروہ سے سماع ثابت نہیں ہے دراصل یہ روایت انہوں نے ابوبکر سے سنی۔ اور تدلیس کر کے اپنے والد عروہ سے سماع ظاہر کیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک اور سند سے اس حدیث کو روایت کیا: حدثنا محمد بن الحجاج و ربیع المؤذن قال ثناء اللہ قال ثنا ابن لہیعہ قال ثنا ابو الاسود انہ سمع عروۃ یذکر عن بسرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم؛ اس سند پر گفتگو کرتے ہوئے امام طحاوی فرماتے ہیں جو فقہاء اور محدثین مس ذکر سے وضو کے قائل ہیں ان کے نزدیک خود بھی ابن لہیعہ قابل استدلال نہیں ہے کیونکہ دوسری جگہ وہ اس کی روایت کا اعتبار نہیں کرتے پھر ایک اور سند سے روایت کرتے ہیں۔ حدثنا علی بن معبد قال ثنا یعقوب بن ابراہیم بن سعد قال ثنا ابی عن ابن اسحاق قال حدثنا محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ عن عروہ بن الزبیر عن زید بن خالد قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من مس فرجہ فلیتوضأ حدثنا ابن ابی داؤد قال ثنا عیاش الرقام قال ثنا عبد الاعلی عن ابن اسحاق فذکر باسنادہ مثلہ ؛ اس سند پر گفتگو کرتے ہوئے امام طحاوی فرماتے ہیں کہ مخالفین کے نزدیک یہ بھی مسلم ہے کہ جب محمد بن اسحاق دوسرے راویوں کی مخالفت کرے تو اس کی روایت کا اعتبار نہیں ہوتا اور نہ ہی حالت انفراد میں اس کی روایت قابل قبول ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہاں نفس حدیث ہی منکر ہے بلکہ غلط ہے کیونکہ مروان نے جب عروہ سے یہ مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مس ذکر سے وضو نہیں ٹوٹتا تب مروان نے بسرہ کی یہ روایت بیان کی کہ مس ذکر سے وضو لازم ہے عروہ نے کہا تم نے اس حدیث کو بسرہ سے نہیں سنا۔ یہ واقعہ زید بن خالد کی موت کے کافی عرصہ بعد پیش آیا ہے۔

پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث زید بن خالد سے مروی ہوتی اور عروہ اس کا انکار کرتے۔ بعد ازاں امام طحاوی نے اس حدیث کو عمر بن شریح، صدقہ بن عبداللہ اور علاء بن سلیمان کی تین مختلف اسانید سے روایت کیا ہے پھر ان روایات پر جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان اسانید میں ضعیف راوی ہیں نیز وہ مخالفین کے نزدیک بھی ناقابل اعتبار ہیں۔ علاوہ ازیں فی نفسہٖ یہ روایات منکر ہیں پھر یزید بن عبدالملک کی سند سے اس کو روایت کیا اور بتلایا کہ یہ منکر الحدیث ہے ایک اور سند ذکر جس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ منقطع ہے کیونکہ اس میں مکحول کا عنبہ بن سفیان سے سماع نہیں ہے غرض یہ کہ جس قدر طرق اور اسانید سے یہ حدیث مروی ہے ان سب پہ جرح کر کے انہیں ساقط الاعتبار قرار دیتے ہیں پھر جس صحیح الاسناد حدیث سے یہ ثابت ہے کہ وضو نہیں ٹوٹتا اس کو روایت کرتے ہیں:۔ حدثنا محمد بن خزیمہ قال ثنا حجاج قال ثنا ملازم عن عبد الله بن بدر عن قیس بن طلق عن ابیہ عن النبی صلی الله علیہ وسلم انہ سالہ رجل فقال یا نبی اللہ ما تری فی مس الرجل ذکرہ بعد ما توضؤ فقال النبی صلی الله علیہ وسلم هل هو الا بضعة منک او مضغة منک [1] یعنی حضورؐ نے فرمایا ذکر بھی جسم کا ایک حصہ ہے اس کو چھونے سے وضو کس طرح ٹوٹ سکتا ہے اس حدیث پر اپنی رائے پیش کرتے ہوئے امام طحاوی لکھتے ہیں:۔ فھذا حدیث ملازم صحیح مستقیم اسناد غیر مضطرب فی اسنادہ ولا فی متنہ فھو اولی عندنا مما رویناہ اولا من الآثار المضطربة فی اسانیدھا [1] یعنی حدیث صحیح ہے جس کا متن اور سند دونوں اضطراب اور ضعف سے محفوظ ہے لہٰذا یہ اس روایت سے بہتر ہے جس کی تمام اسانید مضطرب ہیں۔

نظر صحیح سے ثبوت:۔ امام طحاوی کا طریقہ ہے کہ وہ ہر باب

---

[1] امام ابو جعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۵۸

میں اپنے مختار کو احادیث صحیحہ سے ثابت کرنے کے بعد دلائل عقلیہ اور نظر صحیح اس کو ثابت کرتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ سر پر مسح کرنے کی مقدار میں آئمہ کا اختلاف ہے امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ پورے سر کا مسح فرض ہے اور امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے۔ امام اعظم کے مسلک پر احادیث سے دلائل دینے کے بعد امام طحاوی فرماتے ہیں وضو میں بعض اعضا یعنی چہرہ اور ہاتھ پیر بالاتفاق دھوئے جاتے ہیں اور سر پر بالاتفاق مسح کیا جاتا ہے البتہ مقدار میں اختلاف ہے احناف کے نزدیک سر کے بعض کا اور مالکیہ کے نزدیک کل کا مسح فرض ہے اور جب ہم نے مسح کی ایک اور نظیر تلاش کی تو ہم نے دیکھا کہ جب پیروں پر موزے پہنے ہوتے ہوں تو ان پر مسح جائز ہے۔ اور سب کا اتفاق ہے کہ موزوں کے کل پر مسح نہیں ہوتا بلکہ بعض پر مسح ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ مسح کے باب میں اصل متفق علیہ یہ ہے کہ بعض پر مسح ہو۔ لہٰذا سر کے بھی حصہ پر مسح فرض ہونا چاہیئے۔[1]

استدراک نظر صحیح کی بحث میں امام طحاوی بعض اوقات مخالف کی نظر فاسد کا جواب بھی ذکر کرتے ہیں مثلاً روافض کا مسلک یہ ہے کہ وضو میں پیروں کو دھونے کی بجائے ان پر مسح کرنا چاہیئے ان کی دلیل یہ ہے کہ جن اعضا کو وضو میں دھویا جاتا ہے ان اعضا پر تیمم میں مسح کیا جاتا ہے اور جن اعضا پر وضو میں مسح کیا جاتا ہے تیمم میں وہ اعضا اصلاً ساقط ہیں اور جبکہ بالاتفاق تیمم میں پیروں کا مسح ساقط ہے تو معلوم ہوا وضو میں ان پر مسح ہے کیونکہ اگر وضو میں ان کا حکم دھونا ہوتا تو تیمم میں ان پر مسح ہوتا۔ اس کے جواب میں امام طحاوی فرماتے ہیں کہ تیمم جس طرح وضو کا نائب ہے اسی طرح غسل کا نائب ہے اس بنا پر لازم آئے گا کہ تیمم میں جن اعضا کو چھوڑ دیا جاتا ہے غسل میں ان تمام اعضا پر مسح کیا جائے۔ لہٰذا غسل میں تمام بدن کو دھونا فرض نہیں رہے گا بلکہ ضروری ہوگا کہ چہرہ اور ہاتھوں کو دھو کر باقی بدن پر مسح کر لیا جائے اور جبکہ یہ بداہۃً باطل ہے تو معلوم ہوا کہ مخالف نے جس نظر سے

---

[1] امام ابوجعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۵

استدلال کیا ہے وہ فاسد ہے[1]

شروح شرح معانی الآثار کی افادیت اور عظمت کے پیش نظر اس کی متعدد شروحات تصنیف کی گئی ہیں. حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں بعض شروحات کا ذکر کیا ہے[2] سب سے پہلے اس کی شرح ابوالحسین محمد بن محمد باہلی متوفی ۳۲۸ھ نے کی ہے اس کے بعد اس کی سب سے عظیم اور قابل قدر شرح حافظ بدرالدین محمود بن محمد عینی متوفی ۸۵۵ھ نے کی ہے جس کا ایک مخطوطہ مصر کے کتب خانہ میں موجود ہے اس کتاب کا نام مبانی الاخبار فی شرح معانی الآثار ہے اور یہ آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے اس کے علاوہ شرح معانی الآثار کے رجال کی تحقیق میں بھی علامہ عینی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام مغانی الاخیار فی رجال معانی الآثار رکھا ہے۔

معانی الآثار کے رجال پر ایک کتاب شیخ قاسم بن قطلوبغا متوفی ۸۷۹ھ نے بھی لکھی ہے جس کا نام الایثار برجال معانی الآثار ہے۔ حافظ ابن عبد البر اور حافظ ذہبی نے اس کی تلخیص بھی کی ہے متاخرین میں سے مولانا امجد علی مصنف بہار شریعت نے بھی اس کی ایک مبسوط شرح لکھی ہے لیکن وہ نہ تو مکمل ہو سکی اور نہ طبع۔ محدث سورتی نے اس پر ایک مختصر اور مفید حاشیہ لکھا ہے جس میں مشکل الفاظ کے معانی اور باب کی پوری بحث کا خلاصہ پیش کر دیتے ہیں۔

---

[1] امام ابوجعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ — شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۳۶

[2] حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ — کشف الظنون ج ۲ ص ۱۶۲۸

امام بخاریؒ

امام بخاری اپنے پیش رو آئمہ کی آرزو، اساتذہ کا فخر اور معاصرین کے لیے سراپا رشک تھے۔ ان کے زمانہ میں احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی کا فن حدیث میں چرچا تھا لیکن جب آسمان علم حدیث پر امام بخاری کا سورج طلوع ہؤا تو تمام محدثین ستاروں کی طرح چھپتے چلے گئے۔ صحیح مجرد میں سب سے پہلے انہوں نے مجموعہ حدیث پیش کیا اور پھر کتب صحاح کی تصنیف کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

ولادت و سلسلۂ نسب

ناصر الاحادیث النبویہ و ناشر المواریث المحمدیہ امیر المؤمنین فی الحدیث امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری الجعفی ۱۳ شوال ۱۹۴ھ میں ماوراء النہر کے مشہور شہر بخارا میں پیدا ہوئے۔ امام بخاری کے والد اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی عظیم محدث اور ایک صالح بزرگ تھے۔ ابن حبان نے ان کو طبقہ رابعہ کے ثقہ راویوں میں شمار کیا[1]۔ امام ذہبی نے تاریخ اسلام میں اور امام بخاری نے تاریخ کبیر میں ان کا مفصل تذکرہ لکھا۔ انہیں امام مالک، عبداللہ بن مبارک اور حماد بن زید جیسے یکتائے روزگار حضرات سے روایت حدیث کا شرف حاصل ہؤا۔ اور یحییٰ بن جعفر بیکندی، احمد بن جعفر، نصر بن حسین اور عراقیوں کی ایک بڑی جماعت نے ان سے احادیث کا سماع کیا۔ امام بخاری کے والد خوشحال اور دولتمند تھے اور جس قدر مالدار تھے اتنے ہی پرہیزگار تھے۔ احمد بن حفص کہتے ہیں کہ میں ابوالحسن اسماعیل بن ابراہیم کی موت کے وقت ان کی خدمت میں حاضر تھا وہ کہنے لگے میرے پاس جس قدر مال ہے اس میں ایک درہم بھی مشتبہ نہیں ہے[2]۔

---

[1] شہاب الدین ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ — تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۷

[2] شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ — ارشاد الساری ج ۱ ص ۳۱

امام بخاری کے جدِ امجد مغیرہ بن بردزجعفی مجوسی تھے اور اس زمانہ میں بخارا کے حاکم یمان جعفی کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور اسی نسبت سے جعفی کہلائے۔ امام بخاری کو بھی جعفی اسی سبب سے کہا جاتا ہے۔[1]

ابتدائی حالات

ایام طفولیت ہی میں امام بخاری کے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور پرورش کی تمام تر ذمہ داری آپ کی والدہ نے سنبھال لی تھی۔

صغر سن میں ہی امام بخاری نابینا ہو گئے اس وقت کے مشہور اطباء اور معالجین سے رجوع کیا گیا مگر کسی کی پیش نہ جا سکی۔ آپ کی والدہ بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں انہوں نے رو کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کی اور دامن پھیلا کر اپنے لختِ جگر کے لیے بصارت مانگی بالآخر دریائے رحمت جوش میں آیا اور ایک رات انہیں خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری آہ و زاری اور دعاؤں کی کثرت کے سبب تمہارے بیٹے کی بصارت لوٹا دی ہے۔ صبح جب امام بخاری بستر سے اٹھے تو ان کی آنکھیں روشن تھیں۔[2]

زمانہ تعلیم

ابتدائی اور ضروری تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب امام بخاری کی عمر دس سال کو پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں علم حدیث کی تحصیل کا شوق پیدا کیا اور آپ نے بخارا کے درس حدیث میں داخلہ لے لیا۔ علم حدیث کو آپ نے انتہائی کاوش اور محنت سے حاصل کیا۔ متن کو محفوظ رکھا اور سند کے ایک ایک راوی کو ضبط کیا حتیٰ کہ ایک سال بعد متن حدیث اور اس کی سند پر آپ کے عبور کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات اساتذہ بھی آپ سے اپنی تصحیح کرتے تھے ایک مرتبہ آپ کے استاذ داخلی نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا۔ حدثنا سفیان عن ابی الزبیر عن ابراھیم؛ آپ نے فرمایا ابو الزبیر کی ابراہیم سے کوئی روایت نہیں ہے۔ استاذ نے ناراض ہو کر امام بخاری کو تنبیہ کی آپ نے کہا اگر آپ کے پاس اصل ہے تو اس میں دیکھ لیجئے۔

---

[1] شیخ عبدالحق دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۹

[2] ایضاً " " " " " "

استاذ نے اصل کی طرف رجوع کیا اور کہا اچھا پھر بتلاؤ یہ روایت کس طرح ہے آپ نے عرض کیا۔ حدثنا سفیان عن زبیر بن عدی عن ابراہیم ؒ اور بتلایا کہ یہ لفظ ابی الزبیر نہیں زبیر بن عدی ہے۔ استاذ حیران رہ گئے اور انہوں نے بھری مجلس میں امام بخاری کی تحسین کی۔ امام بخاری یونہی تیزی اور مہارت سے علوم دینیہ حاصل کرتے رہے یہاں تک کہ سولہ سال کی عمر میں امام بخاری نے عبداللہ بن مبارک، وکیع اور دیگر اصحاب ابی حنیفہ کی کتابوں کو ازبر کر لیا تھا۔[1]

زیارت حرمین و آغاز تصنیف

اٹھارہ سال کی عمر میں امام بخاری اپنے بڑے بھائی احمد بن اسماعیل اور اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ حج کرنے کے لیے حرمین شریفین حاضر ہوئے۔ حج کے بعد ان کے بھائی تو والدہ کو لے کر واپس چلے گئے اور امام بخاری مزید تعلیم کے حصول کے لیے وہیں رہ گئے۔ اسی دوران انہوں نے قضایا الصحابۃ والتابعین کے عنوان سے ایک کتاب لکھی اور اس کے بعد چاندنی راتوں میں روضۂ انور کے پہلو میں بیٹھ کر تاریخ کبیر تصنیف کی۔ امام بخاری کہتے ہیں میں نے تاریخ کبیر میں جتنے لوگوں کے اسماء ذکر کیے ہیں مجھے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں کوئی نہ کوئی قصہ معلوم تھا لیکن اختصار کے سبب میں نے ان تمام قصوں کو درج نہیں کیا۔ تاریخ کبیر کی تکمیل ہوتے ہی اس کی نقل کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ محمد بن یوسف فریابی کہتے ہیں کہ میں نے تاریخ کبیر کو اس وقت نقل کیا جب ابھی امام بخاری کی داڑھی بھی نہیں آئی تھی۔[2]

حصول علم کے لیے رحلت

امام بخاری نے طلب حدیث کے لیے پہلا سفر مکہ کی طرف ۲۱۶ھ میں کیا تھا۔ اور اگر وہ اس سے پہلے سفر کرتے تو اس زمانہ کے طبقہ عالیہ کے ان محدثین سے روایت حاصل کر لیتے جن سے ان کے معاصرین نے روایت کی ہے اگرچہ انہوں نے طبقہ عالیہ

---

[1] حافظ ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ — ھدی الساری ج ۲ ص ۲۵۰

[2] شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ — ارشاد الساری ج ۱ ص ۳۲

کے متقارب رواۃ مثلاً یزید بن ہارون اور ابو داؤد طیاسی کا زمانہ پا لیا تھا۔[1]

جس زمانہ میں امام بخاری مکہ میں وارد ہوئے اس وقت یمن میں امام عبدالرزاق بقید حیات موجود تھے۔ امام بخاری نے ان سے روایت حدیث کے لیے یمن جانے کا قصد کیا۔ لیکن کسی نے ان کو غلط خبر دی کہ امام عبدالرزاق کا انتقال ہو گیا یہ سُن کر انہوں نے سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا اور ایک واسطہ کے ساتھ امام عبدالرزاق سے روایت حدیث کرنے لگے۔

امام بخاری نے روایت حدیث کے سلسلہ میں بارہا دور دراز شہروں کا سفر کیا اور برسہا برس وطن سے دور بیٹھے اکتساب علم کرتے رہے۔ انہوں نے خود بیان کیا ہے کہ میں طلب حدیث کے لیے مصر اور شام دو مرتبہ گیا۔ چار مرتبہ بصرہ گیا، چھ سال حجاز مقدس میں رہا اور اَن گنت مرتبہ محدثین کے ہمراہ کوفہ اور بغداد گیا۔

بے مثال حافظہ

امام بخاری بے پناہ قوت حافظہ کے مالک تھے۔ جب ہم ان کی قوت حفظ کے کارنامے صفحات تاریخ پر دیکھتے ہیں تو یوں گمان ہوتا ہے جیسے وہ سر سے پیر تک حافظہ ہی حافظہ ہوں۔ ان کے حافظہ کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں ابوہریرہ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ حاشد بن اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری لڑکپن میں ہمارے ساتھ حدیث کے سماع کے لیے مشائخ بصرہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ امام بخاری کے سوا ہم تمام ساتھی احادیث ضبط تحریر میں لے آتے تھے۔ سولہ دن گذر جانے کے بعد ایک روز ہمیں خیال آیا اور ہم نے بخاری کو ملامت کی اور کہا کہ تم نے احادیث ضبط نہ کر کے اتنے دنوں کی محنت ضائع کر دی۔ امام بخاری نے ہم سے کہا اچھا تم نے اپنے ضبط شدہ نوٹ لے آؤ۔ ہم اپنے اپنے نوٹ لے کر آئے اور امام بخاری نے سلسلہ وار احادیث سنانی شروع کر دیں یہاں تک کہ انہوں نے پندرہ ہزار سے زیادہ احادیث بیان کر ڈالیں اور یہ سن کر ہمیں یوں گمان ہوتا تھا کہ گویا یہ روایات ہمیں امام بخاری نے لکھوائی ہیں۔

محمد بن ازہر سجستانی کہتے ہیں کہ میں امام بخاری کے ساتھ سلیمان بن حرب کی خدمت

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی نے یونہی لکھا ہے لیکن امام بخاری نے چونکہ اٹھارہ سال کی عمر میں حج کیا تھا اس لیے سفر مکہ کا سن ۲۱۰ھ ہونا چاہیئے۔ سعیدی غفرلہٗ

میں سماع حدیث کے لیے حاضر ہوتا تھا میں احادیث لکھتا تھا اور امام بخاری نہیں لکھتے تھے کسی نے مجھ سے کہا بخاری احادیث کو نوٹ کیوں نہیں کرتے میں نے کہا تم سے کوئی حدیث اگر لکھنے سے رہ جائے تو بخاری کے حافظہ سے لکھ لینا۔

محمد بن حاتم کہتے ہیں کہ ایک دن ہم فریابی کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ فریابی نے ایک حدیث کی سند بیان کرتے ہوئے کہا۔ حدثنا سفیان عن ابی عروۃ عن ابی الخطاب عن ابی حمزہ۔ اس سند میں سفیان کے علاوہ باقی تمام راویوں کی کنیت ذکر کی گئی تھی فریابی نے ان راویوں کے اصل نام پوچھے تمام مجلس پر سکتہ چھا گیا اور کسی کو بھی ان کے ناموں کا پتہ نہ چل سکا بالآخر سب کی نظریں امام بخاری کی طرف اٹھیں اور انہوں نے کہنا شروع کیا، ابوعروہ کا نام معمر بن راشد ہے اور ابوالخطاب کا نام قتادہ بن دعامہ ہے اور ابوحمزہ کا نام انس بن مالک ہے، جیسے ہی امام بخاری نے یہ اسماء بیان کیے تمام حاضرین مجلس دم بخود رہ گئے۔[1]

امام بخاری کی قوت حفظ بیان کرنے کے لیے یہ امر کافی ہے کہ جس کتاب کو وہ ایک نظر دیکھ لیتے تھے وہ انہیں حفظ ہو جاتی تھی تحصیل علم کے ابتدائی دور میں انہیں ستر ہزار احادیث حفظ تھیں اور بعد میں جا کر یہ عدد تین لاکھ تک پہنچ گیا جن میں سے ایک لاکھ احادیث صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح تھیں۔ ایک مرتبہ بلخ گئے تو وہاں کے لوگوں نے فرمائش کی آپ اپنے شیوخ سے ایک ایک روایت بیان کریں تو آپ نے ایک ہزار شیوخ سے ایک ہزار احادیث زبانی بیان کر دیں۔

سلیمان بن مجاہد کہتے ہیں کہ ایک دن میں محمد بن سلام بیکندی کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ محمد بن سلام نے کہا اگر تم کچھ دیر پہلے میرے پاس آتے تو میں تم کو وہ بچہ دکھلاتا جس کو ستر ہزار احادیث یاد ہیں۔ سلیمان نے اس مجلس سے اٹھ کر امام بخاری کی تلاش شروع کر دی بالآخر سلیمان نے امام بخاری کو ڈھونڈھ نکالا اور پوچھا کیا تم ہی وہ شخص ہو جس کو ستر ہزار احادیث حفظ ہیں امام بخاری نے کہا مجھے اس سے بھی زیادہ احادیث یاد ہیں اور میں جن صحابہ سے

---

[1] حافظ ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ ھدی الساری ج ۲ ص ۲۵۱

احادیث روایت کرتا ہوں ان میں سے اکثر کی ولادت اور وفات کی تاریخ اور ان کی جائے سکونت پر اطلاع رکھتا ہوں۔ نیز میں کسی حدیث کو روایت نہیں کرتا مگر کتاب اور سنت سے اس کی اصل پر واقفیت رکھتا ہوں[۱]

اساتذہ و مشائخ امام بخاری کے اساتذہ اور مشائخ کی تعداد بہت زیادہ ہے انہوں نے شہر در شہر اور قریہ در قریہ جا کر علم حدیث حاصل کیا۔ امام بخاری نے حصول روایت میں اکابر، اماثل اور اصاغر کے فرق کا کبھی خیال نہیں رکھا۔ انہیں جہاں سے بھی روایت ملی اخذ کر لیتے خواہ بیان کرنے والا ان سے برتر ہو مساوی ہو یا کمتر۔ امام بخاری کے اساتذہ و مشائخ کی تعداد یوں تو ایک ہزار سے زائد ہے لیکن انہوں نے اپنے وقت کے جن عظیم محدثین سے سماع حدیث کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

بخارا میں محمد بن سلام بیکندی، عبداللہ بن محمد مسندی، محمد بن عروہ اور ہارون بن الشعث سے بلخ میں مکی بن ابراہیم، یحییٰ بن بشر الزاہد اور قتیبہ سے، مرو میں علی بن شقیق، عبدان، معاذ بن اسد اور صدقہ بن فضل سے، نیشاپور میں یحییٰ بن یحییٰ، بشر بن حکم اور اسحاق سے، ری سے حافظ ابراہیم بن موسیٰ وغیرہ سے، بغداد میں محمد بن عیسیٰ، شریح بن نعمان اور معلی بن منصور سے، بصرہ میں ابو عاصم النبیل، بدل بن محبر، محمد بن عبداللہ انصاری، عبدالرحمان بن محمد، عمر بن عاصم اور عبداللہ بن رجاء سے، کوفہ میں عبیداللہ بن موسےٰ، ابو نعیم، طلق بن غنام، حسن بن عطیہ، خلاد بن یحییٰ، خالد بن مخلد اور قبیصہ سے، مکہ میں ابو عبدالرحمان مقری، حمیدی اور احمد بن محمد ازرقی سے، مدینہ میں عبدالعزیز اویسی مطرف بن عبداللہ اور ابو ثابت محمد بن عبداللہ سے، واسط میں عمرو بن محمد بن عون وغیرہ سے مصر میں سعید بن ابی مریم، عبداللہ بن صالح، سعید بن طلید اور عمرو بن ربیع بن طارق سے دمشق میں ابو مسہر اور ابو نصر فرادیسی سے، قیساریہ میں محمد بن یوسف فریابی سے، عسقلان میں آدم بن ابی ایاس سے، حمص میں ابو المغیرہ، ابو الیمان، علی بن عیاش احمد بن خالد، وہبی اور وحاظی سے سماع حدیث کیا۔[۲]

---

[۱] شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ ارشاد الساری ج ۱ ص ۳۲

[۲] ایضاً " " " " ص ۳۲

بعض محققین نے امام بخاری کے اساتذہ اور مشائخ کے ضبط کا ایک خاص طریقہ بیان کیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ امام بخاری کے اساتذہ پانچ طبقوں میں منحصر ہیں۔ طبقہ اولیٰ میں وہ مشائخ ہیں جو ثقات تابعین سے روایت کرتے ہیں جیسے محمد بن عبداللہ انصاری، مکی بن ابراہیم، ابوعاصم انیس، عبیداللہ بن موسیٰ، اسماعیل بن ابی خالد اور ابونعیم وغیرہ۔ اور طبقہ ثانیہ میں وہ مشائخ ہیں جو طبقہ اولیٰ کے معاصر ہیں لیکن وہ ثقات تابعین سے روایت نہیں کرتے جیسے آدم بن ابی ایاس، ابومسہر، سعید بن ابی مریم اور ایوب بن سلیمان وغیرہ اور طبقہ ثالثہ میں وہ مشائخ ہیں جو کبار تبع تابعین سے روایت کرتے ہیں جیسے سلیمان بن حرب، قتیبہ بن سعید، نعیم بن حماد، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ اس طبقہ سے روایت کرنے میں امام مسلم بھی امام بخاری کے شریک ہیں اور طبقہ رابعہ میں وہ مشائخ ہیں جو طلب حدیث کے سلسلہ میں امام بخاری کے رفیق اور شریک تھے لیکن انہوں نے سماع حدیث امام بخاری سے پہلے شروع کیا تھا جیسے محمد بن یحییٰ ذہلی، ابوحاتم رازی، محمد بن عبدالرحیم، عبد بن حمید اور احمد بن نضر اس طبقہ سے امام بخاری نے اس وقت احادیث کی روایت کی جب ان کے مشائخ فوت ہو چکے تھے اور جو احادیث اس طبقہ سے روایت کی ہیں وہ اور کسی کے پاس نہیں تھیں۔ اور طبقہ خامسہ میں وہ مشائخ ہیں جو دراصل امام بخاری کے تلامذہ تھے[1] جیسے عبداللہ بن حماد آملی، عبداللہ بن عباس خوارزمی اور حسین بن محمد قبانی، اس طبقہ سے بھی امام بخاری نے ضرورت اور فائدہ کے پیش نظر احادیث روایت کی ہیں اگرچہ ان کی تعداد بہت کم ہے۔ بہرحال اس تحقیق سے یہ ظاہر ہوگیا کہ امام بخاری نے اپنے اکابر، اماثل اور اصاغر سب سے روایت حدیث کی ہے اور اپنے اس قول کو سچا کر دکھایا کہ اس وقت تک کوئی شخص کامل محدث نہیں ہو سکتا جب تک کہ خود سے برتر، مساوی اور کمتر سے حدیث روایت نہ کرے[2]

خداداد ذہانت:۔ امام بخاری کا ذہن بہت بیدار اور نکتہ رس تھا وہ قرطاس

---

[1] امام ترمذی بھی اسی طبقہ میں شمار ہوتے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ۔

[2] حافظ ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ   ھدی الساری ج ۲ ص ۲۵۱

وقلم پر اتنا اعتماد نہیں کرتے تھے جتنا انہیں اپنے حافظہ اور ذہن پر اعتماد تھا۔ لوگوں نے بارہا فنِ حدیث میں امام بخاری کی قابلیت کا امتحان لیا لیکن وہ اپنی خداداد ذہانت اور بے مثال حافظہ کی وجہ سے ہمیشہ سرخرو رہے۔

حافظ احمد بن عدی بیان کرتے ہیں کہ جب اہل بغداد کو معلوم ہوا کہ امام بخاری بغداد آرہے ہیں تو بغداد کے محدثین نے امام بخاری کا امتحان لینے کے لیے ایک سو احادیث کے متون اور اسناد میں ردو بدل کر دیا۔ ایک حدیث کی سند کو دوسری حدیث کے ساتھ اور اس کی سند کو پہلی حدیث کے ساتھ لگا دیا اور اس طرح ایک سو احادیث کے متن اور سند الٹ پلٹ کر دیئے اور دس آدمیوں میں یہ احادیث اس طرح تقسیم کر دیں کہ ہر شخص ایک ایک کر کے دس احادیث کے بارے میں امام بخاری سے سوال کرے۔

امام بخاری جب بغداد میں داخل ہوئے تو اہل بغداد نے ان کے اعزاز میں ایک مجلس مذاکرہ منعقد کی جس میں علماء، امراء اور عوام کی بہت بڑی اکثریت شامل تھی۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق ایک شخص اٹھا اور اس نے سند مقلوب کے ساتھ پہلی حدیث پڑھی امام بخاری سے پوچھا۔ کیا آپ کو یہ حدیث معلوم ہے آپ نے فرمایا نہیں اس نے پھر دوسری حدیث پڑھی پھر تیسری پھر چوتھی یہاں تک کہ اس نے دس احادیث پڑھ ڈالیں اور امام بخاری نے ہر بار نفی میں جواب دیا۔ جاننے والے اصل سبب سمجھ کر امام بخاری کے علم پر حیران ہو رہے تھے اور انجان لوگ اس جواب کو امام بخاری کا عجز سمجھ کر پریشان ہو رہے تھے پہلے شخص کے سوالات کے بعد اسی طرح دوسرے شخص نے اٹھ کر سوالات کیے اور امام بخاری نے اسی طرح جواب دیئے پھر تیسرا اٹھا پھر چوتھا یہاں تک کہ دس آدمیوں نے سو احادیث پوری کر ڈالیں اور امام بخاری نے ان تمام احادیث کے جواب میں یہی کہا کہ میں انہیں نہیں جانتا۔ جب امام بخاری نے دیکھا کہ یہ لوگ سوالات سے فارغ ہو گئے اور اب کوئی شخص نہیں اٹھتا تو آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ پہلے شخص نے جو حدیث پڑھی اس کی اس نے یہ سند بیان کی تھی اور اس کی سند یہ ہے اس طرح ان لوگوں کی پڑھی ہوئی سو کی سو احادیث کی غلط اسناد بھی پڑھ کر سنائیں اور ان کی اصل اسناد بھی بیان کر دیں اور ہر حدیث کو اس

کی اصل سند کے ساتھ لاحق کر دیا جیسے ہی امام بخاری نے اپنے بیان کو ختم کیا تمام مجلس میں تحسین و مرحبا کا غلغلہ اور آفرین آفرین کا شور اٹھا اور عوام و خواص سب نے امام بخاری کے فضل کا اعتراف اور ان کی عظمت کا اقرار کر لیا۔[1]

حافظ ابوالازہر روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سمرقند میں چار سو محدث جمع ہوئے اور انہوں نے امام بخاری کو مغالطہ دینے کے لیے شام کی اسناد عراق کی اسناد میں داخل کیں اور عراق کی شام میں، اسی طرح حرم کی اسناد یمن میں داخل کیں اور یمن کی حرم میں وہ لوگ سات دن تک لگاتار اس قسم کے مغالطہ آمیز متون اور اسانید امام بخاری پر پیش کرتے رہے لیکن ایک بار بھی وہ امام بخاری کو نہ سند میں مغالطہ دے سکے نہ متن میں۔[2]

کثرت طرق پر اطلاع

امام بخاری علم حدیث میں ہر قسم کی معلومات کے حامل تھے، حدیث کے تمام طرق ان کی نظر میں ہوتے تھے ایک روایت جتنی اسانید سے مروی ہوتی تھی امام بخاری کو ان تمام پر عبور ہوتا تھا اس زمانہ میں طرق و اسانید پر ان سے زیادہ کسی کو دسترس نہیں تھی۔

یوسف بن موسیٰ مروزی بیان کرتے ہیں کہ میں بصرہ کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ منادی کی آواز آئی اے علم کے طلبگارو! امام محمد بن اسماعیل یہاں آئے ہوئے ہیں جس نے ان سے احادیث کی روایت لینی ہو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ مروزی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ایک دبلا پتلا سا نوجوان ستون کے قریب انتہائی سادگی اور خضوع و خشوع سے نماز پڑھ رہا ہے یہی امام بخاری تھے اعلان سنتے ہی چاروں طرف سے مشتاق امام بخاری کے گرد جمع ہو گئے امام بخاری نے انہیں اگلے روز احادیث لکھوانے کا وعدہ کیا اور دوسرے روز صبح مجلس املاء منعقد ہو گئی۔ آپ نے فرمایا میں تم کو وہی احادیث لکھواؤں گا جو تمہارے شہر کے محدثین بیان کرتے ہیں لیکن نئی سند کے ساتھ پھر آپ نے ایک حدیث منصور کی روایت سے پڑھی اور فرمایا تمہارے شہر والے اس حدیث کو منصور کے غیر سے روایت کرتے ہیں اسی

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — ھدی الساری ج ۲ ص ۲۵۱

[2] شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ — ارشاد الساری ج ۱ ص ۳۴

طرح امام بخاری نے ان کو کثیر تعداد میں احادیث لکھوائیں اور ہر حدیث کے بارے میں فرماتے تمہارے شہر والوں نے اس کو فلاں سے روایت کیا ہے اور میں اس کو فلاں سے لکھواتا ہوں [۱]

حافظ ابو احمد اعمش بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نیشاپور کی ایک مجلس میں امام مسلم بن حجاج امام بخاری سے ملنے آئے دوران مجلس کسی شخص نے یہ حدیث پڑھی۔

عن ابن جریج عن موسیٰ بن عقبۃ عن اسماعیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کفارۃ المجلس اذا قام العبد ان یقول سبحانک اللھم و بحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک و اتوب الیک ۔

امام مسلم نے اس حدیث کو سن کر کہا سبحان اللہ کس قدر عمدہ حدیث ہے دنیا میں اس کا ثانی نہیں ہے یعنی یہ حدیث صرف اسی سند سے پائی جاتی ہے پھر امام بخاری سے پوچھا کیا آپ کو کسی اور سند کا علم ہے امام بخاری نے فرمایا ہاں لیکن وہ سند معلول ہے۔ امام مسلم نے درخواست کی کہ مجھے وہ سند بتلائیں۔ امام بخاری نے فرمایا جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر نہیں کیا اسے مخفی ہی رہنے دو۔ امام مسلم نے اٹھ کر امام بخاری کے سر کو بوسہ دیا اور اس عاجزی سے مطالبہ کیا کہ اگر امام بخاری نہ بتلاتے تو قریب تھا کہ امام مسلم رو پڑتے بالآخر امام بخاری نے فرمایا اگر نہیں مانتے تو لکھو۔ حدثنا موسیٰ بن اسماعیل حدثنا وھیب حدثنا موسیٰ بن عقبۃ عن عون بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفارۃ المجلس الحدیث ۔

امام مسلم اس حدیث کو سن کر بے حد مسرور ہوئے اور بے اختیار کہنے لگے اے امام میں شہادت دیتا ہوں کہ دنیا میں کوئی شخص آپ کا مماثل نہیں ہے اور جو شخص آپ سے بغض رکھے وہ حاسد کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا [۲]

---

[۱] شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ ارشاد الساری ج ۱ ص ۳۴

[۲] ایضاً " " " " "

معرفت علل حدیث

علل حدیث کی معرفت کو علم اصول حدیث میں انتہائی اہمیت دی جاتی ہے حدیث معلل اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کوئی علت خفیہ قادحہ ہو یعنی حدیث بظاہر صحیح معلوم ہوتی ہو لیکن دراصل اس میں کوئی سقم ہو مثلاً موقوف کو مرفوع قرار دیا گیا ہو یا بالعکس اسی طرح مرسل کو موصول قرار دیا ہو یا بالعکس یا ایک حدیث کے متن کو دوسری حدیث میں داخل کر دیا گیا ہو یا اور کوئی وہم ہو۔ ان علل مذکورہ میں سے کوئی علت بھی سند یا متن میں پائی جاتی ہو تو وہ حدیث معلل ہوتی ہے۔ آئمہ حدیث نے حدیث معلل کی معرفت کو بہت مشکل قرار دیا ہے حتی کہ عبدالرحمٰن مہدی نے کہا کہ علل حدیث کی معرفت الہام کے سوا حاصل نہیں ہوتی۔

امام بخاری حدیث کے باقی فنون کی طرح علل حدیث میں بھی انتہائی ماہر اور اپنے وقت کے امام گردانے جاتے ہیں اور بڑے بڑے مشہور محدث آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ سے علل حدیث کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے۔

وراق بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام مسلم بن حجاج، امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے استاذ الاساتذہ، سید المحدثین اور علل حدیث کے طبیب یہ بتلایئے کہ

اخبرنا ابن جریج عن موسیٰ بن عقبہ عن سہیل عن ابیہ عن ابی ھریرہ

اس سند میں کون سی علت ہے امام بخاری نے فرمایا کہ موسیٰ بن عقبہ کا سہیل سے سماع نہیں ہے پس جو حدیث بظاہر متصل تھی وہ درحقیقت منقطع ثابت ہوئی۔[1]

حافظ احمد بن حمدون بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک جنازہ کے موقعہ پر دیکھا کہ محمد بن یحییٰ ذہلی، امام بخاری سے اسماء اور علل کے بارے میں سوال کر رہے تھے اور امام بخاری اس تیزی اور روانی سے جواب دے رہے تھے جیسے آپ کے مونہہ سے جواب نہیں، کمان سے تیر نکل رہا ہو۔[2]

نجی حالات: امام بخاری کے والد محدث اسماعیل بن ابراہیم انتہائی

---

[1] طاہر بن صالح بن احمد الجزائری — توجیہ النظر ص ۲۶۸

[2] حافظ ابن حجر العسقلانی — ھدی الساری ج ۲ ص ۲۶۰

امیر کبیر شخص تھے اور امام بخاری نے ان سے وراثت میں مال و دولت کا بہت بڑا حصہ حاصل کیا تھا۔ امام بخاری اپنا مال مضاربت پر دیتے تھے خود بنفسہ تجارت نہیں کرتے تھے ایک شخص نے آپ کے پچیس ہزار درہم دینے تھے آپ نے فرمایا تم دس درہم ماہانہ ادا کر دیا کرو۔

ابو سعید بکر بن منیر کہتے ہیں ایک مرتبہ ابو حفص نے امام بخاری کے پاس کچھ سامان بھیجا تجار کو پتہ چلا تو وہ اس سامان کو خریدنے کے لیے پہنچ گئے اور پانچ ہزار درہم کی پیش کش کی آپ نے فرمایا رات کو آنا شام کو تاجروں کا دوسرا گروہ آیا اور اس نے دس ہزار درہم کی پیش کش کر دی آپ نے فرمایا میں پہلے گروہ کے ساتھ بیع کی نیت کر چکا ہوں۔ اب پانچ ہزار درہم کی خاطر میں اپنی نیت بدلنا نہیں چاہتا۔

سادگی اور انکساری امام بخاری مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے بہت سادہ اور جفاکش تھے اپنی ضرورت کے تمام کام خود کر لیا کرتے تھے۔ مال و دولت اور جاہ مرتبت کے باوجود کبھی خدام اور غلاموں کا حشم قائم نہیں رکھا۔ محمد بن حاتم وراق آپ کے خصوصی شاگرد تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام بخاری بخارا کے قریب سرائے بنا رہے تھے اور اپنے ہاتھوں سے اٹھا اٹھا کر دیوار میں اینٹیں لگا رہے تھے میں نے آگے بڑھ کر کہا آپ رہنے دیجئے یہ اینٹیں میں لگا دیتا ہوں آپ نے فرمایا قیامت کے دن یہ عمل مجھے نفع دے گا۔

وراق کہتے ہیں کہ جب ہم امام بخاری کے ساتھ کسی سفر میں جاتے تو آپ ہم سب کو ایک کمرہ میں جمع کر دیا کرتے اور خود علیحدہ رہتے۔ ایک بار میں نے دیکھا امام بخاری رات کو پندرہ بیس مرتبہ اٹھے اور ہر مرتبہ خود اپنے ہاتھ سے آگ جلا کر چراغ روشن کیا۔ کچھ احادیث نکالیں ان پر نشانات لگائے پھر تکیہ پر سر رکھ کر لیٹ گئے۔ میں نے عرض کیا آپ نے رات کو اٹھ کر تنہا مشقت برداشت کی مجھے اٹھا لیتے۔ فرمایا تم جوان ہو اور گہری نیند سوتے ہو میں تمہاری نیند خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔

فیاضی ، امام بخاری جس قدر مال سے غنی تھے اس سے زیادہ ان

کا دل غنی تھا بعض اوقات ایک دن میں تین تین سو درہم صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ وراق کہتے ہیں امام بخاری کی ماہانہ آمدنی پانچ سو دراہم تھی اور یہ تمام رقم وہ طلبہ پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔

زھد لذائذ دنیا و یہ اور عیش و عشرت سے امام بخاری کوسوں دور تھے طلب علم میں بسا اوقات انہوں نے سوکھی ہوئی گھاس کھا کر بھی وقت گذارا ہے ایک دن میں عام طور پر صرف دو یا تین بادام کھایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بیمار پڑ گئے اطباء نے بتلایا کہ سوکھی روٹی کھا کھا کر ان کی انتڑیاں سوکھ چکی ہیں اس وقت امام بخاری نے بتلایا کہ وہ چالیس سال سے خشک روٹی کھا رہے ہیں اور اس طویل عرصہ میں سالن کو بالکل ہاتھ نہیں لگایا۔

خدا خوفی امام بخاری تقویٰ اور پرہیزگاری کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ ظاہر و باطن میں خدا سے بے حد ڈرتے تھے۔ مشتبہات سے بچتے۔ غیبت سے پرہیز کرتے۔ اور لوگوں کے حقوق کا پورا خیال رکھتے تھے۔ انہیں تیراندازی کا بے حد شوق تھا ایک مرتبہ ان کا تیر نہر کے پل پر لگا اور اس کی کیل خراب ہو گئی۔ امام بخاری بے حد پریشان ہوئے اور پل کے مالک حمید بن اخضر کے پاس پیغام بھیجا کہ یا ہم کو کیل بدلنے کی اجازت دو یا کیل کی قیمت لے لو اور یا ہماری غلطی معاف کر دو۔ حمید بن اخضر نے سلام بھیجا اور کہا اے ابو عبد اللہ میں صرف یہ کیل نہیں بلکہ اپنی تمام املاک تمہارے تصرف میں دیتا ہوں جس طرح چاہے ان میں تصرف کرو۔ امام بخاری نے جب یہ جواب سنا تو ان کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس خوشی میں انہوں نے پانچ سو احادیث بیان کیں اور تین سو درہم صدقہ کر دیئے۔

ایک شخص نے امام بخاری سے کہا آپ نے تاریخ کبیر میں لوگوں کے عیوب بیان کیے ہیں اور ان کی غیبت کی ہے امام بخاری نے کہا میں نے کسی شخص پر کوئی حکم نہیں لگایا صرف روایت بیان کی ہے چنانچہ کاذب راویوں کو آپ نے تاریخ کبیر میں کذاب لکھنے کی بجائے کذبہ فلاں یا رماہ فلاں بالکذب لکھا ہے۔ بکر بن منیر سے روایت ہے کہ امام بخاری کہتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ جب میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں گا تو اللہ تعالیٰ مجھ سے

حساب نہیں لے گا کیونکہ میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔

عبادت و ریاضت

امام بخاری بے حد عبادت گذار اور شب بیدار تھے کثرت سے نوافل پڑھتے اور روزے رکھتے تھے رمضان شریف میں ہر روز ایک قرآن شریف کا ختم کرتے اور روزانہ نصف شب کو اٹھ کر قرآن کریم کے دس پاروں کی تلاوت کرتے۔ تراویح میں ختم قرآن کرتے اور ہر رکعت میں بیس آیات کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

ابوبکر بن منیر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ محمد بن اسماعیل نماز پڑھ رہے تھے نماز کے بعد انہوں نے قمیض کا دامن اٹھایا اور اپنے ایک شاگرد سے کہا ذرا دیکھنا میری قمیض کے نیچے کیا ہے۔ شاگرد نے دیکھا قمیض کے نیچے زنبور تھی جس نے ان کے بدن پر پندرہ سولہ جگہ ڈنک لگایا ہوا تھا جس کی وجہ سے آپ کا بدن جگہ جگہ سے سوجھ گیا تھا۔ ابن منیر نے پوچھا جب آپ کو زنبور نے پہلی مرتبہ کاٹا تو اسی وقت آپ نے نماز کیوں نہیں توڑی۔ آپ نے فرمایا میں قرآن کریم کی جس آیت کی تلاوت کر رہا تھا اس میں اتنا ذوق و شوق پا رہا تھا کہ میں اس وقت اس تکلیف کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔

اخلاق حسنہ

امام بخاری بڑے خلیق، انتہائی بردبار اور حلیم تھے کسی شخص کی بدسلوکی پر وہ کبھی غیض و غضب میں نہ آتے اور برائی کا بدلہ ہمیشہ نیکی سے دیا کرتے تھے کسی شخص کی اصلاح مقصود ہوتی تو اسے برسرِ مجلس کبھی ملامت نہ کرتے ہر شخص کی عزت نفس کا خیال رکھتے اور کبھی کسی شخص کو شرمندہ نہ ہونے دیتے۔

عبداللہ محمد صیارفی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام بخاری لکھ رہے تھے۔ ناگاہ کنیز آگے سے گذری اور اس نے پیر کی ٹھوکر سے دوات گرا دی آپ نے فرمایا دیکھ کر چلا کرو۔ اس نے تنک کر بدتمیزی سے جواب دیا جب راستہ نہ ہو تو کیسے چلوں آپ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور کہا جاؤ تم آزاد ہو۔

علی بن محمد منصور اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام بخاری مسجد کے اندر حلقہ احباب میں بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص کی داڑھی میں کوئی گندی چیز لگی ہوئی تھی اس نے

وہ گندگی داڑھی سے نکال کر مسجد کے فرش پر پھینک دی علی بن محمد کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ امام بخاری نے لوگوں کی نظریں بچا کر چپکے سے وہ گندگی اپنی آستین میں اٹھا کر رکھ لی اور بعد میں لوگوں کے جانے کے بعد وہ گندگی مسجد کے باہر پھینک دی اس طرح امام بخاری نے مسجد کے فرش کو بھی گندگی سے صاف کیا اور اس شخص کو بھی بر سر مجلس شرمندگی سے بچا لیا[1]

امام بخاری بے حد صابر و شاکر تھے اور اپنی ذات کا انتقام بالکل نہیں لیتے تھے۔ ان کے شیوخ میں سے محمد بن یحییٰ ذہلی نے نیشا پور میں الفاظ قرآن کو غیر مخلوق نہ کہنے پر امام بخاری کے خلاف محاذ قائم کر دیا اور امام بخاری کے درس پر پابندی لگا دی اور بر سرِ عام کہہ دیا کہ بخاری اس شہر میں نہیں رہ سکتے جس کی وجہ سے امام بخاری نیشا پور چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ ذہلی کی اس بدسلوکی سے امام مسلم اس قدر برہم ہوئے کہ انہوں نے وہ تمام احادیث جو ذہلی سے املاء کی تھیں ایک بنڈل میں باندھ کر واپس ذہلی کو بھجوا دیں لیکن امام بخاری نے ذہلی کی روایت کو نہیں چھوڑا اور صحیح بخاری میں ذہلی کی روایات کو برقرار رکھا البتہ پورا نام ذکر کرنے کی بجائے یا فقط محمد لکھتے ہیں یا اس کے دادا کی طرف نسبت کر کے محمد بن خالد لکھتے کسی نے اس اجمال کی وجہ پوچھی تو بتلایا کہ ذہلی مجھ پر جرح کرتا ہے اگر میں اس کا نام صراحۃً ذکر کروں تو وہ متعین ہو جائے گا اور لوگ سمجھیں گے کہ میں اپنے جارح کی تعدیل کر رہا ہوں۔ اور اس سے میری صداقت اور عدالت پر حرف آئے گا۔ جس کا اثر میری روایت پر پڑے گا۔

امام بخاری کا فقہی مسلک

امام بخاری کے اپنے کلام میں اس بات کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ ان کا فقہی مسلک کیا تھا البتہ جامع صحیح میں امام بخاری ایسی احادیث بکثرت لائے ہیں جو مسلک شافعی کی مؤید ہیں اور غالباً اسی بناء پر بعض مشاہیر علماء نے ان کو امام شافعی کا مقلد گردانا ہے چنانچہ امام قسطلانی تاج الدین سبکی کے حوالہ سے لکھتے ہیں :-

وقد ذکرہ ابوعاصم فی   ابوعاصم نے امام بخاری کو ہمارے

[1] سیرت کے یہ تمام واقعات ھدی الساری (ج ۲ ص ۴ - ۲۵۲) سے لیے گئے ہیں۔

طبقات اصحابنا الشافعیۃ ہے[1] طبقات شافعیہ میں بیان کیا ہے۔

اور تاج الدین سبکی امام بخاری کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

وسمع بمکۃ عن الحمیدی وعلیہ تفقہ عن الشافعی[2]	یعنی امام بخاری نے مکہ میں حمیدی سے سماع کیا اور انہیں سے فقہ شافعی پڑھی۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :۔

ذکر ابو عاصم العبادی	ابو عاصم عبادی نے امام بخاری کا ذکر
ابا عبد اللہ فی کتابہ الطبقات	اپنی کتاب طبقات شافعیہ میں کیا ہے
وقال سمع من الزعفرانی	اور کہا ہے کہ امام بخاری نے زعفرانی'
وابی ثور والکرابیسی	ابو ثور اور کرابیسی سے سماع کیا ہے
قلت وتفقہ علی الحمیدی	اور میں کہتا ہوں انہوں نے حمیدی
وکلھم من اصحاب	سے فقہ پڑھی ہے اور یہ سب امام
الشافعی[3]	شافعی کے شاگرد تھے۔

امام تاج الدین سبکی نے یہ تمام ثبوت حافظ ابو عاصم کے اس قول کو تقویت پہنچانے کے لیے ذکر کیے ہیں کہ امام بخاری شافعی المذہب تھے۔ حافظ ابو عاصم ۳۵۷ھ میں یعنی امام بخاری کے وصال کے ٹھیک ایک سو ایک سال بعد پیدا ہوئے ان کا زمانہ امام بخاری کے بہت قریب تھا اس لیے ان کی بات پر اعتماد کرنے کی وجہ ہیں۔

اور نواب صدیق حسن بھوپالی مدینۃ العلوم سے نقل کر کے لکھتے ہیں :۔

ولنذکر بعد ذالک بہذا من آئمۃ	اور ہمیں چاہیئے کہ اب کچھ آئمہ شافعیہ
الشافعیۃ لیکون الکتاب کامل	کا تذکرہ کریں تاکہ ہماری کتاب حنفی
الطرفین حائز الشرفین وھولاء	اور شافعی دونوں طرفوں کی جامع ہو

---

[1] ارشاد الساری ج ۱ ص ۳۶

[2] امام تاج الدین السبکی المتوفی ۷۷۱ھ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۳

[3] ایضاً " " " " " ج ۲ ص ۱۴

صنفان احدھما من تشرف بصحبۃ الامام الشافعی والاخر من تلامھم من الائمۃ اما الاول فمنھم احمد الخلال، ابو جعفر البغدادی واما الصنف الثانی فمنھم محمد بن ادریس ابو حاتم الرازی ومحمد بن اسماعیل البخاری ومحمد بن علی الحکیم ترمذی لہ	جائے اور آئمہ شافعیہ دو قسم پر ہیں ایک وہ جو امام شافعی کی صحبت سے مشرف ہیں۔ جیسے احمد خلال اور ابو جعفر بغدادی دوسری قسم کے آئمہ شافعیہ وہ ہیں جیسے محمد بن ادریس رازی محمد بن اسماعیل البخاری اور حکیم ترمذی۔

ان مذکورہ حوالجات کے پیش نظر امت کی اکثریت اس طرف گئی ہے کہ امام بخاری شافعی المذہب تھے۔

بہرحال امام بخاری شافعی ہونے کی تقدیر پر بھی محض مقلد نہیں تھے بلکہ مجتہد فی المسائل تھے اور طبقات فقہاء میں تیسرے درجے پر فائز تھے یہی وجہ ہے کہ وہ بعض مسائل میں امام شافعی سے اختلاف کرتے ہیں اور ان مسائل میں خود اجتہاد کرتے ہیں۔ اسی لیے اہل علم کے نزدیک امام بخاری کی مثال شوافع میں ایسی ہے جیسے احناف میں امام ابو جعفر طحاوی۔

کلمات الثناء

امام بخاری کے علمی اور عملی کمالات اور ان کے فضائل ومناقب کا ان کے زمانہ کے تمام اہل فضل حضرات نے اعتراف کیا ہے۔ جن لوگوں نے آپ کی علمی اور عملی خدمات کو سراہا ان میں آپ کے مشائخ، معاصرین اور تلامذہ کی ایک طویل فہرست ہے۔ اگر امام بخاری کے حق میں بیان کیے گئے تمام تعریفی کلمات کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ امام بخاری کی اس قدر مدح وثناء کی گئی ہے کہ قرطاس وقلم ختم ہو سکتے ہیں لیکن ان کے مناقب کا بیان ختم نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ وہ بحر ہے جو اپنا ساحل نہیں رکھتا۔

اساتذہ سے ۱۔ امام بخاری کے استاذ ابو مصعب احمد بن ابی بکر نے کہا امام بخاری حدیث میں امام احمد بن حنبل سے زیادہ بصیرت رکھتے

لہ نواب صدیق حسن بھوپالی المتوفی — ابجد العلوم ص ۸۱۱

ہیں۔ کسی شخص نے اس بات پر تعجب کیا تو انہوں نے کہا اگر تم امام مالک کو دیکھتے تو ان میں اور بخاری میں سر مو فرق نہ پاتے۔ امام بخاری کے ایک اور استاذ قتیبہ بن سعید نے کہا میرے پاس مشرق و مغرب سے بے شمار لوگ علم حدیث کی تحصیل کے لیے آئے لیکن ان میں بخاری جیسا کوئی نہ تھا۔ امام احمد بن حنبل نے کہا ارض خراسان نے آج تک بخاری کی نظیر نہیں پیدا کی۔ اسحاق بن راہویہ نے کہا بخاری سے احادیث روایت کرو اور ان کو لکھ لیا کرو۔ بلا ریب اگر بخاری حسن بصری کے زمانہ میں ہوتے تو وہ علم حدیث میں ان کی طرف رجوع کرتے۔

معاصرین سے

امام بخاری کے معاصرین میں سے دارمی نے کہا میں نے حجاز، شام اور عراق کے علماء دیکھے مگر بخاری جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ اسحاق بن خزیمہ نے کہا اس آسمان کے نیچے محمد بن اسماعیل سے بڑھ کر کوئی عالم بالحدیث نہیں ہے۔ حاتم بن منصور نے کہا امام بخاری اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت ہیں۔

تلامذہ سے

اور تلامذہ میں سے امام ترمذی نے کہا میں نے اسانید اور علل کے علم میں امام بخاری سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔ امام مسلم نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ امام بخاری کا کوئی مماثل نہیں ہے اور سلیم بن مجاہد نے کہا میں نے ساٹھ سال سے امام بخاری جیسا کوئی شخص نہ علم میں دیکھا ہے نہ عمل میں۔[1]

تلامذہ کی تعداد

امام بخاری کے زمانہ میں بصرہ، بغداد، نیشا پور، سمرقند اور بخارا علوم اسلامیہ کے مرکز قرار دیئے جاتے تھے ان شہروں میں امام بخاری بارہا گئے اور بے حساب لوگوں کو احادیث املاء کرائیں۔ بخارا سے لے کر حجاز تک امام بخاری کے تلامذہ کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ ملا علی قاری ہروی اور قسطلانی نے لکھا ہے کہ امام بخاری سے ایک لاکھ اشخاص نے روایت کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ عدد و شمار ان کے تلامذہ کا احصاءً کرنے سے قاصر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام بخاری کے تلامذہ کا اجمالاً ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں امام بخاری کے مشائخ میں سے عبد اللہ بن محمد مسندی، عبد اللہ بن منیر، اسحاق بن احمد سرمادی اور

---

[1] ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ هدی الساری ج ۲ ص ۲۵۴

محمد بن خلف بن قتیبہ نے ان سے روایت کی ہے۔[۱]

معاصرین میں سے ابو زرعۃ، ابوحاتم رازیان، ابراہیم حربی، ابوبکر بن ابی عاصم، موسےٰ بن ہارون جمال، محمد بن عبداللہ بن مطین، اسحاق بن احمد بن زیرک فارسی، محمد بن قتیبہ بخاری اور ابوبکر بن اعین نے امام بخاری سے روایت کی ہے۔

اکابرین میں سے حافظ صالح بن محمد، مسلم بن حجاج، ابوالفضل احمد بن سلمہ، ابوبکر بن اسحاق بن خزیمہ، محمد بن نصر مروزی، ابوعبدالرحمٰن نسائی اور ابوعیسیٰ ترمذی نے امام بخاری سے روایت کی ہے۔

جن لوگوں نے باقاعدہ شاگردی اختیار کی اور امام بخاری کا اعتماد حاصل کیا ان کے اسماء یہ ہیں:- عمر بن محمد بجیری، ابوبکر بن ابی الدنیا، ابوبکر بزار حسین بن محمد تبائی، یعقوب بن یوسف بن اخرم، عبداللہ بن محمد بن ناجیہ، سہل بن شاذویہ بخاری، عبیداللہ بن واصل، قاسم بن زکریا مطرز، ابوقریش محمد بن جمعہ، محمد بن سلیمان باغندی، ابراہیم بن موسیٰ جوہری، علی بن عباس، ابوحامد اعمشی، ابوبکر احمد بن محمد بن صدقہ بغدادی، اسحاق بن داؤد، حاشد بن اسماعیل بخاری، محمد بن عبداللہ بن جنید، محمد بن موسیٰ، جعفر بن محمد نیشاپوری، ابوبکر بن داؤد، ابوالقاسم بغوی، ابومحمد بن صاعد، محمد بن ہارون حضرمی، اور حسین بن عاملی بغدادی۔

تصانیف امام بخاری کی زندگی کا اکثر حصہ احادیث کی تلاش میں شہر در شہر سفر میں گذرا ہے اور انہیں کسی ایک جگہ سکون سے بیٹھ کر کام کرنے کا موقع بہت کم ملا ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے خاطر خواہ تعداد میں تصانیف چھوڑی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور دیگر حضرات نے جو امام بخاری کی تصانیف گنوائی ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) الجامع الصحیح، (۲) التاریخ الکبیر (۳) التاریخ الاوسط (۴) التاریخ الصغیر (۵) کتاب الضعفاء (۶) کتاب الکنیٰ (۷) الادب المفرد (۸) جزء رفع الیدین (۹) جزء القراۃ خلف الامام (۱۰) کتاب الاشربہ (۱۱) کتاب الہبہ (۱۲) کتاب العلل (۱۳) برالوالدین (۱۴) الجامع

---

[۱] شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ہدی الساری ج ۲ ص ۲۶۵

الکبیر (۱۵) التفسیر الکبیر (۱۶) المسند الکبیر (۱۷) خلق افعال العباد (۱۸) قضایہ الصحابہ والتابعین (۱۹) کتاب الوحدان (۲۰) کتاب المبسوط (۲۱) کتاب الفوائد (۲۲) اسامی الصحابہ۔

خلق قرآن کا مناقشہ

۲۵۰ھ میں امام بخاری نے نیشاپور آنے کا پروگرام بنایا اس خبر کو سنتے ہی اہالیان نیشاپور میں فرحت و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اس زمانہ میں محمد بن یحییٰ ذہلی نیشاپور کی علمی ریاست کے والی تھے۔ محمد بن یحییٰ ذہلی نے شہر کے لوگوں کو امام بخاری کے استقبال کی تلقین کی چنانچہ لوگوں کے ایک انبوہ کثیر نے محمد بن یحییٰ کی قیادت میں شہر سے تین مرحلہ آگے جاکر امام بخاری کا استقبال کیا اور انتہائی تزک و احتشام سے امام بخاری کو شہر میں لے کر آئے۔ امام مسلم بن حجاج کہتے ہیں میں نے اس سے پہلے اتنا عظیم الشان استقبال نہ کسی عالم کا دیکھا تھا نہ کسی حاکم کا۔

امام بخاری نے نیشاپور میں درس حدیث دینا شروع کیا ان کے درس میں ہر وقت اژدہام رہتا تھا اور بے حساب لوگ امام بخاری سے علم حدیث کا استفادہ کرتے تھے بعض حاسدین کو امام بخاری کی شہرت اور مقبولیت بُری لگی اور انہوں نے محمد بن یحییٰ کو امام بخاری کا مخالف بنا دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ محمد بن یحییٰ ذہلی قرآن کریم کے الفاظ کو بھی قدیم مانتے تھے اور اس پر بڑی شدت سے قائم تھے کسی شخص نے جاکر امام بخاری سے پوچھا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق، امام بخاری ٹالتے رہے جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے کہا:۔ القرآن کلام اللہ غیر مخلوق۔ اس نے پھر اصرار کیا قرآن کے الفاظ کا حکم بتلایئے۔ تو آپ نے کہا:۔ افعالنا مخلوقۃ والفاظنا من افعالنا۔ (ہمارے افعال مخلوق ہیں اور الفاظ بھی ہمارے افعال ہیں) بس پھر کیا تھا شور مچ گیا کہ امام بخاری الفاظ قرآن کو مخلوق مانتے ہیں جب ذہلی تک یہ خبر پہنچی تو وہ تمام عنایات منقطع کرکے یکسر مخالف ہوگئے۔ اور اعلان کر دیا کہ بخاری کے درس میں کوئی شخص نہ جائے۔ چنانچہ مسلم بن حجاج کے سوا تمام لوگوں نے امام بخاری کے درس میں جانا بند کر دیا۔ آخرکار جب امام بخاری اہل نیشاپور سے مایوس ہوگئے تو آپ نے نیشاپور سے بخارا کی طرف روانگی کا قصد کر لیا۔[1]

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ   ھدی الساری ج ۲ ص ۲۶۲

وطن کو واپسی

جب اہلِ وطن کو معلوم ہوا کہ امام بخاری وطن واپس لوٹ رہے ہیں، تو انہیں بے حد خوشی ہوئی انہوں نے بخارا سے کئی منزل پہلے امام بخاری کی پیشوائی کے لیے خیمے نصب کر دیئے اور بڑے تزک و اہتمام اور شان و شکوہ سے امام بخاری کو شہر لے کر آئے۔ امام بخاری نے بخارا میں درس قائم کر دیا اور اطمینان سے پڑھانے میں مصروف ہو گئے۔

حاسدین نے یہاں بھی امام بخاری کا پیچھا نہ چھوڑا وہ خلافت عباسیہ کے نائب خالد بن احمد ذہلی والی بخارا کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ امام بخاری سے کہیے کہ وہ آپ کے صاحبزادے کو گھر آکر پڑھایا کریں جب والی بخارا نے امام بخاری سے یہ فرمائش کی تو آپ نے فرمایا میں علم کو سلاطین کے دروازے پر لے جا کر ذلیل کرنا نہیں چاہتا جس شخص کو پڑھنے کی ضرورت ہے اس کو میرے درس میں آنا چاہیئے۔ والی بخارا نے کہا اگر میرا لڑکا درس میں آئے تو وہ عام لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر نہیں پڑھے گا آپ کو اسے علیحدہ پڑھانا ہوگا امام بخاری نے جواب دیا میں کسی شخص کو احادیث رسول کی سماعت سے روک نہیں سکتا۔ یہ جواب سن کر حاکم ناراض ہو گیا اور اس نے ابن الوقت علماء سے امام بخاری کے خلاف فتویٰ حاصل کر کے انہیں شہر سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔

امام بخاری اپنے وطن میں آکر بے وطن ہونے پر بہت آزردہ ہوئے۔ ابھی ایک ماہ بھی نہ گذرا تھا کہ خلیفہ نے والی بخارا خالد بن احمد ذہلی کو معزول کر دیا اور اسے گدھے پر سوار کرا کے محل سے نکالا گیا اور قید خانہ میں بند کر دیا گیا۔ جہاں وہ انتہائی ذلت اور رسوائی سے چند دن گذارنے کے بعد ہلاک ہو گیا۔ اسی طرح جن لوگوں نے امیر بخارا کی معاونت کی تھی وہ سب مختلف بلاؤں میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گئے۔[1]

وصال

بخارا سے واپس ہونے کے بعد امام بخاری نے سمرقند جانے کا قصد کیا۔ ابھی سمرقند سے کئی منزل دور تھے تو آپ کو اطلاع ملی کہ اہلِ سمرقند میں آپ کے بارے میں دو آراء ہو گئی ہیں یہ سن کر آپ وہیں راستہ میں خرتنگ نامی ایک بستی میں رک گئے۔

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — ھدی الساری ج ۲ ص ۲۶۵

اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اے خدا یہ زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہوتی جارہی ہے مجھے اپنے پاس واپس بلا لے۔ اس دعا کے بعد آپ بیمار پڑ گئے۔ اسی اثنا میں اہل سمرقند نے بلانے کے لیے آپ کو قاصد بھیجا آپ جانے کے لیے تیار ہوئے مگر طاقت نے ساتھ نہ دیا۔ چند دعائیں پڑھیں اور لیٹ گئے جسم سے پسینہ بہنا شروع ہوا۔ ابھی وہ پسینہ خشک نہ ہوا تھا کہ آپ نے جان، جانِ آفرین کے سپرد کر دی اور اس طرح یکم شوال ۲۵۶ھ کو باسٹھ سال کی زندگی گذار کر رات کے وقت علم و فضل کا وہ عظیم آفتاب غروب ہو گیا جس کے علم و عمل کی روشنی سے سمرقند، بخارا، بغداد اور نیشاپور کے بے شمار عوام و خواص اپنے دل و دماغ کو منور کر رہے تھے[۱]

بارگاہِ رسالت میں مقبولیت

امام بخاری نے ساری عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی تلاش آپ کے اقوال کی تتبع اور آپ کی احادیث کی خدمت میں گذاری۔ ان کی زندگی کا ایک ایک عمل متابعت رسول کا مظہر تھا۔ وراق لکھتے ہیں میں نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ امام بخاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے جا رہے ہیں اور حضور جس جگہ قدم رکھتے ہیں امام بخاری بھی بعد میں وہیں قدم رکھتے ہیں[۲]

فربری لکھتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کسی جگہ جا رہا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہاں جا رہے ہو میں نے عرض کیا محمد بن اسماعیل کے پاس۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور اسے جا کر میرا سلام کہنا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عنایات جس طرح زندگی میں امام بخاری کے شامل حال تھیں اسی طرح وصال کے بعد بھی یہ توجہات ان پر سایہ فگن رہیں چنانچہ عبدالواحد بن آدم طواویسی لکھتے ہیں کہ میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جماعت صحابہ کے ساتھ ایک جگہ کھڑے ہوئے ہیں میں نے پوچھا حضور کس کا انتظار ہے فرمایا بخاری کا۔ طواویسی لکھتے ہیں چند دن بعد مجھے امام بخاری کے وصال کی خبر پہنچی میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ امام بخاری کا اسی رات انتقال ہوا تھا جس رات میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

۱۔ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ هدی الساری ج ۲ ص ۲۶۶

۲۔ ایضاً " " " " ص ۲۶۳

کی تھی۔

مزار بخاری کی برکات

امام بخاری کی نماز جنازہ کے بعد جب ان کی قبر پر مٹی ڈالی گئی تو مدت مدید تک اس مٹی سے مشک کی مہک آتی رہی۔ اور عرصہ دراز تک لوگ دور دور سے آکر امام بخاری کی قبر کی مٹی کو بطور تبرک لے جاتے رہے[1]

ابو الفتح سمرقندی بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری کے وصال کے دو سو سال بعد سمرقند میں خشک سالی کی وجہ سے قحط نمودار ہو گیا لوگوں نے بار ہا نماز استسقاء پڑھی، دعائیں مانگیں مگر بارش نہ ہوئی پھر ایک مرد صالح قاضی شہر کے پاس گیا اور اس کو مشورہ دیا کہ تم شہر کے لوگوں کو لے کر امام بخاری کی قبر پر جاؤ اور وہاں جا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگو شاید اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرلے۔ قاضی شہر نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور شہر کے لوگوں کو لے کر امام بخاری کی قبر پر حاضر ہوا لوگوں نے وہاں گریہ وزاری کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ سے نہایت خضوع و خشوع سے دعا مانگی اور امام بخاری سے قبولیت دعا کے لیے سفارش کی درخواست کی اسی وقت آسمان پر بادل امڈ آئے اور سات دن تک لگاتار اس قدر بارش ہوتی رہی کہ لوگوں کے لیے خرتنگ سے سمرقند پہنچنا مشکل ہو گیا[2]

حرف آخر

امام بخاری عالم و فاضل عابد و زاہد اور فیاض و جواد تھے۔ ان کا چہرہ ہمیشہ خوف الٰہی سے زرد اور محبت رسول سے روشن رہتا تھا۔ ان کے فیضان کا جو سلسلہ ان کی زندگی میں قائم ہوا تھا وہ آج تک نہیں ٹوٹا اور آج امت مسلمہ دین کے جن احکام سے واقف ہے ان میں امام بخاری کی خدمات کا بہت بڑا حصہ ہے انہوں نے رسول اللہ کی احادیث کی اشاعت کی اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکر کو دنیا میں پھیلا دیا اور حق یہ ہے کہ جب تک مدارس اور مکاتب میں قیل وقال رسول کی محفل سجی رہے گی آسمان رحمت سے بخاری کی قبر پر انوار و تجلیات کی بارش ہوتی رہے گی۔

✳

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — ھدی الساری ج ۲ ص ۲۶۶

[2] شہاب الدین احمد قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ — ارشاد الساری ج ۱ ص ۳۹

صحیح بخاری

امام بخاری کی تصانیف یوں تو بیس سے زیادہ ہیں لیکن جو عظمت، شہرت اور مقبولیت صحیح بخاری کے حصے میں آئی وہ اور کسی کتاب کو حاصل نہ ہو سکی بلکہ حق یہ ہے کہ تمام امہات کتب حدیث میں جو مقام صحیح بخاری کو حاصل ہوا وہ اور کسی کتاب نے نہیں پایا۔ نیز علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری سے زیادہ کوئی صحیح کتاب روئے زمین پر موجود نہیں ہے۔ امام شافعی نے موطا امام مالک کو صحیح ترین کتاب قرار دیا تھا لیکن وہ صحیح بخاری کی تصنیف سے پہلے کی بات تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ صحیح بخاری کے منظر وجود میں آنے کے بعد متقدمین کی تمام کتابیں پس منظر میں چلی گئیں۔

متاخرین کی کتابوں میں صحیح مسلم نے بے شک بڑا نام کمایا بلکہ بعض مغاربہ نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح بھی دے ڈالی لیکن ان لوگوں کو جمہور کی موافقت حاصل نہ ہو سکی اور محققین نے دلائل و براہین سے ثابت کر دکھایا کہ مسلم کی احادیث کا درجہ صحت اور اتصال میں بخاری سے بہت کم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں جس قدر احادیث درج کی ہیں وہ سب امام بخاری کی توجہ اور عنایت کا ثمرہ ہیں اسی لیے دارقطنی نے کہہ دیا کہ اگر امام بخاری نہ ہوتے تو امام مسلم سے کسی حدیث کا ظہور نہ ہوتا۔

سبب تالیف عہد صحابہ و تابعین میں تدوین احادیث کا اہتمام نہیں تھا جس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کو اپنے ضبط صدر اور حافظہ پر قوی اعتماد تھا البتہ اتباع تابعین کے عہد میں تدوین حدیث کا عام رواج ہو چکا تھا اور متعدد جلیل القدر محدثین نے مجموعہ احادیث ترتیب دے رکھے تھے ان کتابوں میں امام ابوحنیفہ کی کتاب الآثار، امام مالک کی موطا، جامع سفیان ثوری، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق اور مسند احمد کی بہت

شہرت تھی لیکن اس وقت تک حدیث کے موضوع پر جس قدر کتابیں معرض وجود میں آئی تھیں ان میں سے کسی کتاب میں بھی صرف احادیث صحیحہ لانے کا التزام نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان میں شاذ، منکر، مدلس اور معلل ہر قسم کی روایات جمع کردی گئی تھیں۔ اس وقت اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی کہ ایک ایسا مجموعہ احادیث ترتیب دیا جائے جس میں صرف احادیث صحیحہ کو جمع کیا جائے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر امام بخاری کے استاذ اسحاق بن راہویہ نے امام بخاری سے کہا کاش تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن کو اسانید صحیحہ کے ساتھ جمع کر لو تاکہ صحیح مجرد کا ایک مجموعہ تیار ہو جائے۔

اسی زمانہ میں امام بخاری نے خواب دیکھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوئے پنکھا جھل کر مکھیاں اڑا رہے ہیں اس خواب کی تعبیر یہ بتائی گئی کہ امام بخاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی جھوٹی باتوں کو دور کریں گے۔ اس تعبیر کے بعد امام بخاری نے احادیث صحیحہ جمع کرنے کا پختہ عزم کر لیا۔[۱]

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صحیح بخاری کی تالیف کے صرف یہی دو سبب تھے لیکن اگر نظر غائر سے صحیح بخاری کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ تالیف صحیح کا مقصد صرف جمع احادیث ہی نہیں بلکہ تراجم پر استدلال اور احادیث سے مسائل کا استنباط بھی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات امام بخاری ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں اور اس کے تحت کوئی حدیث ذکر نہیں کرتے مثلاً۔ کتاب العلم میں ایک عنوان قائم کیا۔ باب العلم قبل القول والعمل لقول اللہ عزوجل فاعلم انہ لا الہ الا اللہ فبدأ بالعلم الخ۔ اس باب کے تحت امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ حدیث ذکر نہیں کی بلکہ ترجمۃ الباب پر صرف مذکورہ آیت سے استدلال کیا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے پہلے علم کا اور پھر لا الہ الا اللہ کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح کتاب الزکوٰۃ میں ایک باب قائم کیا۔ لا یقبل اللہ صدقۃ من غلول ولا یقبل الا من کسب طیب لقولہ تعالیٰ قول معروف ومغفرۃ خیر من صدقۃ

۱؎ ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ — مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۱۲

۲؎ محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ — الجامع الصحیح ج ۱ ص ۱۶

يتبعها اذىً واللّٰه غنى حليم [۱] اس آیت کریمہ پر یہ باب ختم کر دیا گیا اور اس باب کے اثبات کے لیے امام بخاری کوئی حدیث نہیں لائے۔ بلکہ ترجمۃ الباب کو اس آیت کریمہ سے التزاماً ثابت کیا ہے کہ جب مال حلال سے صدقہ بھی بوجہ احسان مقبول نہیں ہے تو مال حرام سے دیا ہوا صدقہ کب قبول ہو سکتا ہے۔ ان شواہد سے معلوم ہوا کہ تالیف صحیح سے امام بخاری کا مقصد صرف جمع احادیث ہی نہیں بلکہ مسائل فقہیہ میں اپنے مختار پر استدلال بھی ہے۔

استدلال علی المسائل کے علاوہ تالیف صحیح کی تیسری غرض احادیث سے مسائل کا استنباط ہے کیونکہ ایک حدیث کو امام بخاری متعدد جگہ لاتے ہیں اور بعض دفعہ تو ایک حدیث کو انہوں نے سولہ سولہ مقامات پر ذکر کیا ہے اگر ان کا مقصد صرف احادیث صحیحہ کا جمع کرنا ہوتا تو وہ ایک بار حدیث کے ذکر کر دینے سے پورا ہو سکتا تھا اور جب وہ ایک حدیث کو مختلف ابواب کے تحت متعدد جگہ لاتے ہیں تو اس سے ان کا مقصد ان مسائل کا استنباط ہوتا ہے جن کے تحت وہ اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً ایک موقعہ پر بعض صحابہ نے عجلت کی وجہ سے پیروں کو دھونے کی بجائے فقط مسح کر لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا: ویل للاعقاب من النار اس حدیث کا امام بخاری نے دو جگہ ذکر کیا ہے ایک جگہ باب من رفع صوتہ بالعلم اور دوسری جگہ باب غسل الرجلین ولا یمسح علی القدمین کے تحت گویا اس حدیث سے امام بخاری نے دو مسئلوں کا استنباط کیا ایک بلند آواز سے علم کی بات کہنے کا دوسرے پیروں پر مسح کی عدم کفایت کا۔

بہر حال اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ تالیف صحیح سے امام بخاری کا مقصود جمع احادیث کے علاوہ مسائل فقہیہ میں اپنے مختار پر استدلال اور احادیث سے مسائل کا استنباط بھی ہے۔

تسمیہ امام بخاری نے اپنی صحیح کا نام الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رکھا لیکن عوام و خواص میں یہ کتاب صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہو گئی۔

محدثین کی اصطلاح میں جامع، حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں آٹھ مخصوص عنوانوں کے تحت احادیث ذکر کی جائیں جو یہ ہیں: سیر، تفسیر، آداب، عقائد، فتن، احکام، اشراط، مناقب۔ اور الصحیح کا مطلب ہے کہ اس مجموعہ کی تمام احادیث صحیح ہوں اور المختصر من امور

---

[۱] محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ   الجامع الصحیح ج ۱ ص ۱۸۹

رسول اللہ کا مفاد یہ ہے کہ اس کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال، احوال، صفات اور ایام سے متعلق احادیث لائی جائیں گی۔

ادب اور اہتمام امام بخاری نے اپنی صحیح کا چھ لاکھ احادیث میں سے انتخاب کیا ہے حدیث شریف کو کتاب میں ذکر کرنے سے پہلے وہ غسل کرتے اس کے بعد دو رکعت نفل پڑھتے پھر اس حدیث کی صحت کے بارے میں استخارہ کرتے اس کے بعد اس حدیث کو اپنی صحیح میں درج کرتے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کتاب کو سولہ سال کی مدت میں مکمل کیا میں نے اس کتاب میں صرف صحیح احادیث شامل کی ہیں اور جن صحیح احادیث کو میں نے طوالت کی وجہ سے ترک کر دیا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح کا مسودہ مکہ، بصرہ اور بخارا میں تیار کیا اور اس کی تبییض مسجد حرام میں کی اور مدینہ منورہ میں روضہ شریفہ کے پہلو میں بیٹھ کر تراجم ابواب لکھے۔ امام بخاری کے شاگرد محمد بن ابی حاتم وراق کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے پوچھا، کیا آپ کو وہ تمام احادیث یاد ہیں جو آپ نے اپنی صحیح میں وارد کی ہیں امام بخاری نے فرمایا جامع صحیح کی کوئی حدیث مجھ سے مخفی نہیں ہے کیونکہ میں نے اس کو تین مرتبہ لکھا ہے۔[1]

تین مرتبہ تصنیف سے غالباً تسوید تبییض اور تنقیح مراد ہے اور صحیح بخاری کے نسخوں کا اختلاف بھی شاید اسی وجہ سے ہے۔ بعض صوفیاء سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ امام بخاری نے مسودہ لکھا دوسری مرتبہ مبیضہ تیار کیا تیسری بار ہر حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا اور جس حدیث کے بارے میں بالمشافہ یا خواب کے ذریعہ حضور سے اجازت مل گئی اور اس کی صحت کا یقین کامل ہو گیا اس کو اپنی صحیح میں درج کر دیا۔[2]

مقبولیت اللہ تعالیٰ نے امام بخاری کی صحیح کو بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی۔ قرآن کریم کے بعد جس کتاب پر سب سے زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے وہ صحیح بخاری ہے۔ صحیح بخاری پر سب سے زیادہ کام کیا گیا۔ اس کی بے شمار شروح لکھی گئی ہیں اس کی تعلیقات

---

[1] حافظ ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ — ھدی الساری ج ۱ ص ۱۸

[2] شیخ عبدالحق المتوفی ۱۰۵۲ھ — اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۰

متابعات، شواہد اور رجال کی تحقیق پر الگ الگ کتابیں لکھی گئیں اور امام بخاری کے زمانہ سے لے کر آج تک تمام دینی مدارس میں انتہائی اہتمام اور شکوہ کے ساتھ صحیح بخاری کا درس دیا جاتا ہے؛

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جس طرح امام بخاری مقبول تھے اسی طرح ان کی صحیح بھی بارگاہ رسالت میں شرف پذیرائی رکھتی ہے۔ ابوزید مروزی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بیت الحرام میں رکن اور مقام کے درمیان سویا ہوا تھا۔ میں خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ حضور نے فرمایا ابوزید! شافعی کی کتابیں کب تک پڑھتے رہو گے میری کتاب کیوں نہیں پڑھتے۔ میں نے عرض کیا حضور آپ کی کتاب کون سی ہے فرمایا محمد بن اسماعیل کی جامع[1] اور انور شاہ کشمیری بیان کرتے ہیں کہ امام عبدالوہاب شعرانی نے لکھا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ ساتھیوں کے ساتھ جاگتے میں صحیح بخاری پڑھی ہے اور ان آٹھ ساتھیوں میں سے ایک حنفی تھا۔[2]

ابوجمرہ کہتے ہیں کہ عرفا سے منقول ہے کہ اگر کسی مشکل میں صحیح بخاری کو پڑھا جائے تو وہ حل ہو جاتی ہے اور جس کشتی میں صحیح بخاری ہو وہ غرق نہیں ہوتی۔ اور حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ خشک سالی میں صحیح بخاری کی قرأت سے بارش ہو جاتی ہے۔[3]

موضوع صحیح بخاری کا اصل موضوع احادیث مرفوعہ، مسندہ ہیں اور انہیں احادیث کی صحت کا امام بخاری نے التزام کیا ہے۔ ان کے علاوہ جو تعلیقات، متابعات، شواہد، آثار صحابہ، اقوال تابعین اور آئمہ فتاوی کے احکام ذکر کیے گئے ہیں وہ سب بالتبع ہیں۔ اور اس ضمن میں جو احادیث ذکر کی ہیں وہ امام بخاری کے موضوع سے خارج ہیں اور نہ ہی ان کی صحت کا التزام کیا گیا ہے۔

اسلوب: ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تالیف صحیح سے امام بخاری کا مقصد

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — ھدی الساری ج ۲ ص ۲۶۲

[2] شیخ محمد انور کشمیری المتوفی ۱۳۵۲ھ — فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۴

[3] ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ — مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۱۴

صرف جمع احادیث نہیں ہے بلکہ تراجم الابواب پر استدلال اور احادیث سے مسائل کا استنباط بھی ان کا مقصود تھا۔ چنانچہ ترجمۃ الباب کے اثبات کے لیے وہ سب سے پہلے قرآن کریم کی آیت پیش کرتے ہیں۔ پھر کبھی اسی پر اکتفار کر لیتے ہیں اور بعض اوقات آثار صحابہ، اقوال تابعین اور ارشادات آئمہ فتویٰ سے اس کی تائید کرتے ہیں اس کے بعد اس باب کے تحت اپنی پوری سند کے ساتھ حدیث کی روایت کرتے ہیں اور کبھی سند معلق سے حدیث وارد کرتے ہیں اور کبھی بغیر سند کے حدیث ذکر کر دیتے ہیں۔

امام بخاری کبھی ایک باب کے تحت احادیث کثیرہ روایت کرتے ہیں اور کبھی صرف ایک حدیث ذکر کرتے ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے جب انہیں ترجمۃ الباب کے لیے اپنی شرائط پر احادیث مل جائیں۔ اور کبھی ترجمۃ الباب کے تحت کسی حدیث کا ذکر نہیں کرتے بلکہ کسی حدیث کے بعینہٖ الفاظ یا اس کے ہم معنی الفاظ کو عنوان باب بنا کر یہ اشارہ کرتے ہیں کہ اس عنوان کے تحت ان کی شرائط پر حدیث نہیں مل سکی اور عنوان باب کو الفاظ حدیث کے ساتھ تعبیر کر کے یہ اشارہ کرتے ہیں کہ یہ حدیث فی نفسہٖ لائق حجت ہے۔

کبھی امام بخاری ایک حدیث کو متعدد جگہ ذکر کرتے ہیں اور اس سے ان کا مقصود اس حدیث سے ان متعدد مسائل کا استنباط ہوتا ہے جن سے متعلق ابواب کے تحت وہ اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں۔

شرائط امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث وارد کرنے کی یہ شرط مقرر کی ہے کہ ان کے شیخ سے لے کر صحابی تک تمام راوی ثقہ اور متصل ہوں۔ ثقہ کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی مسلم، عادل، کامل الضبط والاتقان اور کثیر الملازمۃ مع الشیخ ہوں۔ اگر راوی حدیث قلیل الملازمۃ مع الشیخ ہوں تو اس کی روایت بھی اخذ کر لیتے ہیں لیکن ایسے راویوں سے امام بخاری انتخاب کرتے ہیں استیعاب نہیں کرتے نیز ثقہ راویوں کیلئے یہ شرط بھی ہے کہ وہ اپنے سے اوثق رواۃ کی مخالفت نہ کریں اور نہ ہی ان میں کوئی علت خفیہ قادحہ ہو۔ اور متصل کا مطلب یہ ہے کہ ہر راوی یا تو اپنے شیخ سے سمعت یا

لے علامہ طاہر بن صلاح الجزائری   توجیہ النظر ص ۹۱

حدثنا کے صیغہ کے ساتھ سماع حدیث کی تصریح کرے اور یا ایسا صیغہ لائے جو بظاہر سماع پر دلالت کرے۔ مثلاً عن فلان یا ان فلانا قال۔ اس دوسری شکل میں ضروری ہے کہ راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ثابت ہو اور وہ راوی مدلس نہ ہو۔

امام بخاری کی شرط ملاقات پر امام مسلم نے اعتراض کیا کہ پھر امام بخاری کو چاہیئے کہ وہ حدیث معنعن کو بالکل قبول نہ کریں کیونکہ لقار کی شرط تیقن سماع کے لیے لگائی گئی ہے اور محض لقار سے سماع لازم نہیں آتا کیونکہ جائز ہے کہ ملاقات کے باوجود راوی نے مروی عنہ سے سماع نہ کیا ہو اس اعتراض کے دو جواب ہیں اوّل یہ کہ لقار کے باوجود اگر سماع نہ ہو تو راوی مدلس ہوگا اور مفروض یہ ہے کہ راوی مدلس نہ ہو ثانی یہ کہ امام بخاری راوی اور مروی عنہ میں ملاقات کی شرط لگاتے ہیں اور امام مسلم معاصرت کی اور عدم سماع کا احتمال دونوں میں جاری ہوتا ہے اور بلاریب ثبوت لقار کی شرط معاصرت کی شرط کی بنسبت سماع سے زیادہ قریب ہے۔

قاضی ابوبکر بن عربی نے بیان کیا ہے کہ امام بخاری کی شرط یہ ہے کہ اولاً حدیث کو دو صحابی روایت کریں یا پھر ہر ایک صحابی سے دو شخص روایت کریں۔ پھر ان میں سے ہر ایک سے دو دو شخص روایت کریں۔ لیکن قاضی ابوبکر کا یہ قول صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں جو پہلی حدیث انما الاعمال بالنیات درج کی ہے وہ صرف حضرت عمر سے مروی ہے اور حضرت عمر سے صرف علقمہ نے روایت کیا اور علقمہ سے صرف محمد بن ابراہیم نے اور ان سے صرف یحییٰ بن سعید نے۔

تعلیقات اور ان کے اسباب و اقسام

حدیث معلق اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں سند کے شروع سے رواۃ کو حذف کر دیا جائے خواہ بعض کو یا سب کو۔ صحیح بخاری میں احادیث معلقہ کی وافر مقدار ہے۔
حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ احادیث معلقہ میں سند ذکر نہ کرنے کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس حدیث کی سند پہلے گذر چکی ہوتی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ جس شیخ سے انہوں نے سماع کیا ہوتا ہے اس میں انہیں شک واقع ہو جاتا ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کا

باقاعدہ سماع نہیں کیا ہوتا بلکہ شیخ سے دوران گفتگو ضمناً اس حدیث کا سماع حاصل ہوتا ہے۔
تعلیقات دو قسم کی ہیں ایک وہ ہیں جن کو امام بخاری نے دوسری جگہ موصولاً بیان کیا ہے دوسری وہ ہیں جن کو انہوں نے موصولاً بالکل ذکر نہیں کیا۔ قسم اول کی صحت یقینی ہے اور قسم دوم کی پھر دو قسمیں ہیں اول وہ تعلیقات ہیں جو امام بخاری کی شرائط کے مطابق نہیں ہیں۔ ان کی پھر دو قسمیں ہیں۔ اول وہ جن کو امام بخاری صیغہ جزم مثلاً قال یا ذکر کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور ثانی وہ جن کو امام بخاری صیغہ تمریض مثلاً روی یا یذکر کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ قسم اول میں بعض روایات کسی اور امام کی شرط پر، کبھی صحیح، کبھی حسن اور کبھی معمولی سے ضعف کی حامل ہوتی ہیں حسن صحیح کی مثال کتاب الطہارۃ کی یہ تعلیق ہے۔ وقال عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علی کل احیان، یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور حسن کی مثال بھی کتاب الطہارۃ کی یہ تعلیق ہے۔ قال بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ اللہ احق ان یستحیی منہ الناس۔ اور قدرے ضعیف کی مثال کتاب الزکوٰۃ کی یہ تعلیق ہے۔ قال طاؤس قال معاذ بن جبل لاھل الیمن ایتونی بعرض ثیاب خمیص او لبیس فی الصدقۃ مکان الشعیر والذرۃ اھون علیکم وخیر لاصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس حدیث میں ضعف یہ ہے کہ طاؤس کا معاذ سے سماع ثابت نہیں ہے مگر یہ ضعف معمولی ہے کیونکہ طاؤس تک اسناد صحیح ہے۔

اور جن تعلیقات کو امام بخاری نے صیغہ تمریض کے ساتھ ذکر کیا ہے ان کی پانچ قسمیں ہیں۔ اول وہ جو امام بخاری کی شرط پر صحیح ہیں۔ ثانی وہ جو غیر کی شرط پر صحیح ہیں ثالث حسن رابع ضعیف مع المؤید اور خامس ایسی ضعیف جس کا کوئی مؤید نہیں ہے اول کی مثال کتاب الطب کی یہ تعلیق ہے۔ ویذکر عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الرقی بفاتحۃ الکتاب یہ سند صحیح ہے اور اس کو امام بخاری نے خود دوسری جگہ سند موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ثانی کی مثال کتاب الصلوٰۃ کی یہ تعلیق ہے۔ ویذکر عن عبداللہ بن سائب قال قرا النبی صلی اللہ علیہ وسلم المؤمنون فی صلوٰۃ الصبح حتی اذا جاء ذکر موسیٰ و ھارون اخذتہ سلعۃ، یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور انہوں نے اس کا اپنی

صحیح میں اخراج بھی کیا ہے اور ثالث کی مثال کتاب البیوع کی یہ تعلیق ہے ۔ ویذکر عن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال اذا بعت فکل واذا ابتعت فاکتل ؛ یہ حدیث حسن ہے اور اس کو دار قطنی نے روایت کیا ہے اور رابع کی مثال کتاب الوصایا کی یہ تعلیق ہے ۔ ویذکر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قضیٰ بالدین قبل الوصیۃ ؛ اس حدیث کو امام ترمذی نے موصولاً روایت کیا ہے مگر اس کی سند میں ایک راوی ہے ۔حارث اور وہ ضعیف ہے ۔ مگر یہ حدیث اہل علم کے قول کی وجہ سے تقویت پا گئی ۔ اور خامس کی مثال کتاب الصلوٰۃ کی یہ تعلیق ہے ۔ ویذکر عن ابی ھریرۃ رفعہ لا یتطوع الامام فی مکانہ ؛ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے لیکن اس میں شدید ضعف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے اور وہ ضعیف ہے اور اس کا شیخ الشیخ مجہول ہے اور اس ضعف کے لیے کوئی مقوی نہیں ہے ۔

مذکورالصدر تفصیل سے یہ ظاہر ہو گیا کہ تعلیقات بخاری میں غیر صحیح احادیث بھی موجود ہیں اور اسی وجہ سے یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ امام بخاری کا یہ قول کیونکر درست ہوگا کہ میں نے اپنی اس جامع میں صرف صحیح احادیث مندرج کی ہیں ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے ان احادیث کی صحت کا التزام کیا ہے جن کو انہوں نے پوری سند کے ساتھ ترجمۃ الباب کے اثبات کے قصد سے ذکر کیا ہے اور تعلیقات چونکہ مکمل سند کے ساتھ نہیں ہوتیں اس لیے ان کے غیر صحیح ہونے سے جامع صحیح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ۔

مکررات امام بخاری کی صحیح میں اگرچہ بظاہر صورۃً تکرار بہت زیادہ ہے لیکن معنوی لحاظ سے اس کو تکرار نہیں کہا جا سکتا جس کی متعدد وجوہ ہیں اس کی تحقیق کے وقت یہ امر پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ تکرار کا تعلق متن اور سند دونوں کے ساتھ ہے ۔ متن کے لحاظ سے تو اس لیے تکرار نہیں ہے کہ امام بخاری جب ایک حدیث کو متعدد جگہ ذکر فرماتے ہیں تو اس سے ان کا مقصود متعدد مسائل کا استنباط ہوتا ہے وہ ایک حدیث کو ایک جگہ ایک عنوان کے تحت اور دوسری جگہ دوسرے عنوان کے تحت لاتے ہیں لہٰذا یہ لفظاً تکرار ہے معنیً تکرار نہیں ہے اور سند کے لحاظ سے اس لیے تکرار نہیں ہے کہ وہ بعض اوقات ایک حدیث کو دو مختلف صحابہ سے دو جگہ روایت کرتے

ہیں اور کبھی دو جگہ دو مختلف تابعیوں سے روایت کرتے ہیں کبھی تابعی کے دو شاگردوں سے روایت تبع تابعین کے دو شاگردوں سے روایت کرتے ہیں کبھی امام بخاری اپنے دو استاذوں سے کبھی اپنے اپنے استاذ کے دو استاذوں سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان مختلف طرق سے حدیث کی روایت سے امام بخاری کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ حدیث غرابت سے نکل جائے۔ نیز ایک حدیث کو بسا اوقات ایک راوی تمام ذکر دیتا ہے اور دوسرا اختصار کرتا ہے۔ اور بعض مرتبہ ایک معنی کو ایک راوی ایک لفظ سے تعبیر کرتا ہے اور دوسرا کسی اور لفظ سے اور بعض دفعہ ایک راوی کسی حدیث کو ارسالاً روایت کرتا ہے اور دوسرا اسی کو اتصالاً روایت کرتا ہے اور کبھی ایک راوی ایک حدیث کو مرفوعاً روایت کرتا ہے اور دوسرا اسی کو موقوفاً بیان کرتا ہے اور کبھی ایک راوی کسی حدیث کو عنعنہ کے ساتھ روایت کرتا ہے اور دوسرا تصریح سماع کے ساتھ۔ ایسی صورتوں میں امام بخاری توضیح مرام کی خاطر حدیث کو دونوں طریقوں سے روایت کر دیتے ہیں۔ پس ایک حدیث کو امام بخاری جب دوبارہ ذکر کرتے ہیں تو وہ متن یا سند سے متعلق اس نوع کے کسی نہ کسی مزید فائدہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ نیز ایک حدیث جب متعدد اسناد سے مروی ہو تو وہ محدثین کے نزدیک ایک حدیث نہیں بلکہ متعدد احادیث شمار ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے صحیح بخاری میں محض بظاہر اور برائے نام تکرار رہ جاتا ہے۔

تقطیع تقطیع حدیث کا مطلب ہے ایک حدیث کے اجزاء کو ابواب پر تقسیم کر دینا اس بارے میں اختلاف رہا ہے کہ تقطیع حدیث جائز ہے یا نہیں بعض قدماء عدم جواز کے قائل تھے وہ کہتے تھے۔ لا یجوز تقطیع کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؛ لیکن ابن صلاح لکھتے ہیں کہ تقطیع کے جواز کا قول منع کی نسبت زیادہ صحت کے قریب[1] ہے اور امام بخاری، امام مالک اور اکثر محدثین جواز ہی کے قائل تھے۔

امام بخاری تقطیع حدیث اس وقت کرتے ہیں جب متن حدیث دو حکموں پر مشتمل ہو ایک حکم ایک باب کے تحت اور دوسرا حکم دوسرے باب کے تحت ذکر کرتے ہیں اور جب اس حدیث کے دوسرے جز کا ذکر کرتے ہیں تو سند بدل دیتے ہیں تاکہ ضمناً کثرت طرق کا فائدہ حاصل ہو جائے۔ بعض اوقات ایک حدیث بظاہر متعدد غیر مربوط جملوں پر مشتمل ہوتی ہے ایسی صورت میں

---

[1] امام ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمان المتوفی ۶۴۲ھ علوم الحدیث ص ۱۹۴

امام بخاری ہر جملہ کو ایک مستقل باب کے تحت لاتے ہیں اور ان تمام جملوں کو یکجا کر کے ایک باب کے تحت ذکر کر دیتے ہیں؛

اختصار اختصار حدیث کا مطلب یہ ہے کہ متن حدیث کے کسی ایک جز کا ذکر کیا جائے اور باقی اجزاء کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اختصار حدیث صرف اس جگہ کیا ہے جہاں متن حدیث قول صحابی ہو اور اس کا بعض حصہ حکماً مرفوع ہو ایسی صورت میں وہ متن کا مرفوع حصہ لے لیتے ہیں اور موقوف حصہ چھوڑ دیتے ہیں مثلاً انہوں نے ہزیل بن شرجیل کی روایت ذکر کی۔ ان عبد اللہ بن مسعود قال ان اھل الاسلام لا یسیبون و ان اھل الجاھلیۃ کانوا یسیبون ۔ اور پوری روایت اس طرح ہے۔ جاء رجل الی عبد اللہ بن مسعود فقال انی اعتقت عبدا لی سائبۃ فمات و ترک مالا ولم یدع وارثا فقال عبد اللہ ان اھل الاسلام لا یسیبون و ان اھل الجاھلیۃ کانوا یسیبون فانت ولی نعمتہ فلک میراثہ فان تاثمت و تحرجت فی شیء فنحن نقبلہ منک و نجعلہ فی بیت المال۔ حدیث کے جس حصہ کی امام بخاری نے روایت کی ہے وہ اپنے عموم کی وجہ سے حضور سے نقل کا متقاضی تھا اس وجہ سے اس کو حکماً مرفوع قرار دیا۔

تعداد مرویات صحیح بخاری کی تعداد مرویات میں علماء کا اختلاف ہے۔ حافظ ابن صلاح کی تحقیق یہ ہے کہ صحیح کی کل احادیث کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتر ہے اور حذف مکررات کے بعد یہ تعداد چار ہزار ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کے مطابق صحیح بخاری کی کل احادیث مسندہ بشمول مکررات سات ہزار تین سو ستانوے ہے اور جملہ معلقات کی تعداد ایک ہزار تین سو اکتالیس ہے اور جملہ متابعات کی تعداد تین سو چوالیس ہے اور کل میزان نو ہزار بیاسی ہے۔ اور حذف مکررات کے بعد احادیث مرفوعہ کی تعداد دو ہزار چھ سو تیئس[1] رہ جاتی ہے۔ نیز امام بخاری کی جو احادیث اعلیٰ اسانید پر مشتمل ہیں وہ ثلاثیات ہیں اور ان کی تعداد بائیس ہے۔ اور حذف مکررات کے بعد یہ تعداد سولہ رہ جاتی ہے۔

تراجم ابواب ، صحیح بخاری کے تراجم ابواب اپنی دقت اور خفاء کے اعتبار سے

---

[1] علامہ طاہر بن صلاح الجزائری توجیہ النظر ص ۹۴

مشہور ہیں۔ علامہ ابن خلدون نے کہا ہے کہ احادیث کی تراجم ابواب سے مطابقت۔ امام بخاری کا امت مسلمہ پر قرض ہے لیکن حق یہ ہے کہ علامہ بدرالدین عینی اور حافظ ابن حجر نے بڑی حد تک یہ قرض اتار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ بسا اوقات امام بخاری ترجمۃ الباب میں دو چیزوں کا ذکر کرتے ہیں اور حدیث میں فقط ایک کا ذکر ہوتا ہے ایسی صورت میں ترجمہ کی حدیث سے دلالت تضمنی کے اعتبار سے مطابقت ہوتی ہے اور بعض مرتبہ ترجمہ میں حکم عام ہوتا ہے اور حدیث میں کسی خاص صورت کا بیان ہوتا ہے اور کبھی حدیث متعدد امور کی متحمل ہوتی ہے اور ترجمہ میں ان محتملات میں کسی ایک کا تعین ہوتا ہے۔ اور کبھی ترجمۃ الباب اور حدیث میں علت مشترکہ ہوتی ہے۔ مثلاً امام بخاری نے ایک باب فی کم تقصر الصلوٰۃ کے عنوان سے قائم کیا اور اس کے تحت یہ حدیث لائے۔ عن ابن عمر لا تسافر المراۃ ثلاثۃ ایام الا مع ذی محرم۔ بظاہر ترجمہ اور حدیث میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔ کیونکہ عنوان ہے کتنی مدت میں نماز قصر کی جائے اور حدیث میں عورت کو تین دن سے زیادہ بغیر محرم کے سفر سے منع کیا گیا ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کے مطابق سفر شرعی تین دن ہے لہٰذا نماز کی قصر میں بھی تین دن کی مسافت کا اعتبار ہوگا۔ ان تمام باریکیوں تک پہنچنے کے باوجود بعض ایسے مقامات ہیں جہاں ترجمۃ الباب کی حدیث سے مطابقت تمام فہم و ادراک سے باہر ہے۔ مثلاً ایک جگہ امام بخاری لکھتے ہیں۔ باب طول القیام فی صلوٰۃ اللیل۔ اور اس کے تحت حدیث لائے ہیں۔ عن حذیفہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قام التہجد من اللیل یشوص فاہ بالسواک۔ اسی طرح ایک جگہ لکھا ہے۔ باب اذا فاتہ العید یصلی رکعتین وکذالک النساء ومن کان فی البیوت والقری۔ اور اس کے تحت یہ حدیث لائے ہیں۔ عن عائشۃ ان ابا بکر دخل علیہا وعندھا جاریتان فی ایام منی تدفان وتضربان والنبی صلی اللہ علیہ وسلم متغش ثوبہ فانتہرھما ابوبکر فکشف النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن وجھہ فقال دعھما یا ابا بکر فانہا ایام عید وتلک الایام ایام منی۔ پہلی مثال میں باب رات کو طول قیام کا ہے اور حدیث میں مسواک کرنے کا ذکر ہے اور دوسری

مثال میں باب نماز عید کی قضا ہے کا ہے اور حدیث میں لڑکیوں کے دف بجانے کا ذکر ہے۔ اسی قسم کی صحیح بخاری میں کافی مثالیں ہیں اور ان کی متابقت معلوم کرنا امت مسلمہ پر امام بخاری کا بہرحال قرض باقی ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا موازنہ

ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تمام علماء کے نزدیک صحیح بخاری کا مرتبہ کل کتب حدیث میں سب سے بلند و بالا ہے البتہ بعض مغاربہ نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے اور حافظ ابو علی نیشاپوری نے کہا اس آسمان کے نیچے صحیح مسلم سے بڑھ کر کوئی حدیث کی کتاب نہیں ہے اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا موازنہ کر لیا جائے۔

اہل علم حضرات پر مخفی نہیں ہے کہ حدیث صحیح کا رجوع اتصال، اتقان، رجال اور عدم شذوذ و عدم علل کی طرف ہوتا ہے۔ اتصال کے لحاظ سے دیکھیں تو صحیح بخاری کی احادیث کا اتصال زیادہ قوی ہے کیونکہ امام بخاری راوی اور مروی عنہ کی ملاقات کی شرط لگاتے ہیں اور امام مسلم صرف معاصرت کو کافی سمجھتے ہیں۔

اتقان رجال کے لحاظ سے دیکھیں تب بھی صحیح بخاری کی احادیث زیادہ قوی ہیں اولاً اس لیے کہ امام بخاری طبقہ ثانیہ یعنی قلیل الملازمۃ مع الشیخ سے روایات کا صرف انتخاب کرتے ہیں اور امام مسلم اس طبقہ سے تمام روایات کا استیعاب کرتے ہیں۔ ثانیاً اس وجہ سے کہ جن لوگوں سے روایت میں امام بخاری منفرد ہیں وہ چار سو تیس راوی ہیں جن میں سے اسی کو ضعیف قرار دیا گیا ہے اور امام مسلم جن لوگوں سے روایت میں منفرد ہیں وہ چھ سو بیس راوی ہیں جن میں سے ایک سو ساٹھ کو ضعیف شمار کیا گیا ہے۔ ثالثاً اس سبب سے کہ امام بخاری کے راویوں کو ضعیف قرار دیا گیا ہے ان میں سے اکثر امام بخاری کے بلاواسطہ استاذ ہیں اور وہ ان کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے اور ان کی روایات کو جانچ اور پرکھ سکتے تھے۔ برخلاف امام مسلم کے کیونکہ ان کے جن راویوں پر جرح کی گئی ہے ان میں سے اکثر امام مسلم کے بالواسطہ استاذ ہیں اور ان کے لیے ان لوگوں کی روایات کو خود پرکھنے کا کوئی موقعہ نہ تھا رابعاً اس وجہ سے کہ امام بخاری نے ایسے راویوں سے بہت کم روایت کی ہے اور امام مسلم نے ان سے بہت زیادہ روایت کی ہے۔

اور عدم شذوذ اور عدم علل کے اعتبار سے ملاحظہ کریں تب بھی صحیح بخاری صحیح مسلم پر فوقیت رکھتی ہے کیونکہ صحیح بخاری کی جن احادیث میں علت خفیفہ قادحہ نکالی گئی ہے ان کی تعداد اسی ہے اور صحیح مسلم میں ایسی احادیث کی تعداد ایک سو تیس ہے۔

شروح کتب حدیث میں سب سے زیادہ صحیح بخاری کی شروح لکھی گئی ہیں حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں ۱۰۱۲ھ تک بخاری کی پچاس سے زیادہ شرح گنوائی ہیں ان تمام کا ذکر تو یہاں دشوار ہے چند مشہور اور اہم شروح کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) **اعلام السنن** یہ امام ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی المتوفی ۳۳۸ھ کی تصنیف ہے اور یہ بخاری کی سب سے پہلی شرح ہے اس شرح میں عجیب و غریب نکات اور لطائف بیان کیے گئے ہیں؛

(۲) **شرح البخاری** یہ امام ابوالحسن علی بن خلف المغربی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ کی شرح ہے جو ابن بطال کے نام سے مشہور ہیں اس شرح میں انہوں نے فقہ مالکی کو بیان کیا ہے اور بعد میں آنے والے شارحین میں سے بمشکل کوئی ایسا ہوگا جو ان کا ذکر نہ کرتا ہو؛

(۳) **شرح البخاری** ، یہ امام فخر الاسلام علی محمد البزدوی الحنفی المتوفی ۴۸۲ھ کی تالیف ہے اور نہایت مختصر شرح ہے؛

(۴) **شرح البخاری** :- یہ شرح قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ کی تالیف ہے؛

(۵) **کتاب النجاح** یہ شرح امام نجم الدین عمر بن محمد النسفی الحنفی المتوفی ۵۳۷ھ کی تصنیف ہے یہ شرح حدیث کی روشنی میں مسائل حنفیہ کی تحقیق کے لیے بہترین کتاب ہے۔

(۶) **شواہد التوضیح** یہ شیخ جمال الدین محمد بن عبداللہ النحوی المتوفی ۶۷۲ھ کی تالیف ہے اس میں مشکل احادیث نحویہ کی توضیح کی گئی ہے۔

(۷) **التلویح** :- یہ امام حافظ علاؤ الدین مغلطائی الحنفی المتوفی ۷۹۲ھ کی تصنیف ہے یہ مبسوط

شرح ہے اور اس میں تعلیقات پر بحث اور مشکل الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے۔

(۸) **الکواکب الدراری** یہ علامہ شمس الدین محمد بن یوسف بن علی الکرمانی المتوفی ۷۹۶ھ کی تصنیف ہے اس شرح کے شروع میں علم حدیث کی فضیلت اور امام بخاری کا مفصل ترجمہ ذکر کیا گیا ہے نیز الفاظ کے معانی لغویہ، اعاریب نحویہ، ضبط روایات، اسماء رجال اور القاب رواۃ بیان کیے گئے ہیں اور احادیث متعارضہ میں تطبیق دی گئی ہے بعد میں آنے والے اکثر شارحین نے اس سے استفادہ کیا ہے۔

(۹) **منح الباری** یہ شرح علامہ مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی الشیرازی المتوفی ۸۱۷ھ کی تصنیف ہے صرف ربع عبادات کی شرح بیس جلدوں میں کی گئی ہے اس سے آگے یہ شرح نہیں لکھی جا سکی۔ اس شرح میں محی الدین ابن عربی کی فتوحات مکیہ سے عبارات بہت زیادہ نقل کی گئی ہے۔

(۱۰) **مصابیح الجامع** یہ علامہ بدر الدین محمد بن ابی بکر الدمامینی المتوفی ۸۲۸ھ کی شرح ہے یہ بادشاہ ہند احمد شاہ بن محمد بن مظفر کی فرمائش پر لکھی گئی تھی۔

(۱۱) **فتح الباری** یہ شرح حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کی تصنیف ہے اس شرح کو صحیح بخاری کی عظیم ترین شروح میں سے شمار کیا جاتا ہے حافظ ابن حجر نے ۸۱۳ھ میں اس کی تصنیف شروع کی اور ۸۴۲ھ میں اس کو سترہ جلدوں میں مکمل کیا شرح کے علاوہ ایک ضخیم جلد میں اس کا مقدمہ لکھا جس کے دو جزو ہیں اور دس فصول پر مشتمل ہے مقدمہ میں امام بخاری کی مفصل سوانح، صحیح بخاری کی خصوصیات اور دیگر فوائد حدیثیہ بیان کیے گئے ہیں۔

اس شرح میں حافظ ابن حجر حدیث کی فنی حیثیت اور رجال پر گفتگو کرتے ہیں مشکل الفاظ کی لغت، عنوان باب سے مناسبت، استنباط مسائل اور فقہ شافعی بیان کرتے ہیں۔ سوالات وارده کے جوابات اور متعارض احادیث میں تطبیق دیتے ہیں جو حدیث متعدد بار آتی ہے اس کی شرح میں ان کا طریقہ یہ ہے کہ جس باب پر حدیث کی دلالت صراحۃً اور مطابقۃً ہوتی ہے وہاں اس کی مفصل شرح کرتے ہیں اور جن ابواب پر اس کی دلالت ضمناً بالتبع ہوتی ہے وہاں اجمال سے کام لیتے ہیں۔ بہر نوع یہ شرح متعدد خوبیوں کی حامل ہے اور اس کو قبول خاص و عام حاصل ہوا۔

(۱۲) عمدۃ القاری | یہ شرح الشیخ الامام حافظ بدر الدین العینی المتوفی ۸۵۵ھ کی تصنیف ہے۔ صحیح بخاری کی اس سے بہتر شرح آج تک نہیں لکھی گئی۔ حافظ بدر الدین عینی نے اس شرح کو ۸۲۱ھ میں لکھنا شروع کیا اور ۸۴۷ھ میں اس کو پچیس اجزاء میں مکمل کیا جو بارہ مجلدات پر مشتمل ہے۔

علامہ ابن حجر اور حافظ عینی میں معاصرانہ چشمک تھی علامہ عینی جامع مویدی میں برج شمالی پر بیٹھ کر درس حدیث دیا کرتے تھے اس مسجد کا ایک منارہ بوسیدہ ہو چکا تھا اس کو تعمیر جدید کے لیے گرا دیا گیا اس موقعہ پر حافظ ابن حجر نے یہ اشعار کہے ؎

لجامع مولانا المؤید رونق ۔۔۔ منارتہ تزھو بالحسن و بالزین

تقول وقد مالت علیھم امھلوا ۔۔۔ فلیس علی حسنی اضر من العین

(جامع موید بڑی بارونق ہے اس کا منارہ بہت حسین وجمیل تھا وہ جھکتے وقت زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ مجھے چھوڑ دو کیونکہ میرے حسن وجمال کے لیے اصل نقصان دہ چیز نظر بد یا علامہ عینی ہیں) اس میں لفظ عین سے علامہ عینی کا توریہ کیا گیا ہے۔

علامہ عینی کو جب ان اشعار کا پتہ چلا تو انہوں نے حافظ ابن حجر کی طرف یہ اشعار لکھوا کر بھیجے۔ ؎

منارۃ کعروس الحسن قد جلیت ۔۔۔ وھدمھا بقضاء اللہ والقدر

قالوا اصیبت بعین قلت ذا غلط ۔۔۔ ما آفۃ الھدم الا خستہ الحجر

(وہ منارہ دلہن کی طرح حسین اور خوبصورت تھا جس کا گرنا حقیقت میں قضاء وقدر کے سبب سے تھا لوگوں نے کہا اس کو نظر لگ گئی لیکن اس کو گرانے کا سبب حجر (پتھر یا ابن حجر) کی خستہ حالی تھی) ان اشعار میں علامہ عینی نے جوابا حجر کے لفظ سے ابن حجر کا کنایہ کیا ہے؛

جس زمانہ میں علامہ عینی شرح لکھ رہے تھے حافظ ابن حجر بھی لکھ رہے تھے اور وہ علامہ عینی سے پہلے لکھنا شروع کر چکے تھے برہان بن خضر نے حافظ ابن حجر کی اجازت سے ان کا مسودہ لیا اور علامہ عینی نے ان سے مسودہ عاریۃً مانگ لیا۔ حافظ عینی نے علامہ ابن حجر کے مسودہ کا مطالعہ کیا اور اپنی شرح میں اس کا ساتھ ساتھ رد لکھتے گئے جب یہ شرح مکمل ہو کر لوگوں کے سامنے آئی

تو حافظ ابن حجر اور ان کے تلامذہ حیران رہ گئے۔ حافظ ابن حجر نے بعد میں علامہ عینی کے اعتراضات کے جواب میں انتقاض الاعتراض کے نام سے ایک کتاب لکھنی شروع کی لیکن عمر نے وفا نہ کی۔ اور کتاب کی تکمیل سے پہلے ہی ابن حجر کا انتقال ہوگیا بہرحال انہوں نے جتنی کتاب لکھی ہے اس میں بھی عینی کے اکثر اعتراض کے جوابات نہیں بن سکے۔

حافظ بدرالدین عینی اپنی شرح میں پہلے حدیث کی قرآن کریم سے مطابقت بیان کرتے ہیں پھر کتاب، ترجمۃ الباب اور حدیث سابق سے اس کی مناسبت بیان کرتے ہیں اس کے بعد رجال پر گفتگو کرتے ہیں اور جس صحابی سے حدیث مروی ہو اس کی مختصر سوانح لکھتے ہیں انواع حدیث میں سے اس حدیث کی نوع بیان کرتے ہیں صحیح بخاری میں جن ابواب کے تحت وہ حدیث مکرر آتی ہے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ امام بخاری کے علاوہ جن محدثین نے اپنی تصانیف میں اس حدیث کا اخراج کیا ہے ان کا بیان ذکر کرتے ہیں۔ پھر الفاظ حدیث کی لغت، اعراب، معانی، بیان اور بدیع کے اعتبار سے اس حدیث کی شرح کرتے ہیں۔ حدیث کا مورد اس سے مستنبط مسائل اور فوائد اور اس کے تحت مختلف فقہی مسالک بیان کرتے ہیں۔ امام اعظم کے مذہب کو دلائل سے ثابت کرتے ہیں اور جس جس مقام پر دیگر شراح اور بالخصوص ابن حجر سے اختلاف ہو لسکار کرتے ہیں۔

عینی کی ایک خاص خوبی جس میں وہ تمام شراح سے ممتاز ہیں یہ ہے کہ وہ حدیث کی شرح کو متعدد اجزاء اور ابحاث میں تقسیم کرتے ہیں اور ہر بحث سے پہلے اس کی ذیلی سرخی اور عنوان قائم کرتے ہیں جس کی وجہ سے اس کتاب سے استفادہ میں بہت آسانی ہو جاتی ہے۔

جو احادیث مکرر ہیں ان میں علامہ عینی کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی بار جس باب کے تحت وہ حدیث آتی ہے وہاں اس کی مفصل شرح کر دیتے ہیں اور بعد میں جب اس حدیث کا دوبارہ ذکر آتا ہے تو اس پر سرسری گفتگو کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ صحیح بخاری کی پہلی جلد کی علامہ عینی نے سولہ اجزاء میں شرح کی ہے اور دوسری جلد کی شرح باقی نو اجزاء میں پوری کر دی ہے۔

(۱۳) **الکوثر الجاری** یہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ کی شرح ہے اس کے شروع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کی گئی ہے اس میں حل لغات اور ضبط اسماء رواۃ پر زور دیا گیا ہے اور حافظ ابن حجر اور کرمانی کا بالخصوص رد کیا گیا ہے۔

(۱۴) **التوشیح علی الجامع الصحیح** | یہ حافظ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی شرح ہے۔

(۱۵) **ارشاد الساری** | یہ شرح شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۲۳ھ کی تصنیف ہے۔ دس مجلدات پر مشتمل ہے کتاب کے شروع میں امام بخاری کی مفصل سوانح ذکر کی ہے اس شرح میں فتح الباری سے بہت زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔

سطور بالا میں جن۔ شروح کا ذکر کیا گیا ہے حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں ان کے علاوہ اور پینتیس شروح کا ذکر کیا ہے[1] یہ وہ شروح ہیں جو ۱۰۶۷ھ تک منصہ شہود پر آچکی تھیں۔ گیارھویں ہجری سے لے کر اب تک چار سو سال کے اس طویل عرصہ میں عربی، فارسی اور اردو زبان میں اور بہت سی شروح لکھی جا چکی ہیں اور ہنوز لکھی جا رہی ہیں اور جب تک اہل علم کے ہاتھوں میں قرطاس و قلم رہے گا صحیح بخاری کی احادیث کے فوائد اور نکات بیان ہوتے رہیں گے۔

مسامحات بخاری | امام بخاری نے اپنے تمام تر علمی اور فنی کمالات کے باوجود انسان اور بشر تھے اس لیے صحیح بخاری کی تصنیف میں ان سے سہو، نسیان اور تسامح کا واقعہ ہو جانا کوئی امر مستبعد نہیں ہے اس کے برخلاف بعض وہ حضرات جو صحیح بخاری کو حرف آخر قرار دیتے ہیں ان کی رائے ہے کہ بخاری میں مندرج ہر ہر حدیث صحیح ہے اور سند اور متن کے بیان میں ان سے کسی جگہ غلطی نہیں ہوئی۔ ہماری رائے ان لوگوں سے بہر حال مختلف ہے۔ یہ صحیح ہے کہ صحیح بخاری میں دیگر تمام کتب حدیث کی بنسبت سب سے زیادہ صحیح احادیث ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ اس میں مندرج کوئی حدیث بھی ضعیف نہیں ہے۔

صحیح بخاری میں ایسے راویوں کی تعداد کافی زیادہ ہے جو جہمی، قدری، رافضی یا مرجیہ عقائد کے حامل تھے اس کے ساتھ ساتھ اس میں ایسے راوی بھی ہیں جو منکر الحدیث واہی اور وہمی تھے چنانچہ ان تمام کی تفصیل حافظ ابن حجر عسقلانی نے ہدی الساری مقدمہ فتح الباری میں مہیا کی ہے لیکن ان کے مجروح اور مطعون راویوں کے بارے میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ان راویوں پر جرح دوسرے لوگوں

---

[1] مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ و کاتب چلپی المتوفی ۱۰۶۷ھ   کشف الظنون ج ۱ ص ۵۴۵ تا ص ۵۵۵

نے کی ہے امام بخاری کے نزدیک ان لوگوں پر جرح ثابت نہیں ہو سکی اس لیے انہوں نے ان کی احادیث کو اپنی صحیح میں وارد کیا ہے۔

یہ عذر اپنی جگہ صحیح ہے (اگرچہ یہ لوگ دوسروں کے حق میں یہ جواب تسلیم نہیں کرتے) لیکن اب اس بات کو کیا کیا جائے کہ امام بخاری نے جن راویوں پر خود دوسری کتابوں میں جرح کی ہے صحیح بخاری میں ان سے بھی روایات لے آئے ہیں اس قسم کے متعدد شواہد موجود ہیں ہم ان میں سے آپ کے سامنے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

باب الاستنجا بالماء کے تحت امام بخاری نے ایک روایت اس سند کے ساتھ ذکر کی ہے۔
حدثنا ابو سعید هشام بن عبد الملک قال حدثنا شعبة عن ابی معاذ واسمه عطا بن ابی میمونة قال سمعت انس بن مالک یقول کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج لحاجتہ الحدیث[1]

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے عطا بن ابی میمونہ ہے۔ اس کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں۔ عطا بن ابی میمونة ابو معاذ مولی انس، وقال یزید بن هارون مولی عمران بن حصین وکان یری القدر[2] (یعنی یہ شخص عقائد قدریہ کا حامل تھا)

اسی طرح انہوں نے کتاب المغازی میں ایک حدیث ذکر کی ہے:- حدثنی عباس والولید قال حدثنا عبد الواحد عن ایوب بن عائذ قال حدثنا قیس بن مسلم قال سمعت طارق بن شهاب یقول حدثنی ابو موسی الاشعری قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث[3] اس حدیث میں ایک راوی ہے ایوب بن عائذ اس کو بھی انہوں نے کتاب الضعفاء میں درج کیا ہے اور فرماتے ہیں:- ایوب بن عائذ الطائی کان یری الارجاء[4] (یہ شخص مرجئہ عقائد کا حامل تھا)

---

[1] محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ — صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۷
[2] ایضاً " " " — کتاب الضعفاء الصغیر ص ۲۷۱
[3] ایضاً " " " — صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۲۳
[4] ایضاً " " " — کتاب الضعفاء الصغیر ص ۲۵۳

حافظ ذہبی ایوب بن عائذ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں :-

وکان من المرجئۃ قال البخاری	امام بخاری نے ایوب بن عائذ کو مرجئہ
واودہ فی الضعفاء	قرار دے کر اس کا ضعفاء میں شمار
لارجائہ والعجب من	کیا ہے اور حیرت ہے کہ اس کو ضعیف
البخاری یغمزہ و	قرار دے کر پھر اس سے استدلال
قد احتج بہ۔[1]	کرتے ہیں۔

اسماعیل بن ابان کوفی ایک راوی ہے اس کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں :-

اسماعیل بن ابان عن ھشام بن	اسماعیل بن ابان جو ہشام بن عروہ
عروۃ متروک الحدیث کنیتہ	سے روایت کرتا ہے متروک
ابو اسحاق کوفی۔[2]	الحدیث ہے۔

اس متروک الحدیث راوی سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں متعدد احادیث روایت کی ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں :- اسماعیل بن ابان الوراق الکوفی احد شیوخ البخاری ولم یکثر عنہ[3] (اسماعیل بن ابان امام بخاری کے استاذ ہیں اور امام بخاری نے ان سے بہت زیادہ احادیث روایت نہیں کی ہیں)

ان کے علاوہ زبیر بن محمد التیمی، سعید بن عروہ، عبداللہ بن ابی لبید، عبدالملک بن امین، عبدالوارث بن سعید، عطا بن السائب بن یزید، کہمس بن منہال یہ تمام ضعیف راوی ہیں اور کتاب الضعفاء میں امام بخاری نے ان کے ضعف کی تصریح کی ہے اس کے باوجود صحیح بخاری میں ان لوگوں کی روایات کو درج کیا ہے۔

بیان سند میں تسامح :- ضعیف لوگوں سے روایت کے علاوہ کبھی امام بخاری سے سند میں راویوں کے نام کے سلسلے میں بھی خطا واقع ہو جاتی

---

[1] محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ — کتاب الضعفاء الصغیر ص ۲۵۲

[2] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — ھدی الساری ج ۲ ص ۱۵۱

[3] محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ — کتاب الضعفاء الصغیر ص ۲۷۲

ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے ، اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبہ کے تحت ایک حدیث اس سند کے ساتھ وارد کی ہے۔

حدثنا عبد العزیز بن عبد اللہ قال حدثنا ابراھیم بن سعد عن ابیہ عن حفص بن عاصم عن عبد اللہ بن مالک بن بجینہ قال الخ[1]۔

اس سند کے بیان میں امام بخاری سے دو غلطیاں واقع ہوئی ایک تو یہ کہ بجینہ عبد اللہ کی والدہ کا نام ہے نہ کہ مالک کی۔ اور امام بخاری نے اس کو مالک کی والدہ قرار دیا ہے دوسری یہ کہ آگے چل کر فرماتے ہیں، سمعت رجلاً من الازد یقال لہ مالک بن بجینہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلاً الحدیث ؛ اس حدیث کو انہوں نے مالک سے روایت کیا ہے۔ حالانکہ یہ حدیث مالک کے بیٹے عبد اللہ بن مالک سے مروی ہے۔ مالک تو مشرف بہ اسلام بھی نہیں ہوئے تھے مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس سند کو بیان کیا ہے لیکن ان کی سند میں یہ غلطیاں نہیں ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :۔

الوھم فیہ موضعین احدھما ان بجینۃ والدۃ عبد اللہ لا مالک وثانیھما ان الصحبۃ والروایۃ لعبد اللہ لا لمالک (فتح الباری ج ص ۲۹)	اس روایت میں دو جگہ وہم ہے اول یہ کہ بجینہ عبد اللہ کی والدہ ہے نہ کہ مالک کی ثانی یہ کہ صحابی اور راوی عبد اللہ ہیں نہ کہ مالک۔

متن حدیث میں تسامح

سند حدیث کے علاوہ نفس حدیث کے متن میں بھی امام بخاری سے کافی تسامح واقع ہوئے بسطور ذیل میں ان میں سے بعض غلطیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) کتاب الزکوٰۃ میں امام بخاری نے ایک حدیث وارد کی ہے۔

عن عائشۃ ان بعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اینا اسرع بک لحوقا	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج نے آپ سے عرض کیا۔

---

[1] امام محمد بن اسماعیل البخاری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۱

قال اطولکن یدا فاخذوا	کہ حضور آپ کی ازواج میں سے کون
قصبۃ یذرعونہا فکانت	سب سے پہلے آپ کے ساتھ واصل
سودۃ اطولھن یدا	ہوگی فرمایا جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے
فعلمنا بعد انما	یہ سن کر سب اپنے اپنے ہاتھ ماپنے لگیں
کانت طول یدھا	اور ان میں لمبے ہاتھ سودہ کے تھے۔
الصدقۃ وکانت	اور بعد میں ہم کو معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھوں
اسرعنا لحوقا	کی لمبائی سے صدقہ مراد ہے اور سودہ
بہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت	کا سب سے پہلے انتقال ہوا اور وہ
تحب الصدقۃ۔[1]	صدقہ سے محبت رکھتی تھیں۔

اس حدیث کے جملہ کانت اسرعنا لحوقا بہ میں کانت کی ضمیر سودہ کی طرف راجع ہے۔ جس کا مفاد یہی ہے کہ آپ کے بعد ازواج میں سب سے پہلے سودہ کا وصال ہوا اور یہ بات تمام اصحاب سیر اور ارباب تاریخ کی شہادت سے قطعاً باطل ہے کیونکہ آپ کے بعد سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش کا ۲۰ھ میں وصال ہوا اور حضرت سودہ کا وصال تو اس کے بہت بعد ۵۴ھ میں ہوا ہے۔[2] اس حدیث میں راوی سے زینب کا لفظ چھوٹ گیا ہے۔ عبارت یوں ہونا چاہیے تھی۔ وکانت زینب اسرع لحوقا بہ۔ صحیح مسلم میں یہ جملہ اس طرح ہے وکانت زینب اطول یداً ونہا کانت تعمل وتتصدق، بہرحال یہ امام بخاری کا کام تھا کہ وہ اس راوی کی روایت کو اپنی صحیح میں درج کرتے جس کی روایت میں یہ تاریخی غلطی نہیں ہوئی جیسا کہ امام مسلم نے کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ایک طویل بحث کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس روایت میں ابوعوانہ کو وہم ہوا ہے (فتح الباری ج ۳ ص ۲۰)

(۲) باب احداد المرأۃ علی غیر زوجہا کے تحت امام بخاری نے یہ حدیث وارد کی ہے۔

عن زینب بنت ابی سلمۃ	زینب بنت سلمہ کا بیان ہے کہ جب شام

---

[1] محمد بن اسماعیل البخاری متوفی ۲۵۶ھ — صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۱

[2] علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ — عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۸۲

قالت لما جاء نعی ابی سفیان من الشام دعت ام حبیبۃ بصفرۃ فی یوم الثالث فمسحت عارضیہا و ذراعیہا الحدیث۔[1]

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر آئی تو حضرت ام حبیبہ نے تین دن کے بعد سوگ ختم کر دیا۔

اس حدیث میں امام بخاری نے یہ بیان کیا ہے کہ ابوسفیان کی وفات کی اطلاع شام سے آئی تھی حالانکہ یہ بات تاریخی طور پر قطعاً غلط ہے کیونکہ باتفاق مورخین ابوسفیان کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا تھا چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

وفی قولہ من الشام نظر لان اباسفیان مات بالمدینۃ بلا خلاف بین اہل العلم بالاخبار والجمہور علی انہ مات سنۃ اثنتین وثلاثین وقیل سنۃ ثلاث ولم ار فی شیٔ من طرق ھذا الحدیث تقییدہ بذالک الا فی روایۃ سفیان بن عیینۃ ھذہ واظنہا وھماً۔[2]

اس روایت میں شام کے لفظ پر اعتراض ہے کیونکہ مورخین میں سے کسی کا اس بات پر اختلاف نہیں ہے کہ ابوسفیان کا انتقال مدینہ میں ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ہوا تھا۔ اور اس واقعہ میں شام کی قید میں نے سفیان بن عیینہ کی روایت کے سوا اور کہیں نہیں دیکھا اور میرا گمان یہ ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کو درج کرنے میں امام بخاری نے کامل غور و خوض اور تحقیق و تتبع سے کام نہیں لیا۔

(۳) فضل من شہد بدرا اور غزوۃ الرجیع میں امام بخاری نے ایک طویل حدیث میں فرمایا وقتل خبیب ھو قتل الحارث بن عامر بن نوفل یوم بدر۔ یعنی خبیب نے جنگ بدر میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا اس جگہ بھی امام بخاری نے سخت مغالطہ کھایا ہے کیونکہ خبیب نام کے دو شخص ہیں خبیب بن عدی اور خبیب بن اساف اور تمام تر اہل مغازی کا اتفاق ہے کہ جس شخص نے جنگ بدر

---

[1] محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ۔ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۰

[2] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری ج ۳ ص ۳۸۸

میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا وہ خبیب بن اساف ہیں اور امام بخاری نے حدیث میں جس خبیب کا واقعہ ذکر کیا ہے جن کو مشرکین نے گرفتار کر کے مکہ میں سولی دے دی تھی وہ خبیب بن عدی ہیں۔ اور خبیب بن عدی نہ تو غزوہ بدر میں شریک ہوئے نہ انہوں نے حارث کو قتل کیا لہٰذا ان کے بارے میں امام بخاری کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ خبیب نے حارث کو قتل کیا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :-

ان اهل المغازی لم یذکر	اہل مغازی میں سے کسی نے یہ ذکر
احد منهم ان خبیب	نہیں کیا کہ خبیب بن عدی جنگ بدر
بن عدی شهد بدرا	میں حاضر ہوئے اور نہ ہی انہوں نے
ولا قتل الحارث بن عامر	حارث کو قتل کیا تھا۔ انہوں نے یہ
وانما ذکروا ان الذی	ذکر کیا ہے کہ جس شخص نے حارث کو
قتل الحارث بن عامر	قتل کیا وہ خبیب بن اساف تھے اور
ببدر خبیب بن اساف	اس واقعہ میں جس کا ذکر ہے وہ خبیب
وهو خبیب بن عدی	بن عدی ہیں اور خبیب بن عدی قبیلہ
وهو خزرجی، وخبیب بن	اوس کے ہیں اور خبیب بن اساف
عدی اوسی۔[1]	قبیلہ خزرج کے۔

یہی اعتراض علامہ بدرالدین عینی نے بھی عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۷ ص ۱۰۰ پر کیا ہے۔

(۴) باب مناقب عثمان میں امام بخاری نے ایک حدیث وارد کی ہے جس میں ذکر ہے۔

ثم دعا علیا فامره	پھر حضرت عثمان نے حضرت علی کو بلا
ان یجلده فجلده	کر کوڑے لگانے کا حکم دیا تو انہوں
ثمانین۔[2]	نے اس کو اسی کوڑے لگائے۔

امام بخاری نے اس روایت میں اسی کوڑے مارنے کا ذکر کیا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — فتح الباری ج ۸ ص ۴۴۳

[2] محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ — صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۲

کہ حضرت علی نے چالیس کوڑے مارے تھے چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:۔

فی روایة معمر فجلد الولید اربعین	معمر کی روایت میں ہے کہ ولید کو
جلدة وهذه الروایة	چالیس کوڑے لگائے گئے اور صحیح تر
اصح من روایة یونس والوهم	روایت یہی ہے۔ اور اس روایت
فیه من الراوی۔[1]	میں راوی کو وہم لاحق ہوا ہے۔

حافظ بدرالدین عینی بھی (عمدة القاری ج ۱۶ ص ۲۰۴ میں) یہی فرماتے ہیں۔

(۵) باب ما ذکر فی الاسواق کے تحت امام بخاری نے مذکورہ ذیل حدیث وارد کی ہے:۔

عن ابی هریرة الدوسی قال	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان
خرج النبی صلی اللہ علیه وسلم	کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
فی طائفة النهار	دن کے وقت باہر نکلے میں اور آپ
لا یکلمنی ولا اکلمه	دونوں خاموش تھے یہاں تک کہ
حتی اتی سوق بنی	آپ بنو قینقاع کے بازار میں آئے
قینقاع فجلس بفناء بیت	اور حضرت فاطمہ کے گھر صحن میں جاکر
فاطمة الحدیث۔[2]	بیٹھ گئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ کا گھر بنی قینقاع کے بازار میں تھا۔ حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں تھا بلکہ ان کا مکان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے مکانوں کے درمیان تھا۔ ناقل کو اس روایت میں وہم ہوا ہے۔ صحیح مسلم کی روایت میں یہ وہم نہیں ہے اس میں اس طرح ہے۔ حتی جاء سوق بنی قینقاع ثم انصرف حتی اتی فناء فاطمة یعنی حضور بنو قینقاع کے بازار تشریف لائے پھر واپس تشریف لے گئے حتی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صحن میں داخل ہوئے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

قال الداؤدی، سقط بعض	داؤدی نے کہا کہ ناقل سے حدیث

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — فتح الباری ج ۸ ص ۵۷

[2] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ — صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸۵

الحدیث عن الناقل	کے بعض الفاظ ساقط ہو گئے یا اس
او ادخل حدیثا فی	نے ایک حدیث کو دوسری میں داخل
حدیث لان بیت فاطمۃ	کر دیا کیونکہ حضرت فاطمہ کا مکان بنو
لیس فی سوق بنی	قینقاع کے بازار میں نہیں تھا۔ علامہ
قینقاع انتہی وما	ابن حجر فرماتے ہیں کہ راوی نے جو پہلا
ذکرہ اولاً احتمالا	احتمال ذکر کیا ہے (یعنی ناقل سے بعض
ھو الواقع۔	الفاظ ساقط ہو گئے ہیں) اصل میں
(فتح الباری ج ۵ ص ۴۴۲)	وہی واقع ہے۔

مزید تفصیل کے لیے عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۳۹ ملاحظہ فرمائیں۔

استنباط مسائل میں تسامح

شروع میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ اس کتاب کی تدوین سے امام بخاری کا مقصد صرف احادیث کو جمع کرنا نہیں ہے بلکہ تراجم الابواب پر استدلال کرنا بھی ان کے مقصد میں شامل ہے اور بشری تقاضہ سے مسائل کے استنباط میں بھی امام بخاری سے غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔ ہم یہاں پر بعض مثالیں پیش کر کے ان کی نشاندہی کر دیتے ہیں۔

(۱) امام بخاری نے تقضی الحائض المناسک کلھا الا الطواف کے عنوان سے ایک باب ذکر کیا ہے اور اس کے تحت تعلیقاً یہ حدیث لائے ہیں:۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکر	حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں
اللہ علی کل احیانہ۔[1]	اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے

اس حدیث کے لانے سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ جنبی شخص اور حائضہ عورت قرآن کریم کی تلاوت کر سکتے ہیں حالانکہ یہ بات شرعاً ممنوع ہے چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہیں:۔

اراد البخاری بایراد ھذا وبما	اس حدیث کو لانے سے امام بخاری
ذکرہ فی ھذا الباب	کا مقصد یہ ہے کہ جنبی شخص اور حائضہ

[1] امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۴

الاستدلال علی جواز قراءۃ	عورت قرآن مجید کی تلاوت کر سکتے
الجنب والحائض لان الذکر اعم من	ہیں کیونکہ ذکر عام ہے اور قرآن اور
ان یکون بالقرآن او بغیرہ [1]	غیر قرآن دونوں کو شامل ہے۔

اور حافظ ابن حجر اس باب کے تحت لکھتے ہیں:۔

ان مرادہ الاستدلال علی	اس حدیث سے امام بخاری کی مراد
جواز قراءۃ الحائض	حائض اور جنبی کی قرأت قرآن پر
والجنب [2]	استدلال ہے۔

(۲) اذا شرب الکلب فی الاناء۔ اس عنوان کے تحت امام بخاری نے متعدد احادیث ذکر کی ہیں ایک حدیث یہ ہے:۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان رجلا	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا
رأی کلبا یاکل الثری من العطش	کہ ایک شخص نے دیکھا کہ ایک باؤلا
فاخذ الرجل خفہ فجعل یغرف	کتا کیچڑ چاٹ رہا ہے اس نے اپنے
لہ بہ حتی ارواہ فشکر اللہ لہ	موزہ میں پانی بھر کر اس کو چلو سے
فادخلہ اللہ الجنۃ۔ [3]	پانی پلایا۔

اس حدیث میں امام بخاری نے ثابت کیا ہے کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

استدل بہ المصنف علی طہارۃ	مصنف نے اس حدیث سے کتے کے
سؤر الکلب۔ [4]	جھوٹے کی طہارت پر استدلال کیا ہے۔

اسی باب میں ایک اور حدیث ذکر کی ہے:۔

---

[1] حافظ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ — عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۷۴

[2] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — فتح الباری ج ۱ ص ۲۲۴

[3] امام محمد بن اسماعیل بخاری المتوفی ۲۵۶ھ — صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹

[4] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — فتح الباری ج ۱ ص ۲۸۹

كانت الكلاب تبول وتقبل وتدبر في المسجد في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم يكونوا يرشون من ذالك.[1]	عہد رسالت میں کتے مسجد میں آجایا کرتے تھے اور بسا اوقات وہ مسجد میں پیشاب بھی کر دیا کرتے تھے اور صحابہ اس پر پانی نہیں ڈالتے تھے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یہ ابتدائی دَور کی بات ہے جب مسجد میں دروازے نہ تھے۔ اور بعد میں مسجد کی تطہیر و تکریم کا حکم وارد ہوا اور مسجد میں دروازے لگائے گئے تاہم زمین پر اگر پیشاب گر جائے اور دھوپ سے وہ خشک ہو جائے تو زمین پاک ہو جاتی ہے اور ان کے نہ دھونے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ زمین کی پاکیزگی کے لیے دھونا ضروری نہیں ہے۔ زمین خشک ہونے سے بھی پاک ہو جاتی ہے اور یہی احناف کا مذہب ہے لیکن امام بخاری نے اس حدیث سے کیا ثابت کیا اور کون سا فقہی مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ یہ حافظ بدرالدین عینی سے سنیے فرماتے ہیں:

احتج به البخاري على طهارة بول الكلب.[2]	اس حدیث سے امام بخاری نے کتے کے پیشاب کی طہارت پر استدلال کیا ہے۔

اعتذار ہم نے اپنے اس مقالہ میں امام بخاری کی مسامحات پر جو بحث کی ہے اس سے ہرگز ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ امام بخاری کے مرتبہ اور مقام کو کم کیا جائے۔ بلکہ ہم ان لوگوں کو حقیقت کی طرف لانا چاہتے ہیں جو امام بخاری کو امام اعظم سے زیادہ گردانتے ہیں اور جو احادیث بخاری کو حرف آخر قرار دیتے ہیں۔

احادیث کے پرکھنے میں امام بخاری کا مقام سب سے اونچا ہے۔ چند مسامحات سے قطع نظر کوئی بشر اس سے خالی نہیں۔ امام بخاری کی فن حدیث میں انتہائی عظیم حیثیت ہے۔ انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث کہنا بجا ہے لیکن اس کے باوجود بشری تقاضہ سے ان سے بہرحال کچھ تسامح ہوئے ہیں جن کی آئمہ فن نے نشاندہی کی ہے۔ مجموعی طور پر صحیح

---

1. امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ — صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹
2. حافظ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ — عمدۃ القاری ج ۳ ص ۴۴

بخاری کو مدون کر کے امام بخاری نے اسلام کی ایک عظیم خدمت سرانجام دی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس کتاب کو بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی ہے اور امت کی عظیم اکثریت قرآن کریم کے بعد صحیح بخاری کو تواتر کے ساتھ بطور حجت مانتی چلی آرہی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے مصنف کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں احادیث بخاری کے انوار اور فیوض و برکات سے بہرہ مند فرمائے۔ (آمین)
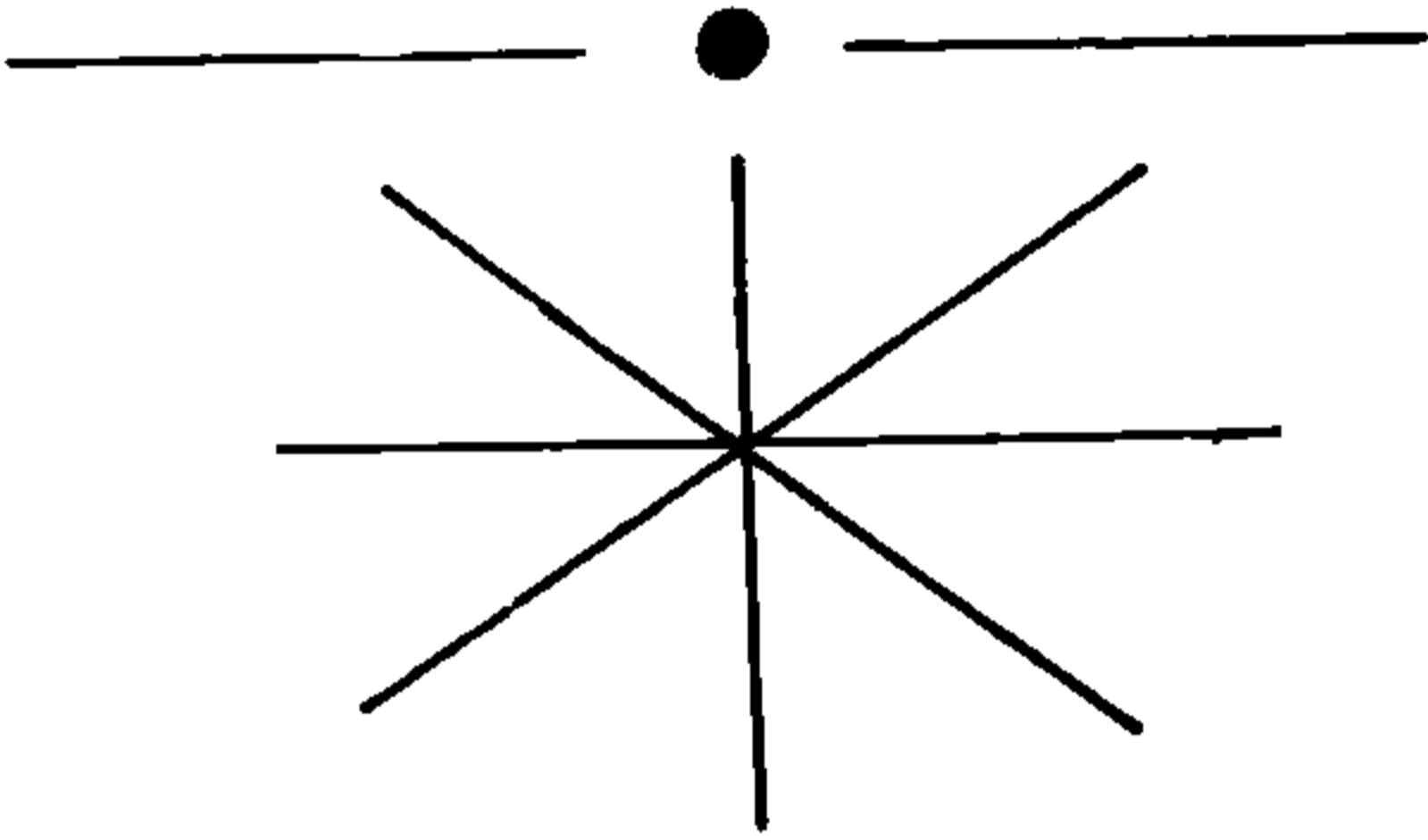
تیسری صدی کے جن محدثین اور علماء راسخین نے علم حدیث کی تنقیح اور توضیح کے لیے متعدد فنون ایجاد کیے اور اس علم کی توسیع اور اشاعت میں گراں قدر خدمات انجام دیں ان میں امام مسلم بن حجاج القشیری کا نام نمایاں طور پر سامنے آتا ہے۔

امام مسلم فن حدیث کے اکابر آئمہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ابوزرعہ رازی اور ابوحاتم رازی نے ان کی امامت حدیث پر شہادت دی۔ امام ترمذی اور ابوبکر خزیمہ جیسے مشاہیر نے ان سے روایت حدیث کو باعث شرف سمجھا اور ابوقریش نے کہا کہ دنیا میں صرف چار حفاظ ہیں اور امام مسلم ان میں سے ایک ہیں۔

ولادت اور سلسلہ نسب عساکر الملت والدین ابوالحسین امام مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد بن کرشاد القشیری خراسان کے ایک وسیع اور خوبصورت شہر نیشاپور میں بنو قشیر کے خاندان میں پیدا ہوئے۔ امام مسلم کی ولادت کے سال میں مؤرخین کا اختلاف ہے شاہ عبدالعزیز نے ان کا سال ولادت ۲۰۲ھ لکھا ہے امام ذہبی نے ۲۰۴ھ بیان کیا ہے اور ابن اثیر نے ۲۰۶ھ کو اختیار کیا ہے۔

تحصیل علم حدیث ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اٹھارہ سال کی عمر میں امام مسلم نے علم حدیث کی تعلیم شروع کی فن حدیث کو انہوں نے انتہائی لگن اور محنت سے حاصل کیا۔ اور بہت جلد نیشاپور کے عظیم محدثین میں ان کا شمار ہونے لگا۔

شخصیت امام مسلم سرخ و سفید رنگ بلند قامت اور وجیہ شخصیت کے مالک تھے۔ سر پر عمامہ باندھتے تھے اور شملہ کندھوں کے درمیان لٹکایا کرتے تھے انہوں نے علم کو ذریعہ معاش نہیں بنایا کپڑوں کی تجارت کر کے اپنی نجی ضروریات پوری کیا کرتے تھے[1] شاہ عبدالعزیز

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۲۷

لکھتے ہیں کہ امام مسلم کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ انہوں نے عمر بھر نہ کسی کی غیبت کی نہ کسی کو مارا اور نہ کسی کے ساتھ درشت کلامی کی۔

اساتذہ اور مشائخ

علم حدیث کی طلب میں امام مسلم نے متعدد شہروں کا سفر اختیار کیا۔ نیشاپور کے اساتذہ سے اکتساب فیض کے بعد وہ حجاز، شام، عراق اور مصر گئے اور ان گنت بار بغداد کا سفر کیا انہوں نے ان تمام شہروں کے مشاہیر اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور دیگر مؤرخین نے ان کے اساتذہ میں یحییٰ بن یحییٰ، محمد بن یحییٰ ذہلی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، عبداللہ بن مسلمہ القعنبی، احمد بن یونس یربوعی، اسماعیل بن ابی اویس، سعید بن منصور، عون بن سلام، داؤد بن عمرو الضبی، ہیثم بن خارجہ، شیبان ابن فروخ اور امام بخاری کا تذکرہ لکھا ہے۔[1]

تلامذہ

امام مسلم سے بے حساب لوگوں نے سماع حدیث کیا ہے ان سے روایت کرنے والے تمام حضرات کے اسماء کا شمار تو مشکل ہے چند اسماء یہ ہیں:۔ ابو الفضل احمد بن سلمہ، ابراہیم بن ابی طالب، ابو عمرو خفاف، حسین بن محمد قبانی، ابو عمرو مستملی، حافظ صالح بن محمد علی بن حسن، محمد بن عبدالوہاب، علی بن حسین بن جنید، ابن خزیمہ، ابن صاعد، سراج، محمد بن عبد بن حمید، ابو حامد ابن الشرقی، عبداللہ ابن الشرقی، علی بن اسماعیل الصفار، ابو محمد بن ابی حاتم رازی، ابراہیم بن محمد بن سفیان، محمد بن مخلد دوری، ابراہیم بن محمد بن حمزہ، ابو عوانہ اسفرائنی، محمد بن اسحاق فاکہی، ابو حامد اعمشی، ابو حامد بن حسنویہ اور امام ترمذی[2]

امام ترمذی نے اپنی جامع صحیح میں امام مسلم سے صرف ایک روایت ذکر کی ہے اور وہ یہ ہے۔ عن یحییٰ بن یحییٰ عن ابی معاویہ عن محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرہ، احصوا ہلال شعبان برمضان،

کلمات ستائش

امام مسلم کی عظمت اور ان کے کمالات کو ان کے اساتذہ اور معاصرین نے بے حد سراہا ہے۔ ابو عمرو مستملی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب اسحاق بن

---

[1] امام عبداللہ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۸۸

[2] شہاب الدین ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۲۷

منصور احادیث لکھوا رہے تھے اور امام مسلم ان احادیث میں سے انتخاب کر رہے تھے۔ اچانک اسحاق بن منصور نے نگاہ اوپر اٹھائی اور کہا ہم اس وقت تک کبھی خیر سے محروم نہیں ہوں گے جب تک ہمارے درمیان مسلم بن حجاج موجود ہیں۔ ان کے ایک اور استاذ محمد بن عبدالوہاب فراء نے کہا کہ مسلم علم کا خزانہ ہے اور میں نے ان میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں پایا۔ ابن اخرم نے کہا نیشاپور نے تین محدث پیدا کیے۔ محمد بن یحییٰ، ابراہیم بن ابی طالب اور مسلم۔ ابن عقدہ نے کہا امام مسلم بالمشافہ سماع کے بغیر روایت نہیں کرتے تھے۔ ابوبکر جارودی نے کہا کہ مسلم علم کے محافظ تھے۔ مسلم بن قاسم نے کہا کہ وہ جلیل القدر امام تھے۔ بندار نے کہا دنیا میں صرف چار حفاظ ہیں ابوزرعہ، محمد بن اسماعیل دارمی اور مسلم بن حجاج [1]

علمی شکوہ

امام مسلم فن حدیث میں عظیم صلاحیتوں کے مالک تھے۔ حدیث صحیح اور سقیم کی پہچان میں وہ اپنے زمانہ کے اکثر محدثین پر فوقیت رکھتے تھے حتیٰ کہ بعض امور میں ان کو امام بخاری پر بھی فضیلت حاصل تھی کیونکہ امام بخاری نے اہل شام کی اکثر روایات ان کی کتابوں سے بطریق مناولہ حاصل کی ہیں۔ خود ان کے مؤلفین سے سماع نہیں کیا۔ اس لیے ان کے راویوں میں امام بخاری سے بسا اوقات غلطی واقع ہو جاتی ہے کیونکہ ایک ہی راوی کا کبھی نام ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی کنیت، ایسی صورت میں بعض دفعہ امام بخاری ان کو دو راوی خیال کر لیتے ہیں اور امام مسلم نے براہ راست سماع کیا ہے اس لیے وہ اس قسم کا مغالطہ نہیں کھاتے۔[2]

امام بخاری سے تعلق خاطر

جس طرح امام بخاری ایمان کے مرکب ہونے کے مسئلہ میں متشدد تھے اور اس شخص سے روایت نہیں لیتے تھے جو بساطت ایمان کا قائل ہو، اسی طرح امام محمد بن یحییٰ ذہلی قدم قرآن کے مسئلہ میں متشدد تھے۔ اور اس شخص سے سخت بیزار تھے جو الفاظ قرآن کو مخلوق مانتا ہو۔ جب امام بخاری اور امام محمد بن یحییٰ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہوا تو ان میں اور امام بخاری میں سخت منافرت پیدا ہو گئی حتیٰ کہ ایک دن محمد بن یحییٰ ذہلی نے اپنی مجلس میں اعلان کر دیا کہ جو شخص الفاظ قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل ہو وہ ہماری مجلس سے

---

١ شہاب الدین ابن حجر العسقلانی المتوفی ٨٥٢ھ — تہذیب التہذیب ج ١٠ ص ١٢٨

٢ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ١٢٣٩ھ — بستان المحدثین ص ٢٨٠

چلاجائے یہ سن کر امام مسلم نے اپنا عمامہ سنبھالا اور امام ذہلی کی مجلس سے اٹھ کر چلے گئے اور امام ذہلی سے جس قدر انہوں نے احادیث ضبط کی تھیں وہ سب انہیں واپس بھجوادیں۔

امام محمد بن یحییٰ ذہلی اور امام محمد بن اسماعیل دونوں امام مسلم کے استاذ تھے۔ اس مناقشہ کے باعث امام مسلم نے اپنی صحیح میں دونوں میں سے کسی کی روایت کو بھی درج نہیں کیا۔

تصنیف امام مسلم کی عمر کا اکثر حصہ روایت حدیث کے حصول کے لیے مختلف شہروں میں سفر کرتے ہوئے گذرا ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ درس و تدریس میں بھی بجد مشغول رہے۔ اس کے باوجود ان سے مندرجہ ذیل تصانیف یادگار ہیں۔

(۱) الجامع الصحیح (۲) المسند الکبیر (۳) کتاب الاسماء والکنی (۴) کتاب الجامع علی الباب (۵) کتاب العلل (۶) کتاب الوحدان (۷) کتاب الافراد (۸) کتاب سوالات احمد بن حنبل (۹) کتاب حدیث عمرو بن شعیب (۱۰) کتاب الانتفاع باہب السباع (۱۱) کتاب مشائخ مالک (۱۲) کتاب مشائخ ثوری (۱۳) کتاب مشائخ شعبہ (۱۴) کتاب من لیس لہ الا راو واحد (۱۵) کتاب المخضرمین (۱۶) کتاب اولاد الصحابۃ (۱۷) کتاب اوہام المحدثین (۱۸) کتاب الطبقات (۱۹) کتاب افراد الشامیین (۲۰) مسند امام مالک (۲۱) مسند الصحابۃ؎

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ امام مسلم نے مسند الصحابۃ بڑی تفصیل سے لکھنی شروع کی تھی مگر وہ مکمل نہ ہو سکی اور امام مسلم وفات پا گئے اور اگر وہ اس کو پورا کر لیتے تو وہ ایک ضخیم تصنیف ہوتی۔

وصال امام مسلم کے وصال کا سبب بھی نہایت عجیب و غریب بیان کیا گیا ہے حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ایک دن مجلس مذاکرہ میں امام مسلم سے ایک حدیث کے بارے میں استفسار کیا گیا اس وقت آپ اس حدیث کے بارے میں کچھ نہ بتا سکے۔ گھر آ کر اپنی کتابوں میں اس حدیث کی تلاش شروع کر دی۔ قریب ہی کھجوروں کا ایک ٹوکرا بھی رکھا ہوا تھا امام مسلم حدیث کی تلاش کے دوران ایک ایک کھجور اٹھا کر کھاتے رہے۔ حدیث تلاش کرنے میں امام مسلم کے استغراق اور انہماک کا یہ عالم تھا کہ کھجوروں کی مقدار کی طرف آپ کی توجہ نہ ہو سکی اور حدیث ملنے تک کھجوروں کا سارا ٹوکرا خالی ہو گیا اور غیر ارادی طور پر کھجوروں کا زیادہ کھا لینا ہی ان کی موت کا سبب بن گیا اور اس طرح ۲۴ رجب ۲۶۱ھ اتوار کے دن شام کے وقت علم حدیث کا یہ درخشندہ آفتاب

؎ امام عبد اللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۹۰

غروب ہو گیا اور اگلے روز پیر کے دن خراسان کے اس عظیم محدث کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

حسن عاقبت

امام مسلم سادہ دل درویش تھے اور علم و عمل کی بہترین خوبیوں کے جامع تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی خدمات کا بہترین صلہ عطا فرمایا۔ ابو حاتم رازی بیان کرتے ہیں میں نے امام مسلم کو خواب میں دیکھا اور ان کا حال دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں کہا:
اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت کو میرے لیے مباح کر دیا ہے اور میں اس میں جہاں چاہتا ہوں رہتا ہوں[1]

---

[1] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۲۹ھ، بستان المحدثین ص ۲۰۱

صحیح مسلم

صحیح مسلم کتب صحاح ستہ میں دوسرے درجہ کی کتاب ہے۔ امام مسلم بن حجاج نے اس کی احادیث کو انتہائی محنت اور کاوش سے ترتیب دیا ہے۔ حسن ترتیب اور تدوین کی عمدگی کے لحاظ سے یہ صحیح بخاری پر بھی فوقیت رکھتی ہے اور زمانہ تصنیف سے لے کر آج تک اس کو قبولیت عامہ کا شرف حاصل رہا ہے۔

متقدمین میں سے بعض مغاربہ اور محققین نے صحیح مسلم کو بے حد پسند کیا ہے اور اس کو صحیح بخاری پر بھی ترجیح دی ہے چنانچہ ابو علی حاکم نیشاپوری اور حافظ ابوبکر اسماعیلی صاحب مدخل کا یہی قول ہے اور امام عبدالرحمٰن نسائی نے کہا کہ امام مسلم کی صحیح، امام بخاری کی صحیح سے عمدہ ہے[1]۔ اور مسلم بن قاسم قرطبی معاصر دار قطنی نے کہا کہ امام مسلم کی صحیح کی مثل کوئی شخص نہیں پیش کر سکتا۔ ابن حزم بھی صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دیتے تھے[2] اور خود امام مسلم نے اپنی کتاب کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر محدثین دو سو سال بھی احادیث لکھتے رہیں پھر بھی ان کا مدار اسی کتاب پر ہوگا[3]۔ اور اب تو دو سو برس چھوڑ کر گیارہ سو برس ہونے کو آئے لیکن اس مرد خدا کے قول کی صداقت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور شاہ عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ ابو علی زعفرانی کو کسی شخص نے وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا کہ تمہاری بخشش کس سبب سے ہوئی تو انہوں نے صحیح مسلم کے چند اجزاء کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ان اجزاء کے سبب اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا[4]۔ اس خواب سے معلوم ہوا کہ صحیح مسلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی شرف قبولیت حاصل کر چکی ہے۔

---

1. الشیخ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی المتوفی ۶۷۶ھ — مقدمہ شرح مسلم ص ۱۲
2. شہاب الدین ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ — ھدی الساری ج ۱ ص ۲۴
3. شیخ محی الدین ابوزکریا نووی — مقدمہ شرح مسلم ص ۱۳
4. شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۲۹ھ — بستان المحدثین ص ۲۸۱

سبب تالیف اور مدت

امام مسلم نے اپنی صحیح کی تالیف کا سبب خود بیان فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں کہ مجھ سے میرے بعض تلامذہ نے درخواست کی کہ میں احادیث صحیحہ کا ایک ایسا مجموعہ تیار کروں جس میں بلا تکرار احادیث کو جمع کیا جائے۔ چنانچہ ان کی درخواست پر میں نے اپنی صحیح کی تالیف کی۔ امام مسلم نے تین لاکھ احادیث میں سے اپنی جامع صحیح کا انتخاب فرمایا اور جن مشائخ کی احادیث کو انہوں نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے ان سب سے انہوں نے بالمشافہ اور براہ راست سماع کیا ہے اور اس تصنیف میں انہوں نے صرف اپنی ذاتی تحقیق پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ مزید احتیاط کے پیشِ نظر اس مجموعہ میں صرف ان احادیث کو لائے ہیں جن کی صحت پر اس وقت کے اکابرین کا اتفاق تھا اور پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ تحقیق مزید کے لیے کتاب کی تکمیل کے بعد اسے حافظ عصر ابو زرعہ کی خدمت میں پیش کیا جو اس زمانہ میں علل حدیث اور جرح و تعدیل کے فن میں امام گردانے جاتے تھے اور جس روایت کے بارے میں انہوں نے کسی علت کی نشاندہی کی۔ امام مسلم نے اس کو کتاب سے خارج کر دیا اس طرح پندرہ سال کی لگاتار جدوجہد اور شدید مشقت کے بعد صحیح مسلم کی صورت میں یہ مجموعہ احادیث تیار ہو گیا [1]

تسمیہ

حاجی خلیفہ اور دیگر مؤرخین نے صحیح مسلم کا نام الجامع الصحیح بیان کیا ہے مگر اس نام پر بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ جامع حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں تفسیر بھی ہو اور صحیح مسلم میں تفسیر سے متعلق احادیث بہت کم ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جامع کے تحقق کے لیے کتاب میں نفس تفسیر کا لانا شرط ہے قلت یا کثرت ملحوظ نہیں ہے چنانچہ متقدمین میں سے سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ کی جو تصانیف جامع کے نام سے مشہور ہیں ان میں بھی تفسیر بہت کم ہے۔

صحیح مسلم میں تفسیر نسبتاً کم لانے کا سبب یہ ہے کہ تفسیر سے متعلق اکثر روایات امام مسلم کتاب کے شروع میں لے آئے ہیں اور چونکہ اس کتاب میں انہوں نے حتی الامکان تکرار سے گریز کیا ہے اس لیے کتاب التفسیر میں ان روایات کو دوبارہ نہیں لائے۔

اسلوب امام مسلم نے اپنی صحیح کی تالیف اور ترتیب میں انتہائی حزم و احتیاط اور کمال

[1] حافظ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۹۰

ورع اور تقویٰ سے کام لیا ہے۔ امام ابن شہاب زہری، امام مالک اور امام بخاری حدثنا اور اخبرنا کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ابن جریج، اوزاعی، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن یحییٰ، عبداللہ بن مبارک اور دیگر تمام محدثین حدثنا اور اخبرنا میں فرق کرتے ہیں۔ حدثنا کا استعمال اس وقت کرتے ہیں جب استاذ حدیث کی قرأت کرے اور شاگرد سن رہے ہوں اور اخبرنا کا استعمال اس وقت کرتے ہیں جب شاگرد پڑھے اور استاذ سن رہا ہو۔ چونکہ اکثر محدثین اخبرنا اور حدثنا میں ایک کا استعمال دوسرے کی جگہ جائز نہیں رکھتے اس لیے احتیاط کے پیشِ نظر امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے اور حدثنا اور اخبرنا کے فرق کو قائم رکھا ہے۔

امام مسلم نے سندِ حدیث میں راویوں کے اسماء کے ضبط کا بھی بڑا خیال رکھا ہے جس راوی کا اصل سند میں صرف نام ذکر کیا گیا ہو اور نسب کا ذکر نہ ہو جس کے سبب ابہام پیدا ہو تو وہ اس کی وضاحت کرتے ہیں مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ استاذ کے بیان کیے ہوئے الفاظ میں خلل نہ آئے۔ مثلاً انہوں نے ایک سند ذکر کی۔ حدثنا سلیمان یعنی ابن بلال عن یحییٰ وھو ابن سعید اس مقام پر استاذ نے سلیمان بن بلال کا نام صرف سلیمان اور یحییٰ بن سعید کا نام صرف یحییٰ ذکر کیا تھا اور ان کے نسب کو ظاہر نہیں کیا تھا امام مسلم چاہتے تو اس کو سلیمان بن بلال اور یحییٰ بن سعید کے نام سے ذکر کر سکتے تھے لیکن اس صورت میں یہ وہم ہوتا کہ شاید استاذ نے اپنی سند میں ان کا اسی طرح ذکر کیا ہے اس لیے احتیاطاً امام مسلم نے ایک کے نام کے ساتھ یعنی ابن بلال اور دوسرے نام کے ساتھ وھو ابن سعید لکھا۔

اسی طرح راوی کے اسم، صفت، کنیت یا نسب میں اختلاف ہو تو امام مسلم اس کا بھی بیان کر دیتے ہیں۔ نیز جس اسناد میں کوئی علت خفیہ ہو اس کو بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔ سند میں اگر اتصال یا ارسال اور متن میں زیادتی یا کمی کا اختلاف ہو تو اس کو بھی واضح کر دیتے ہیں الفاظ حدیث کے اختلاف کو واللفظ لفلان کے ساتھ اسی جگہ بیان کر دیتے ہیں۔ صحیح مسلم ان خوبیوں میں منفرد ہے امام بخاری کی صحیح میں یہ خوبیاں نہیں ہیں۔

ایک متن حدیث جب اسانید متعددہ سے مروی ہو تو امام مسلم ان تمام اسانید کو ان کی احادیث کے ساتھ ایک جگہ ذکر کر دیتے ہیں وہ نہ ان احادیث کو متعدد ابواب میں متفرق کرتے ہیں نہ ایک حدیث کی مختلف ابواب میں تقطیع کرتے ہیں۔ حدیث کو اس کے اصل الفاظ کے ساتھ وارد کرتے ہیں نہ روایت

بالمعنی کرتے ہیں اور نہ حدیث کا اختصار کرتے ہیں۔ نیز باب کے تحت صرف احادیث لاتے ہیں۔ آثار صحابہ اور اقوال تابعین کے ساتھ احادیث کو مختلط نہیں کرتے۔

اگر ایک سند کے ساتھ متعدد احادیث مروی ہوں تو اس بات میں محدثین کا اختلاف ہے کہ ایک سند کے ساتھ ہی تمام روایات کو ذکر کر دیا جائے یا ہر حدیث کے ساتھ اسناد کا اعادہ کیا جائے۔ استاذ ابو اسحاق اسفرائنی ایک اسناد کے ساتھ اس کی تمام روایات کے ذکر کو جائز نہیں رکھتے اور ہر حدیث کے ساتھ اسناد کا اعادہ ضروری قرار دیتے تھے اس کے برعکس دوسرے محدثین ان تمام احادیث کے بیان کے لیے سند کا ایک بار ذکر ہی کافی سمجھتے ہیں چنانچہ ایک سند کے ساتھ دو حدیثیں مروی ہوں تو امام بخاری صرف ایک بار سند کا ذکر کرتے ہیں اور اس اختلاف کی رعایت نہیں کرتے۔ امام بخاری فرماتے ہیں:۔ حدثنا ابو الیمان قال انا شعیب قال انا ابو الزناد انا عبد الرحمن بن ھرمز الاعرج حدثہ انہ سمع ابا ھریرۃ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول نحن الاخرون السابقون وباسنادہ قال لا یبولن احدکم فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم یغتسل فیہ[1]

اس کے برخلاف امام مسلم نے انتہائی محتاط روش اختیار کی ہے وہ اس اختلاف کی رعایت کرتے ہوئے ہر حدیث کے ذکر کے ساتھ اسناد کا بھی اعادہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً کتاب الطہارۃ میں ایک جگہ ذکر کرتے ہیں:۔ حدثنا محمد بن رافع قال انا عبد الرزاق بن ھمام قال نا معمر بن راشد عن ھمام بن منبہ اخی وھب بن منبہ قال ھذا ما حدثنا بہ ابو ھریرۃ عن محمد رسول اللہ فذکر احادیث منہا وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقبل صلوٰۃ احدکم اذا احدث حتی یتوضأ[2] اور دوسری بار جب حدیث لائے تو پھر ذکر کرتے ہیں۔ حدثنا محمد بن رافع قال نا عبد الرزاق بن ھمام قال نا معمر عن ھمام منبہ قال ھذا حدثنا بہ ابو ھریرہ عن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر احادیث منہا وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا توضأ احدکم فلیستنشق بمنخریہ من الماء[3]

---

[1] امام محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ — الجامع الصحیح ج ۱ ص ۳۰

[2] امام مسلم بن حجاج متوفی ۲۶۱ھ — الجامع الصحیح ج ۱ ص ۱۱۹

[3] ایضاً " " " " — ص ۱۲۲

امام مسلم نے اپنی صحیح میں احادیث کو ترتیب وار ابواب کے لحاظ سے وارد کیا ہے لیکن تراجم اور عنوانات مقرر نہیں کیے امام نووی فرماتے ہیں اس کا سبب یا تو اختصار تھا یا کوئی اور امر جس کو امام مسلم ہی بہتر طور پر جانتے تھے۔ بہر حال بعد کے لوگوں نے ان ابواب کے تراجم مقرر کر دیئے ہیں جن کو صحیح مسلم کے حواشی میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ ان تراجم میں بعض بہت عمدہ ہیں اور بعض میں رکاکت اور تقصیر ہے۔

شرائط امام مسلم نے اپنی جامع صحیح میں احادیث وارد کرنے کی یہ شرط مقرر کی ہے کہ حدیث کو نقل کرنے والے تمام راوی مسلم، عادل، ثقہ، متصل غیر شاذ اور غیر معلل ہوں۔ ثقہ کا معیار امام مسلم کے نزدیک یہ ہے کہ وہ راوی طبقہ اولیٰ اور ثانیہ سے ہوں یعنی کامل الضبط والاتقان اور کثیر الملازمۃ مع الشیخ ہوں یہ طبقہ اولیٰ ہے یا کامل الضبط اور قلیل الملازمۃ ہوں یہ طبقہ ثانیہ ہے رہا طبقہ ثالثہ یعنی ناقص الضبط اور کثیر الملازمۃ تو ان کی روایات سے امام مسلم انتخاب کرتے ہیں اور استیعاب فقط پہلے دو طبقوں سے کرتے ہیں اور اتصال کا معیار ان کے نزدیک یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ کے درمیان معاصرت کا ثبوت ہو[۱]

امام مسلم نے رواۃ حدیث کے تین طبقات مقرر کیے ہیں اول وہ جو ضبط اور اتقان میں اعلےٰ درجہ پر ہیں، ثانی متوسطین اور ثالث متروکین جو متہم بالکذب ہوں اور امام مسلم نے اس کتاب میں حدیث لانے کی شرط یہ مقرر کی ہے کہ وہ راوی پہلے دو طبقوں میں سے ہوں اور ان دونوں میں پہلے طبقہ کی روایات مقدم ہوں گی اور تیسرے طبقہ کے بارے میں انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ وہ اس طبقہ کی احادیث کی تخریج نہیں کریں گے[۲] اس کے باوجود صحیح مسلم میں تیسرے طبقہ کی روایات بھی موجود ہیں اس کی توجیہ میں یہ کہا گیا ہے کہ امام مسلم نے اس طبقہ کی روایات اصالۃً وارد نہیں کیں بلکہ ان کو بالتبع تائید کے مرتبہ میں لائے ہیں یا اس طبقہ کی روایات کو اس وقت لائے ہیں جب وہ کسی زائد خوبی مثلاً علو اسناد پر مشتمل تھیں۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس ضعف کی وجہ سے ان راویوں کو طبقہ ثالثہ میں شمار کیا گیا ہے۔ ان میں ضعف مثلاً نسیان یا اختلال وغیرہ صحیح مسلم میں ان کی احادیث کے اندراج کے بعد لاحق ہوا ہے۔

---

[۱] طاہر بن صالح الجزائری الدمشقی — توجیہ النظر ص ۸۶

[۲] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ — مقدمہ صحیح مسلم ص ۳ تا ۵

امام مسلم نے اپنی صحیح میں احادیث وارد کرنے کے لیے ایک شرط یہ بھی عائد کی ہے کہ اس حدیث کی صحت پر اجماع ہو چکا ہو کیونکہ جب ان سے حدیث ابو ھریرہ فاذا قراء فانصتوا کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آپ نے اس کو اپنی صحیح میں درج کیوں نہیں کیا تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے ہر اس حدیث کو کتاب میں درج نہیں کیا جو صرف میرے نزدیک صحیح تھی بلکہ اس حدیث کو درج کیا ہے جس کی صحت پر اتفاق ہو چکا ہو[1]

امام مسلم کی اس شرط پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ صحیح مسلم میں بہت سی ایسی احادیث ہیں جن کی صحت پر سب کا اتفاق نہیں ہے امام نووی نے شرح مسلم میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جن احادیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں درج کیا ہے ان کے خیال میں ان کی صحت پر سب کا اتفاق ہو چکا تھا خواہ فی الواقع ایسا نہ ہوا ہو۔ اور حافظ ابن صلاح نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ جو احادیث مجمع علیہ نہیں ہیں ممکن ہے ان کو وارد کرتے وقت امام مسلم کو یہ شرط یاد نہ رہی ہو اور علامہ سیوطی نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ اس اجماع سے اجماع اضافی مراد ہے یعنی امام احمد بن حنبل، یحیٰی بن معین، عثمان بن ابی شیبہ اور سعید بن منصور کا اجماع۔ اور امام مسلم کی لائی ہوئی احادیث اس قسم کے اجماع سے بہر حال خالی نہیں ہیں۔

امام بخاری اور علی بن مدینی اتصال کے لیے صرف راوی اور مروی عنہ کی معاصرت کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان میں باہم ملاقات کی بھی شرط لگاتے تھے اس لیے امام مسلم نے مقدمہ صحیح میں ان لوگوں پر انتہائی شدید اور تند و تیز رد کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"ہمارے زمانے کے بعض ان لوگوں نے جو بزعم خویش محدث ہیں اسانید کی صحت اور سقم کے بارے میں ایک ایسی بات کی ہے کہ اگر ہم اس سے درگذر لیتے تو یہی مناسب ہوتا کیونکہ قول باطل سے اعراض میں ہی مصلحت ہے لیکن اس خیال سے کہ کہیں ناواقف لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ان اقوال ساقطہ اور شرائط محدثہ کو حق خیال نہ کریں اور قول صحیح کو خطا پر نہ محمول کرنے لگیں۔ ہم نے مناسب سمجھا کہ ہم اس قول کے فساد اور بطلان کو واضح کر دیں۔"

---

[1] امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱　　　صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۴

چنانچہ ان بزعم خویش محدثین نے بیان کیا ہے کہ ہر وہ حدیث حجت نہیں ہوتی جس میں فلاں عن فلاں ہو اور راوی اور مروی عنہ کے درمیان ملاقات ثابت نہ ہو اگرچہ ان کے درمیان معاصرت ہو لیکن ان کا یہ قول سراسر من گھڑت اور خود ساختہ ہے اہل علم میں سے کسی نے اس سے پہلے نہ یہ قول کیا اور نہ اس کی موافقت کی اور جس چیز پر اب تک اگلے اور پچھلے تمام لوگوں کا اتفاق رہا ہے وہ صرف یہی ہے کہ جب ایک ثقہ راوی اپنے معاصر ثقہ سے روایت کرے تو وہ ذریعہ مقبول ہوتی ہے اب ہم اس شرط کے گھڑنے والوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا علماء سلف میں سے کسی نے اس شرط کا قول کیا ہے اور جب وہ اس شرط کی تائید میں کوئی قول پیش نہیں کر سکتا تو پھر اس نے کس برتے پر یہ شرط عائد کی ہے اگر وہ یہ کہے کہ جب راوی اور مروی عنہ میں ملاقات کا ثبوت نہ ہوگا تو وہ حدیث مرسل ہوگی اور ارسال صحت کے منافی ہے تو میں یہ کہوں گا کہ جب ہم عن ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ روایت کرتے ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ ہشام نے عروہ سے اور عروہ نے حضرت عائشہ سے سماع کیا ہے پھر بھی تو یہ احتمال ہے کہ جس حدیث کو عروہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں وہ انہوں نے بلا واسطہ حضرت عائشہ سے نہ سنی ہو اور درمیان کے واسطہ کو چھوڑ دیا ہے اب جبکہ یقینی سماع کی صورت میں بھی ارسال کا احتمال موجود ہے اور تم صرف ایک بار ملاقات کی صورت میں صرف امکان سماع پر اتصال کا مدار رکھتے ہو تو معلوم ہوا کہ اتصال کی علت امکان سماع ہے۔ اور وہ معاصرت میں بھی حاصل ہے تو پھر ثبوت معاصرت سے اتصال کیونکر ثابت نہیں ہوگا اور اگر امکان سماع یہاں معتبر نہیں ہے تو وہاں بھی نہ ہونا چاہیئے[1] (امام مسلم کی اس دلیل کا جواب شرائط بخاری میں گزر چکا ہے)

تعلیقات امام بخاری کی طرح امام مسلم نے اپنی صحیح میں تعلیقات کی کثرت نہیں کی حافظ ابن صلاح نے صحیح مسلم کے صرف چودہ مقامات گنوائے ہیں جہاں امام مسلم نے سند معلق کے ساتھ احادیث وارد کی ہیں تفصیل یہ ہے (۱) حدیث ابی جہم باب تیمم (۲) حدیث ابی العلاء باب الصلوٰۃ النبی (۳) حدیث یحییٰ بن حسان باب سکوت بین التکبیر والقرأۃ (۴) حدیث عائشہ کتاب الجنائز (۵) حدیث عائشہ باب الجوائح (۶) حدیث جعفر بن ربیعہ باب الجوائح (۷) حدیث کعب بن مالک فی تعاضی ابن حدرد (۸) حدیث عمر باب احتکار الطعام (۹) حدیث ابی اسامہ باب فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

[1] امام مسلم بن الحجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ　　مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱

(۱۰) حدیث ابن عمر آخر باب الفضائل (۱۱) حدیث ابی سعید خدری آخر کتاب القدر (۱۲) حدیث براء بن عازب فی الصلوٰۃ الوسطیٰ (۱۳) حدیث ابو ہریرہ باب الرجم (۱۴) حدیث عوف بن مالک کتاب الامارۃ۔

حافظ ابن صلاح لکھتے ہیں کہ یہ چودہ احادیث اگرچہ سند منقطع سے وارد ہیں لیکن یہ احادیث دوسرے طرق سے جہات صحیحہ سے سند موصول کے ساتھ بھی مروی ہیں اس لیے یہ روایات بھی حکماً صحیح ہی ہیں [۱]

عدد مرویات صحیح مسلم کی کل احادیث کی تعداد میں بھی اختلاف ہے ابوالفضل احمد بن سلمہ نے بیان کیا ہے کہ صحیح مسلم کی کل احادیث بارہ ہزار ہیں اور ابوحفص نے بیان کیا ہے کہ آٹھ ہزار ہیں الجزائری نے اسی کی توثیق کی ہے اور حذف مکررات کے بعد صحیح مسلم میں بالاتفاق چار ہزار احادیث ہیں [۲]

حافظ ابن صلاح لکھتے ہیں کہ حافظ ابو قریش بیان کرتے ہیں کہ ہم شیخ ابو زرعہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ امام مسلم آئے اور سلام کرکے مجلس میں بیٹھ گئے۔ پھر اپنی صحیح کو پیش کرکے کہا یہ چار ہزار احادیث صحیحہ کا مجموعہ ہے شیخ ابو زرعہ نے سن کر کہا باقی احادیث کس کے لیے چھوڑ دیں۔ حافظ ابن صلاح لکھتے ہیں کہ چار ہزار احادیث سے امام مسلم کی مراد وہ احادیث تھیں جو غیر مکرر ہیں۔

مستخرجات اصطلاح حدیث میں مستخرج حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کسی کتاب کی احادیث کو دیگر اسانید کے ساتھ کو اس کے مصنف کی شرائط پر جمع کیا جائے صحیح مسلم کی احادیث کی تخریج میں بہت سی کتب تصنیف کی گئی ہیں چند از اں یہ ہیں :-

(۱) **المسند الصحیح علی مسلم** یہ حافظ ابوبکر محمد بن محمد النیشاپوری الاسفرائنی المتوفی ۲۸۶ھ کی تصنیف ہے۔ حافظ اسفرائنی اکثر شیوخ میں امام مسلم کے شریک ہیں۔

(۲) **التخریج علی صحیح مسلم** یہ ابو جعفر احمد بن حمدان علی النیشاپوری المتوفی ۳۱۱ھ کی تالیف ہے۔

(۳) **مختصر المسند الصحیح علی مسلم** :- یہ حافظ ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق

---

[۱] شیخ محی الدین یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ مقدمہ شرح مسلم ج ۱ ص ۱۴

[۲] شیخ طاہر بن صلاح الجزائری توجیہ النظر ص ۹۳

الاسفرائنی المتوفی ۳۱۶ھ کی تصنیف ہے انہوں نے یونس بن عبدالاعلیٰ اور دوسرے شیوخ مسلم سے روایت کی ہے۔

(۴) **التخریج علی مسلم**:- یہ ابونصر محمد بن محمد الطوسی الشافعی المتوفی ۳۴۴ھ کی تالیف ہے۔

(۵) **التخریج علی مسلم**:- یہ ابوحامد احمد بن محمد الشاذکی الشافعی الہروی المتوفی ۳۵۵ھ کی تالیف ہے۔

(۶) **المسند الصحیح علی مسلم**:- یہ ابوبکر محمد بن عبداللہ الجوزقی النیشاپوری المتوفی ۳۸۸ھ کی تالیف ہے۔

(۷) **المسند المستخرج علی مسلم**:- یہ حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ کی تالیف ہے۔

(۸) **المخرج علی صحیح مسلم**:- یہ ابوالولید حسان بن محمد العترشی المتوفی ۳۴۹ھ کی تصنیف ہے[1]

شروحات صحیح مسلم | صحیح مسلم پر متعدد حواشی لکھے گئے اور بہت سی شروحات تصنیف کی گئی ہیں اور تقریباً ہر زمانہ میں علماء راسخین اور جلیل القدر محدثین صحیح مسلم کی احادیث کے اسرار و رموز اور حقائق و دقائق بیان کرتے رہے ہیں۔ سطور ذیل میں چند شروح کے اسماء ذکر کیے جاتے ہیں۔

(۱) **المفہم فی شرح غریب مسلم**:- یہ امام عبدالغافر بن اسماعیل الفارسی المتوفی ۵۲۹ھ کی تالیف ہے۔

(۲) **شرح مسلم**:- یہ امام ابوالقاسم اسماعیل بن محمد اصفہانی المتوفی ۵۳۵ھ کی تالیف ہے۔

(۳) **المعلم بفوائد کتاب مسلم**:- یہ ابوعبداللہ محمد بن علی المازری المتوفی ۵۳۶ھ کی تالیف ہے۔

(۴) **الاکمال فی شرح مسلم**:- یہ قاضی عیاض بن موسیٰ المالکی المتوفی ۵۴۴ھ کی تالیف ہے۔

(۵) **شرح مسلم**:- یہ علاؤالدین عبدالرحمٰن بن عبدالعلی المصری المتوفی ۶۲۲ھ کی تصنیف ہے۔

---

[1] ان تمام تصانیف کا ذکر حاجی خلیفہ المتوفی ۱۰۶۷ھ نے کشف الظنون ج ص ۵۵۶ تا ۵۵۷ میں کیا ہے

(۶) **المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم**:۔ یہ شرح ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ کی تالیف ہے اس شرح میں الفاظ غریبہ کے معانی، اعاریب اور احادیث سے مسائل مستنبط اور نکات کو بیان کیا گیا ہے۔

(۷) **المنہاج فی شرح مسلم بن الحجاج**:۔ یہ شرح حافظ ابو ذکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی المتوفی ۶۷۶ھ کی تالیف ہے۔ امام نووی نے فرمایا کہ اگر مجھے لوگوں کی پست ہمتی اور قلت رغبت کا خیال نہ ہوتا تو میں سو جلدوں میں اس کی شرح کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس شرح کو بے حد مقبولیت عطا فرمائی عام طور پر برصغیر کے علماء کے پاس یہی شرح ہے جسے صحیح مسلم کے ساتھ چھاپ دیا گیا ہے۔ حافظ شمس الدین القونوی المتوفی ۷۸۸ھ نے اس شرح کا اختصار بھی کیا ہے۔

(۸) **شرح مسلم**:۔ یہ شرح ابو الفرج عیسیٰ بن مسعود الزواوی المتوفی ۷۴۴ھ کی تالیف ہے۔ پانچ جلدوں پر مشتمل یہ ایک ضخیم شرح ہے۔

(۹) **شرح زوائد مسلم علی البخاری**:۔ یہ شرح سراج الدین عمر بن علی المتوفی ۸۰۴ھ کی تالیف ہے چار جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۱۰) **اکمال اکمال المعلم**:۔ یہ شرح امام عبد اللہ محمد بن خلیفہ المالکی المتوفی ۸۲۷ھ کی تالیف ہے چار جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم شرح ہے۔

(۱۱) **شرح مسلم**:۔ یہ شرح شیخ تقی الدین ابو بکر بن محمد الدمشقی المتوفی ۸۲۹ھ کی تالیف ہے۔

(۱۲) **الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج**:۔ یہ حافظ جلال الدین عبد الرحمان بن ابی بکر السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی تالیف ہے۔

(۱۳) **شرح مسلم**:۔ یہ شرح قاضی زین الدین زکریا بن محمد الانصاری المتوفی ۹۲۶ھ کی تالیف ہے۔

(۱۴) **منہاج الابتہاج بشرح مسلم بن الحجاج**:۔ یہ شرح شیخ شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ کی تالیف ہے آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے یہ تقریباً نصف کتاب کی شرح ہے۔

(۱۵) **شرح مسلم**:۔ یہ شرح ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ کی تالیف ہے چار ضخیم جلدوں

پر مشتمل ہے۔[1]

مختصرات صحیح مسلم اور ان کی شروح

صحیح مسلم کا خلاصہ کر کے مختصرات کی بھی تالیف کی گئی ہے اور بعض لوگوں نے ان کی شروح بھی لکھی ہیں۔

(۱) **مختصر صحیح مسلم**:۔ یہ شرح ابوالفضل محمد بن عبداللہ المرسی المتوفی ۶۵۵ھ کی تالیف ہے۔

(۲) **مختصر صحیح مسلم**:۔ حافظ ذکی الدین عبدالعظیم المتوفی ۶۵۶ھ کی تالیف ہے۔

(۱) **شرح مختصر صحیح مسلم**:۔ یہ عثمان بن عبدالملک الکردی المصری المتوفی ۷۳۰ھ کی تالیف ہے۔

(۲) **شرح مختصر صحیح مسلم**:۔ یہ محمد بن احمد الاسنوی المتوفی ۷۶۳ھ کی تالیف ہے۔

شروح، مختصرات اور مستخرجات کے علاوہ مسلم کے اسماء رجال پر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں ابوبکر احمد بن علی الاصفہانی المتوفی ۲۷۹ھ کی تالیف بہت مشہور ہے۔[2]

---

[1] ان تمام شروح کی تفصیل حاجی المتوفی ۱۰۶۷ھ نے کشف الظنون ج ۱ ص ۵۵۷ تا ۵۵۸ سے لی گئی ہے۔
[2] ایضاً " " " " " " "

امام ترمذی

امام ابو عیسیٰ ترمذی عابد و زاہد بے مثال حافظہ کے مالک اور یگانہ روزگار محدث تھے ادریسی نے کہا ابو عیسیٰ ترمذی ان آئمہ میں سے ہیں جن کی علم حدیث میں پیروی کی جاتی ہے۔ انہوں نے جامع تواریخ اور علل کی تصنیف کی وہ ایک ثقہ عالم تھے اور ایسا حافظہ رکھتے تھے کہ لوگ حفظ میں ان کی مثال دیا کرتے تھے[1] امام ترمذی بے حد عبادت گذار اور پُرسوز دل کے مالک تھے۔ یوسف بن احمد بغدادی بیان کرتے ہیں کہ کثرت گریہ و زاری کے سبب وہ اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔

امام ترمذی امام بخاری کے شاگرد تھے۔ نصر بن محمد خود امام ترمذی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن امام بخاری نے ان سے کہا کہ تم نے مجھ سے اس قدر استفادہ نہیں کیا جتنا استفادہ میں نے تم سے کیا ہے اور عمران بن علان نے کہا کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری نے فوت ہونے کے بعد اہل خراسان کے لیے علم و عمل میں امام ترمذی جیسا کوئی شخص نہیں چھوڑا[2]

ولادت اور سلسلہ نسب امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن الضحاک ابن السکن سلمی ترمذی ۲۰۹ھ بلخ کے شہر ترمذ میں پیدا ہوئے جو دریائے جیحون کے قریب واقع ہے۔

کنیت ابو عیسیٰ امام ترمذی کا نام محمد اور کنیت ابو عیسیٰ ہے جامع ترمذی میں انہوں نے اپنے نام کی بجائے کنیت کو اختیار کیا ہے اور جہاں اپنا ذکر کرتے ہیں قال ابو عیسیٰ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اس جگہ یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ امام ابن ابی شیبہ نے پوری سند کے ساتھ اپنی مصنف میں روایت کیا ہے کہ ایک شخص کی کنیت ابو عیسیٰ تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

1. شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸۸
2. ایضاً " " " " " " ص ۳۸۹

نے یہ سن کر فرمایا عیسیٰ کا کوئی باپ نہیں تھا۔ اس روایت کے سبب بعض علماء نے ابوعیسیٰ کنیت رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنیت ابوعیسیٰ سے نہ منع فرمایا ہے نہ اس کو ناپسند کیا ہے بلکہ صرف ایک امر واقعی کا بیان فرمایا ہے کہ واقعہ میں حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ نہیں تھا۔ ثانیاً یہ کہ حضور کا یہ فرمان مزاح کے قبیل سے تھا جیسا کہ ایک شخص نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کے لیے اونٹ مانگا تو آپ نے فرمایا میں تمہیں اونٹ کے بچے پر سوار کروں گا وہ کہنے لگا حضور اونٹ کا بچہ تو مجھے گرا دے گا آپ نے فرمایا ہر اونٹ کسی نہ کسی اونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے۔

کنیت ابوعیسیٰ کے سلسلہ میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی کنیت بھی ابوعیسیٰ تھی جب حضرت عمر کو اس کنیت کا علم ہوا تو انہوں نے اس کنیت کو ناپسند فرمایا حضرت مغیرہ بن شعبہ نے بتلایا کہ ان کی کنیت حضور نے رکھی تھی تو حضرت عمر نے اس کو حضور کی خصوصیت قرار دیا اور اس کنیت سے بدستور منع کرتے رہے لیکن اس استدلال میں بھی کچھ جان نہیں ہے کیونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی یہ کنیت خود حضور نے رکھی تھی اور حضرت عمر کا اس کو حضور کی خصوصیت قرار دینا اس وقت معتبر ہوتا جب حضور نے اس کنیت سے منع فرمایا ہوتا۔ نیز یہاں اب کا لفظ ابوت کے معنی میں ہے ہی نہیں بلکہ اشتغال اور لزوم کے معنی میں ہے جیسے ابوتراب، ابوہریرہ اور ابوبکر وغیرہ کنیتوں میں ، بھی یہی معنی ہے۔

امام ترمذی کے ہم نام

امام ترمذی کے ایک ہم نام حکیم ترمذی ہیں اور بسا اوقات بعض ناواقف لوگ حکیم ترمذی کی روایات کو امام ترمذی کی روایات خیال کر لیتے ہیں حالانکہ حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اکثر ضعیف اور غیر معتبر روایات جمع کر دی ہیں اور امام ترمذی کی جامع صحیح میں اکثر صحیح اور معتبر روایات ہیں۔

تحقیق یہ ہے کہ ترمذی نام کے تین مشاہیر اعلام گزرے ہیں۔

(١) امام ابوعیسیٰ الترمذی صاحب الجامع الصحیح المتوفی ٢٧٩ھ

(٢) ابوالحسن احمد بن الحسن بن جنید الترمذی المتوفی ٢٤٥ھ یہ ترمذی کبیر کے نام سے مشہور تھے اور امام بخاری اور امام ترمذی کے[١] استاذ تھے۔

---

[١] امام عبداللہ شمس الدین الذہبی متوفی ٧٤٨ھ تذکرۃ الحفاظ ج ٢ ص ٥٢٦

(۲) ابو عبداللہ محمد بن علی بن الحسن الحکیم الترمذی المتوفی ۲۵۵ھ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ نبوت پر ولایت کی فضیلت کے قائل تھے۔ اس عقیدہ کے سبب ان کو ترمذ سے نکال دیا گیا پھر یہ بلخ چلے گئے جہاں ان کو ان کے ہمنوا مل گئے۔ ان کی کتاب نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول بہت مشہور رہے جس میں ۱۰۸ احادیث ذکر کی گئی ہیں حافظ سیوطی نے ان پر زیادتی بھی کی ہے[۲]

اساتذہ امام ترمذی نے حصول علم کی خاطر خراسان، عراق اور حجاز کے متعدد شہروں کا سفر کیا۔ اور اپنے وقت کے بہترین افاضل، علوم حدیث کے ماہرین اور جید اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ان کے اساتذہ میں سے چند حضرات کے اسماء یہ ہیں قتیبہ بن سعید، ابو مصعب، ابراہیم بن عبداللہ ہروی، اسماعیل بن موسیٰ اسدی، سوید بن نصر، علی بن حجر، محمد بن عبدالملک بن ابی شوارب، عبداللہ بن معاویہ، محمد بن اسماعیل البخاری، مسلم بن الحجاج القشیری۔ اور امام ابو داؤد[۳]

تلامذہ امام ترمذی کے تلامذہ کی بھی ایک طویل فہرست ہے۔ اور بے شمار لوگوں نے ان سے احادیث کا سماع کیا ہے حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان میں سے بعض حضرات کا ذکر کیا ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے: ابو حامد احمد بن عبداللہ بن داؤد مروزی، ہیثم بن کلیب شاشی، محمد بن محبوب ابو العباس محبوبی مروزی، احمد بن یوسف نسفی، ابو الحارث اسد بن حمدویہ، داؤد بن نصر بن سہیل بزدوی، عبد بن محمد بن محمود نسفی، محمد بن نمیر، محمد بن محمود، محمد بن مکی بن فرج، ابو جعفر محمد بن سفیان بن نضر نسفی، محمد بن منذر ابن سعید ہروی اور امام بخاری[۴]

امام ترمذی نے اپنی جامع صحیح میں دو ایسی روایتیں ذکر کی ہیں جن کا امام بخاری نے امام ترمذیؒ سے سماع کیا ہے جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) حدثنا الحسن بن محمد الزعفرانی نا عفان نا حفص بن غیاث بن حبیب بن ابی عمرة عن سعید بن جبیر عن ابن عباس فی قول اللہ عز وجل ما قطعتم

---

[۱] امام عبداللہ شمس الدین الذہبی متوفی ۷۴۸ھ — تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۴۵

[۲] حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ — کشف الظنون ج ۲ ص ۱۹۷۹

[۳] امام ذہبی متوفی ۷۴۸ھ — تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۳۴

[۴] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸۷

من لینۃ او ترکتموھا قائمۃ علی اصولھا قال اللینۃ النخلۃ ولیخزی الفاسقین قال استنزلوھم من حصونھم قال وامروا بقطع النخل فحک فی صدورھم فقال المسلمون قد قطعنا بعضا وترکنا بعضا فلنسئلن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل لنا فیما قطعنا من اجر وھل علینا فیما ترکنا من وزر فانزل اللہ ما قطعتم من لینۃ او ترکتموھا قائمۃ علی اصولھا الایۃ ھذا حدیث حسن غریب وروی بعضھم ھذا الحدیث عن حفص بن غیاث عن حبیب بن ابی عمرۃ عن سعید بن جبیر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسلا قال ابو عیسیٰ سمع منی محمد بن اسماعیل ھذا الحدیث۔[1]

(۲) حدثنا علی بن المنذر نا ابن فضیل عن سالم بن ابی حفصۃ عن عطیہ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی یا علی لا یحل لاحد ان یجنب فی ھذا المسجد غیری وغیرک قال علی بن المنذر قلت لضرار بن صرد ما معنی ھذا الحدیث قال لا یحل لاحد یستطرقہ جنبا غیری وغیرک ھذا حدیث غریب لا نعرفہ الا من ھذا الوجہ وقد سمع محمد بن اسماعیل منی ھذا الحدیث واستغربہ۔[2]

بے مثل حافظہ امام ترمذی غضب کا حافظہ رکھتے تھے ان کی قوت حفظ سے متعلق ایک واقعہ عام تذکرہ نگاروں نے نقل کیا ہے۔ خود امام ترمذی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک شیخ سے ان کی احادیث کے دو جز نقل کیے تھے ایک مرتبہ مکہ کے سفر میں وہ میرے ہمراہ تھے۔ مجھے اب تک ان اجزا کی دوبارہ جانچ پڑتال کا موقع نہیں ملا تھا میں نے شیخ سے درخواست کی کہ آپ ان احادیث کی قرأت کریں اور میں سن کر ان کا مقابلہ کرتا جاؤں شیخ نے منظور فرما لیا پھر میں نے ان اجزاء کو اپنے سامان میں تلاش کیا مگر وہ نہ مل سکے۔ بالآخر میں نے ان اجزا کی مثل سادہ کاغذ اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیے اور شیخ سے قرأت کی درخواست کی۔

---

[1] ابو عیسےٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ الجامع الصحیح ص ۴۶۲

[2] ایضاً " " " " ص ۵۲۵

شیخ قرأت کرتے رہے اور میں اپنے ذہن میں ان احادیث کو محفوظ کرتا رہا۔ اتفاقاً شیخ کی نظر ان سادہ کاغذوں پر پڑ گئی اور وہ ناراض ہو کر کہنے لگے تم کو شرم نہیں آتی مجھ سے مذاق کرتے ہو پھر میں نے سارا ماجرا سنا کر اپنا عذر پیش کیا اور کہا کہ آپ کی سنائی ہوئی تمام احادیث مجھے محفوظ ہو گئی ہیں شیخ نے کہا سناؤ اور میں نے وہ تمام احادیث من وعن سنا ڈالیں۔ شیخ نے دوبارہ امتحان لینے کے لیے چالیس ایسی احادیث پڑھیں جو صرف ان سے روایت کی جاتی تھیں امام ترمذی نے ان احادیث کو بھی اسی طرح ترتیب وار سنا ڈالیں اس پر شیخ نے انہیں تحسین و آفرین کرتے ہوئے بے اختیار کہا ما رایت مثلک میں نے تمہاری مثل آج تک کسی کو نہیں دیکھا۔[1]

ابن حزم کا انکار

ابو محمد ابن حزم المتوفی ۴۵۶ھ نے الفصال میں امام ترمذی کو مجہول قرار دیا ہے۔ غیر مقلدین حضرات کے لیے ابن حزم امام اور پیشوا کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے انہیں اس انکار پر تعجب ہوا اور انہوں نے ابن حزم کے قول کی تاویلات اور توجیہات کرنی شروع کر دیں لیکن ہمارے لیے یہ امر چنداں باعث حیرت نہیں ہے کیونکہ ابن حزم نے محلی میں امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی وغیرہم مجتہدین کرام کے لیے جگہ جگہ کذب اور سفاہت کے الفاظ استعمال کیے ہیں پس جو شخص ان جیسے صلحاء امت اور آئمہ دین کے لیے کذب اور سفاہت کے الفاظ لا سکتا ہے ایسے زبان دراز شخص کے لیے امام ترمذی کو مجہول کہہ دینا کیا بڑی بات ہو گی۔

تصانیف

درس و تدریس کی بے پناہ مصروفیات اور کثرت مشاغل کے باوجود امام ترمذی سے مندرجہ ذیل تصانیف یادگار ہیں:۔ (۱) جامع ترمذی (۲) کتاب العلل (۳) کتاب التاریخ (۴) کتاب الزہد (۵) کتاب الاسماء والکنی (۶) کتاب الشمائل النبویہ؛

وفات

۱۳ رجب ۲۷۹ھ کو مقام ترمذ میں امام ترمذی کا انتقال ہو گیا اور وہیں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس سال جن اور مشاہیر محدثین کا وصال ہوا ان کے اسماء یہ ہیں:۔!

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸۸

محدث ابن خلیل بن ثابت ، ابو جعفر برجلانی ، ابراہیم بن عبداللہ العبسی الکوفی ، محدث مکہ ابو یحییٰ عبداللہ بن احمد بن ابی مسرۃ ، محدث جعفر بن محمد بن شاکر۔ [1]

---

[1] شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ   تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۳۵

جامع ترمذی

امام ابو عیسےٰ ترمذی کی جامع صحیح، ترتیب صحاح کے لحاظ سے نسائی اور ابو داؤد کے بعد آتی ہے لیکن اس کو اپنی جودت ترتیب، افادیت اور جامعیت کی وجہ سے جو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی اس کے سبب اس کو عام طور پر بخاری اور مسلم کے بعد شمار کیا جاتا ہے چنانچہ حاجی خلیفہ اس کا ثالث الکتب الستہ کے عنوان سے کشف الظنون میں ذکر کرتے ہیں۔

حافظ ابن اثیر جامع الاصول میں لکھتے ہیں کہ جامع ترمذی کتب صحاح میں سب سے زیادہ احسن ہے کیونکہ اس کی افادیت سب سے زیادہ اور ترتیب سب سے عمدہ ہے نیز اس میں تکرار سب سے کم ہے، مذاہب آئمہ اور وجوہ استدلال کے ذکر اور انواع حدیث اور احوال رواۃ کے بیان میں یہ کتاب سب سے منفرد ہے۔

شیخ ابو اسماعیل ہروی نے کہا کہ میرے نزدیک ابو عیسیٰ ترمذی کی کتاب بخاری اور مسلم کی کتابوں سے زیادہ مفید ہے انہوں نے اس کا سبب بتلاتے ہوئے کہا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے سوا ماہرین علوم حدیث کے اور کوئی شخص استفادہ نہیں کر سکتا۔ بخلاف صحیح ترمذی کے کیونکہ یہ کتاب فقہا، محدثین اور عام علماء کے لیے یکساں مفید ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کو تصنیف کے بعد علماء حجاز پر پیش کیا تو انہوں نے اس کو پسند کیا پھر علماء خراسان پر پیش کیا تو انہوں نے بھی اس کو تحسین کی نظر سے دیکھا امام ترمذی کہتے ہیں جس شخص کے گھر میں یہ کتاب ہو وہ یوں سمجھے گویا اس کے گھر میں نبی کلام کر رہا ہے۔[۱]

تسمیہ صحیح ترمذی کے نام میں اختلاف ہے۔ حاجی خلیفہ کشف الظنون میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگ اس کو سنن ترمذی کہتے ہیں لیکن اس کا زیادہ مشہور نام الجامع الصحیح ہی ہے۔

---

[۱] حافظ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۰۴

سنن اصطلاح حدیث میں حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس کی ترتیب ابواب فقیہہ کی طرز پر کی گئی ہو اور چونکہ ترمذی کی ترتیب اسی طور پر ہے اس لیے اس کو سنن کہنا بھی درست ہے۔ رہا الجامع الصحیح کہنے میں ترمذی کے جامع ہونے میں تو کوئی کلام نہیں البتہ صحیح کہنے پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اس میں حسن اور ضعیف روایات بھی کافی تعداد میں موجود ہیں پھر اس کو صحیح کہنا کیونکر درست ہو گا۔ جواب یہ ہے کہ اس کو صحیح تغلیباً کہا گیا ہے۔

اسلوب امام ترمذی نے اپنی جامع کی ترتیب میں جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ اس قدر عمدہ اور مفید ہے جس کی وجہ سے اس کتاب کو تمام کتب صحاح میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ بطور ذیل میں ہم جامع ترمذی کی چند خصوصیات بمع امثلہ پیش کر رہے ہیں۔

(۱) امام ترمذی حدیث ذکر کرنے کے بعد آئمہ مذاہب کے اقوال اور ان کا اختلاف ذکر کرتے ہیں مثلاً انہوں نے سلمہ بن قیس سے ایک روایت ذکر کی۔ اذا توضأت فانتثر واذا استجمرت فاوتر۔ اس کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں۔ واختلف اهل العلم فيمن ترك المضمضة والاستنشاق فقال طائفة منهم اذا تركهما في الوضوء حتى صلى اعاد ورأوا ذالك في الوضوء والجنابة سواء وبه يقول ابن ابي ليلى وعبد الله بن مبارك و احمد واسحاق وقال احمد الاستنشاق اوكد من المضمضة قال ابو عيسى طائفة من اهل العلم يعيد في الجنابة ولا يعيد في الوضوء وهو قول سفيان الثوري وبعض اهل الكوفة وقالت طائفة لا يعيد في الوضوء ولا في الجنابة لانهما سنة من النبي صلى الله عليه وسلم فلا تجب الاعادة على من تركهما في الوضوء ولا في الجنابة وهو قول مالك وشافعي۔[1]

(۲) امام ترمذی نے اپنی جامع صحیح میں یہ التزام کیا ہے کہ اس کتاب میں صرف ان احادیث کو درج کیا جائے جو کسی نہ کسی امام کا مذہب ہوں البتہ دو حدیثیں ایسی ہیں جن کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ کسی امام کا مذہب نہیں ہیں پہلی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس قال جمع رسول الله صلى الله عليه وسلم بين الظهر والعصر وبين المغرب

---

[1] ابوعیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۳۰

والعشاء[۱] بالمدینة من غیر خوف ولا مطر؛ لیکن اس حدیث کو اگر جمع صوری پر محمول کر دیا جائے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کو اس کے آخری وقت میں اور عصر کو اس کے ابتدائی وقت میں اسی طرح مغرب کو اس کے آخری وقت میں اور عشاء کو اس کے ابتدائی وقت میں پڑھا۔ تو یہ حدیث آئمہ مذاہب میں سے کسی کے خلاف نہیں رہتی۔ دوسری حدیث یہ ہے ؛ عن معاویہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من شرب الخمر فاجلدوہ فان عاد فی الرابعۃ فاقتلوہ[۲] چوتھی بار شراب پینے پر کسی شخص کو بطور حد قتل کر دینا۔ بے شک کسی امام کا مذہب نہیں ہے لیکن اگر اس قتل کو تعزیر پر محمول کر دیا جائے تو یہ آئمہ مذاہب میں سے کسی کے خلاف نہیں ہے۔ اس تحقیق سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ جامع ترمذی کی تمام احادیث معمول بہا ہیں اور انہوں نے اس کتاب میں کوئی حدیث ایسی ذکر نہیں کی جو کسی نہ کسی امام کا مذہب نہ ہو۔

(۳) جب ایک حدیث کئی صحابہ سے مروی ہو تو جس صحابی سے اس حدیث کی روایت مشہور ہو امام ترمذی اس صحابی کی روایت ذکر کرتے ہیں اور باقی صحابہ کی روایات کی طرف وفی الباب عن فلان وعن فلان ؛ کہہ کر اشارہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً امام ترمذی روایت کرتے ہیں ؛ عن انس بن مالک قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل الخلاء قال اللھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث ؛ اس کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں وفی الباب عن علی و زید بن ارقم وجابر وابن مسعود ؛ پھر اپنی روایت کی وجہ ترجیح ذکر کرتے ہیں۔ قال ابو عیسی حدیث انس اصح شیٔ فی ھذا الباب واحسن[۳] امام ترمذی کے اس طریقہ سے تین فائدے حاصل ہوتے ہیں اول یہ کہ باب کی غیر مشہور روایات بھی علم میں آجاتی ہیں ثانی یہ کہ بسا اوقات بعض غیر مشہور روایات کی کسی علت کا بھی بیان کر دیتے ہیں مثلاً یہی حدیث جس کو انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا ہے اور جس کے بعد فرماتے ہیں

---

۱ ابو عیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۲۷

۲ ایضاً ” ” ” ص ۲۷

۳ ایضاً ” ” ” ص ۳۶۱

کر و فی الباب عن علی و زید بن ارقم وجابر بن مسعود : اس میں زید بن ارقم کے بارے میں لکھتے ہیں وحدیث زید بن ارقم فی اسنادہ : اضطراب اور پھر تفصیل سے وجہ اضطراب بیان کردی ہے ثالث یہ کہ بعض اوقات غیر مشہور روایات کے متن میں کوئی زیادتی یا کمی ہو تو اس کا بھی ذکر کر دیتے ہیں مثلاً وہ حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں : عن جابر بن عبد اللہ قال نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نستقبل القبلۃ ببول فرایتہ قبل ان یقبض بعام یستقبلھا[1] پھر لکھتے ہیں۔ و فی الباب عن ابی قتادہ و عائشہ و عمار۔ اس کے بعد انہوں نے ابی قتادہ کی روایت ذکر کی ہے جس کے متن میں کمی ہے لکھتے ہیں :۔ عن ابی قتادہ انہ رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم یبول مستقبل القبلۃ اخبرنا بذالک قتیبۃ قال نا بذالک ابن لھیعۃ : اس کے بعد مشہور روایت کی وجہ ترجیح بیان کرتے ہیں، وحدیث جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصح من حدیث ابن لھیعۃ و ابن لھیعۃ ضعیف عند اھل الحدیث :

(۳) امام ترمذی کا عام طریقہ یہ ہے کہ جب کسی صحابی کی روایت ذکر کرنے کے بعد وفی الباب عن فلاں لکھتے ہیں تو فی الباب کے تحت اس صحابی کا نام ذکر نہیں کرتے جس کی روایت اصالۃ باب کے تحت لاتے ہیں لیکن بعض جگہ انہوں نے اس طریقہ کے خلاف بھی کیا ہے مثلاً وہ روایت کرتے ہیں عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی الجنۃ شجرۃ یسیر الراکب فی ظلھا مأۃ عام الحدیث[2] اس کے بعد لکھتے ہیں و فی الباب عن ابی سعید لیکن اس جگہ ابو سعید کی روایت سے وہ روایت مراد نہیں ہے جس کا امام ترمذی پہلے ذکر کر چکے ہیں بلکہ ایک اور روایت ہے۔ عن ابی سعید الخدری عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لہ رجل یا رسول اللہ ما طوبیٰ قال شجرۃ مسیرۃ مأۃ[3] الحدیث (یہ روایت موارد الظمآن میں ہے۔)

---

[1] ابو عیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ — جامع ترمذی ص ۱ ۲ ۰

[2] الحافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ — موارد الظمآن زوائد ابن حبان ص ۶۵۲

[3] ابو عیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ — جامع ترمذی ص ۴۷

(۴) امام ترمذی مکمل سند بیان کرنے کے بعد انواع حدیث میں سے اس حدیث کی نوع کا بیان کر دیتے ہیں کہ آیا یہ حدیث صحیح ہے حسن ہے یا ضعیف ہے مثلاً روایت کرتے ہیں :۔ حدثنا بندار حدثنا ابو احمد نا سفیان عن معمر عن قتادة عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یطوف علی نسائہ فی غسل واحد ؛ اس کے بعد لکھتے ہیں قال ابو عیسیٰ[1] حدیث انس حدیث صحیح[1] اور حسن کی مثال یہ ہے :۔ حدثنا علی بن حجر نا عبد الرحمٰن بن ابی الزناد عن ابیہ عن عروة بن الزبیر عن المغیرة بن شعبہ قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی الخفین علی ظاہرھما قال ابو عیسیٰ حدیث المغیرة ۔ حدیث حسن[2] اور ضعیف کی مثال یہ ہے :۔ حدثنا قتیبة قال ثنا رشدین بن سعد عن عبد الرحمٰن بن زیاد بن انعم عن عتبة بن حمید عن عبادة بن نسي عن عبد الرحمان بن غنم عن معاذ بن جبل قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا توضأ مسح وجہہ بطرف ثوبہ قال ابو عیسیٰ ھذا حدیث غریب واسنادہ ضعیف ورشدین بن سعد وعبد الرحمان بن زیاد بن انعم الافریقی یضعفان فی الحدیث[3]

(۵) اگر کوئی حدیث مضطرب ہو تو تعیین کر دیتے ہیں کہ اضطراب سند میں ہے یا متن میں اور بسا اوقات وجہ اضطراب بھی بیان کر دیتے ہیں مثلاً امام ترمذی روایت کرتے ہیں :۔ حدثنا جعفر بن محمد بن عمران الثعلبی الکوفی نا زید بن حباب عن معاویہ بن صالح عن ربیعہ بن یزید الدمشقی عن ابی ادریس الخولانی وابی عثمان بن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ فاحسن الوضوء ثم قال اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ الحدیث ؛ اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں ۔ وھذا حدیث فی اسنادہ اضطراب اور وجہ اضطراب میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن صالح وغیرہ نے زید بن حباب کی مخالفت کی ہے اور سند یوں ذکر کی ہے ۔عن معاویہ

---

[1] ابو عیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۱۷
[2] ایضاً " " " ص ۲۴
[3] ایضاً " " " "

بن صالح عن ربیعہ بن یزید عن ابی ادریس عن عقبہ بن عامر عن عمرؓ اور بعض کا یوں ذکر کیا ہے عن ابی عثمان عن جبیر بن نفیر عن عمرؓ خلاصہ یہ ہے کہ زید بن حباب کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ابو ادریس اور ابو عثمان ان دونوں اور حضرت عمرؓ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے اور عبداللہ بن صالح وغیرہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ابو ادریس اور حضرت عمرؓ کے درمیان عقبہ بن عامر کا اور ابو عثمان اور حضرت عمرؓ کے درمیان جبیر بن نفیر کا واسطہ ہے۔ اس وجہ سے یہ حدیث مضطرب السند ہو گئی۔

(۵) جو حدیث معلول ہو امام ترمذی اس کی تصریح کر دیتے ہیں اور بسا اوقات اس کی علت خفیہ بھی بیان کر دیتے ہیں مثلاً امام ترمذی روایت کرتے ہیں ۔ حدثنا ابو الولید الدمشقی نا ولید بن مسلم اخبرنا ثور بن یزید عن رجاء بن حیوۃ عن کاتب المغیرہ عن المغیرۃ بن شعبہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسح اعلی الخف واسفلہ[2] اس حدیث کے ذکر کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں :۔ ھذا حدیث معلول اور وجہ اعلال کے بارے میں فرماتے ہیں :۔ لم یسندہ عن ثور بن یزید غیر الولید بن مسلم ۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ حدیث دراصل مرسل ہے کیونکہ ثور بن یزید کے تمام شاگرد اپنی اسانید میں مغیرہ بن شعبہ کا ذکر نہیں کرتے اور کاتب مغیرہ کی حضور سے اس حدیث کی مرسلاً روایت کرتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اصل میں یہ حدیث مرسل ہے اس کے برخلاف ثور بن یزید کے صرف ایک شاگرد ولید بن مسلم اس حدیث کو ، عن کاتب المغیرۃ عن المغیرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ موصولاً روایت کرتے ہیں اور حدیث مرسل کو موصول بیان کرنا ہی وہ علت خفیہ ہے جس کی وجہ سے یہ حدیث معلل قرار پائی ۔

(۶) اگر کوئی حدیث منقطع ہو تو امام ترمذی اس کے عدم انقطاع کی تصریح کر دیتے ہیں اور بعض اوقات عدم انقطاع کی وجہ بھی بیان کر دیتے ہیں مثلاً وہ روایت کرتے ہیں ۔ حدثنا علی بن حجر نا اسماعیل بن ابراھیم عن لیث عن عبد اللہ بن الحسن عن امہ فاطمۃ بنت الحسین عن جدتھما فاطمۃ الکبریٰ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل

---

[1] ابو عیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۳۲

[2] ایضاً " " " " ص ۳۰

المسجد صلی علی محمد وقال رب اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک الحدیث اس کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں :۔ قال ابو عیسیٰ حدیث فاطمۃ حدیث حسن ولیس اسنادہ بمتصل[1] اور اس کا سبب بیان کرتے ہیں کہ فاطمہ بنت الحسن نے حضرت سیدتنا فاطمۃ الکبریٰ کو نہیں پایا تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے صرف چند ماہ بعد آپ کا وصال ہو گیا تھا۔

(۷) جو حدیث غیر محفوظ اور شاذ ہو امام ترمذی اس کی بھی تصریح کر دیتے ہیں اور بسا اوقات وجہ شذوذ بھی بیان کر دیتے ہیں مثلاً وہ روایت کرتے ہیں :۔ حدثنا عبداللہ ابن ابی زیاد نا زید بن حباب عن سفیان عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جابر بن عبداللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حج ثلث حجج حجتین قبل ان یہاجر وحجۃ بعد ما ہاجر الحدیث ؛ اس کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں۔ ھذا حدیث غریب من حدیث سفیان لا نعرفہ الا من حدیث زید بن حباب الی ان قال وسالت محمدا عن ھذا فلم یعرفہ من حدیث الثوری عن جعفر عن ابیہ عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورایتہ لا یعد ھذا الحدیث محفوظا[2] خلاصہ یہ ہے کہ حدیث شاذ اور غیر محفوظ وہ ہوتی ہے جس میں ثقہ راوی اوثق کی مخالفت کرے یا ایک ثقہ شخص متعدد ثقہ لوگوں کی مخالفت کرے اس حدیث کی وجہ شذوذ امام ترمذی نے امام بخاری سے یہ نقل کی ہے کہ اس حدیث کو دوسرے ثقہ راویوں نے سفیان ثوری سے مرسلاً روایت کیا ہے اور صرف زید بن حباب نے اس کو سفیان سے موصولاً روایت کیا ہے۔

(۸) جو حدیث منکر ہو امام ترمذی اس کی تصریح کر دیتے ہیں اور بسا اوقات وجہ بھی بیان کر دیتے ہیں اس کی مثال یہ ہے :۔ حدثنا بشر بن معاذ العقدی البصری نا ایوب بن واقد الکوفی عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نزل علی قوم فلا یصوم من تطوعا الا باذنھم ۔ اس حدیث کے

---

[1] ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۴۳

[2] ایضاً " " ص ۱۰۰

بعد امام ترمذی لکھتے ہیں:- قال ابو عیسیٰ ھذا حدیث منکر لا نعرف احدا من الثقات روی ھذا الحدیث عن ھشام بن عروۃ[1] خلاصہ یہ ہے کہ منکر اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں غیر ثقہ راوی ثقہ راویوں کی مخالفت کرے اور یہاں ایسا ہی ہے کیونکہ اس سند کے راوی ضعیف ہیں اور ہشام بن عروہ سے اس حدیث کی روایت میں کوئی ثقہ راوی ان کا ساتھ نہیں دیتا۔

(۹) بعض دفعہ امام ترمذی ایک اسناد سے ایک صحیح حدیث ذکر کرتے ہیں اور وہی حدیث بعض دوسری اسانید سے مدرج ہوتی ہے تو امام ترمذی اس کا بھی ذکر کر دیتے ہیں اس کی مثال یہ ہے، حدثنا قتیبہ نا اللیث عن ابن شھاب عن عبید اللہ بن عبد اللہ ان ابن عباس اخبرہ ان الصعب بن جثامہ اخبرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بہ بالابواء او لبود ان فاھدی لہ حمارا وحشیا فردہ علیہ فلما رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکراھیۃ قال انہ لیس بنارد علیک وانا حرم :اس کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں۔ وقد روی بعض اصحاب الزھری عن الزھری ھذا الحدیث وقال اھدی لہ لحم حمار وحشی وھو غیر محفوظ حدیث مدرج اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے متن میں راوی اپنے پاس سے کچھ الفاظ داخل کر دے اور اصحاب زہری کی روایت میں ایسا ہی ہے کیونکہ صحیح حدیث میں فاھدی لہ حمارا وحشیا :کے الفاظ ہیں اور اصحاب زہری نے لحم کا لفظ زیادہ کر کے اھدی لہ لحم حمار وحش روایت کیا گیا ہے[2]

(۱۰) بعض دفعہ امام ترمذی کثرت طرق کا اظہار کرنے کیلئے حدیث ایک سند کے ساتھ مرفوعا ذکر کرتے ہیں لیکن درحقیقت وہ موقوف ہوتی ہے تو امام ترمذی اس کے وقف کی تصریح کر دیتے ہیں مثلاً وہ روایت کرتے ہیں۔ عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من مات وعلیہ صیام شھر فلیطعم عنہ مکان کل یوم مسکینا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:- قال ابو عیسی حدیث ابن عمر لا نعرفہ مرفوعا الا من ھذا الوجہ والصحیح عن ابن عمر موقوف قولہ[3]

---

[1] ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۱۳۹

[2] ایضاً " " " ص ۱۴۵

[3] ایضاً " " " ص ۱۴۷

(۱۱) اگر حدیث بعض طرق کے لحاظ سے غریب اور بعض کے لحاظ سے مشہور ہو تو اس کا بیان بھی کر دیتے ہیں مثلاً روایت کرتے ہیں:۔ عن حمید عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یتوضوء لکل صلوٰۃ طاہرا وغیر طاہر قال قلت لانس فکیف کنتم تصنعون انتم قال کنا نتوضوء وضوءً ا حدا؛ اس حدیث کے بعد لکھتے ہیں قال ابو عیسی حدیث انس حدیث حسن غریب والمشہور عند اھل الحدیث حدیث عمرو بن عامر[1]

(۱۲) امام ترمذی عام طور پر حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ ھذا حدیث حسن صحیح یا ھذا حدیث حسن غریب یا ھذا حدیث حسن صحیح غریب، پہلی صورت میں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حسن اور صحیح دو مستقل قسمیں ہیں اور اقسام آپس میں متبائن ہوتی ہیں تو ایک حدیث حسن اور صحیح کیسے ہو سکتی ہے بعض لوگوں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ صحیح اور حسن کے جمع ہونے میں کوئی تردد نہیں اس لیے کہ حدیث کا حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہونا عین ممکن ہے[2] لیکن یہ جواب قطعاً باطل اور مردود ہے کیونکہ صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ اور ضعیف ایک مقسم کے اعتبار سے متعدد اقسام ہیں اور اقسام آپس میں متبائن ہوتی ہیں ان میں سے کوئی سی بھی دو قسمیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں اس کی مزید وضاحت اس طرح ہے کہ صحیح لغیرہ اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راویوں کے ضبط میں کچھ کمی ہو اور تعدد طرق روایت سے اس کمی کو پورا کر لیا جائے اور حسن لذاتہ اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں تعدد طرق روایت سے اس کمی کو پورا نہ کیا جائے اس تقدیر پر ایک روایت کے صحیح لغیرہ اور حسن لذاتہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کے تعدد طرق ہوں اور نہ ہوں اور یہ اجتماع نقیضین ہونے کی وجہ سے محال ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس اشکال کے دو جواب دیئے ہیں اول یہ کہ اس حدیث کے راویوں کے اوصاف میں آئمہ حدیث کے مختلف اقوال ہیں بعض اقوال کے لحاظ سے وہ حدیث حسن اور بعض کے لحاظ سے صحیح ہے اس صورت میں یہاں حرف عطف او محذوف ہے ثانی یہ کہ یہ حدیث دو سندوں سے مروی اور ایک سند کے لحاظ سے حسن اور دوسری کے لحاظ سے صحیح ہے

---

[1] ابو عیسیٰ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۲۲

[2] محمد حنیف الفلاح فیروز پوری وعبدالرحمان مبارکپوری (صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین ص ۱۲۵) مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۱۲

اس صورت میں یہاں حرف عطف واؤ محذوف ہے۔

اس سوال کے چند اور جواب بھی منقول ہیں. حافظ عماد الدین نے کہا کہ یہ حدیث حسن اور صحیح کے درمیان متوسط ہے اس لیے ان دونوں قسموں کا ذکر کر دیا شمس الدین جذری نے کہا اس حدیث سے مراد وہ حدیث ہے جو صحیح کے مشابہ ہو اس لیے اس پر دونوں وصفوں کا اطلاق جائز ہے ابن دقیق العید نے کہا حسن سے مراد راوی کی صفت عدالت ہے اور صحیح سے مراد اس کی صفت ضبط ہے بعض لوگوں نے کہا یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں اور حسن کے بعد صحیح باعتبار تاکید کے لائے ہیں اور بعض نے کہا حسن اسناد کا وصف ہے اور صحیح اس کا حکم ہے۔

امام ترمذی جس حدیث کے بعد ھذا حدیث حسن غریب کہتے ہیں وہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک حدیث حسن وہ ہوتی ہے جو طرق متعددہ سے مروی ہو کیونکہ وہ خود کتاب العلل میں لکھتے ہیں، وما قلنا فی کتابنا حدیث حسن فانما اردنا به حسن اسناده عندنا اذ کل حدیث یروی لا یکون راویه متهما بالکذب و یروی من غیر وجه نحو ذالک ولا یکون شاذا فهو عندنا حسن[1] اور حدیث غریب صرف ایک طریقہ سے مروی ہوتی ہے پس ایک حدیث حسن اور غریب دو متضاد وصفوں کی حامل کیسے ہو سکتی ہے. حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس اشکال کے جواب میں فرمایا کہ حدیث حسن میں دو اصطلاحیں ہیں ایک جمہور کی جس میں تعدد طرق کی شرط نہیں ہے اور ایک امام ترمذی کی جس میں تعدد طرق مشروط ہے امام ترمذی جس جگہ ھذا حدیث حسن غریب کہتے ہیں وہاں حسن کا لفظ جمہور کی اصطلاح پر ہے لہٰذا غرابت اس کے منافی نہیں ہے اور جس جگہ فقط ھذا حدیث حسن کہتے ہیں وہ ان کی اپنی اصطلاح پر ہے۔

(۱۴) بسا اوقات امام ترمذی سند کے بعض راویوں پر جرح کرتے ہیں مثلاً انہوں نے ایک روایت ذکر کی، حدثنا محمود بن غیلان حدثنا المقری قال نا یحیی بن ایوب عن زید بن جبیرة عن داؤد بن حصین عن نافع عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی ان یصلی فی سبع مواطن الحدیث[2] اس کے بعد ذکر کرتے ہیں، قال ابو عیسیٰ حدیث ابن عمر اسناده لیس بذاک القوی وقد تکلم فی زید بن جبیرة

---

[1] ابو عیسیٰ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ

[2] جامع ترمذی ص ۶۵

من قبل حفظہ[1] اس حدیث میں امام ترمذی نے زید بن جبیرہ کے حافظہ پر جرح کی ہے۔

(۱۴) اگر کسی حدیث کی سند میں کوئی راوی مجہول ہو تو امام ترمذی اس کی تعیین کر دیتے ہیں۔ مثلاً امام ترمذی روایت کرتے ہیں، حدثنا ھناد نا شریک عن ابی فزارۃ عن ابی زید عن عبد اللہ بن مسعود قال سألنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما فی اداوتک فقلت نبیذ فقال ثمرۃ طیبۃ وماء طھور قال فتوضأ منہ : اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے ابوزید امام ترمذی اس کے بارے میں فرماتے ہیں وابوزید رجل مجھول عند اھل الحدیث[2]

(۱۵) اور اگر کسی حدیث کی سند میں کوئی راوی منکر الحدیث ہو تو اس کی بھی تعیین کر دیتے ہیں مثلاً امام ترمذی روایت کرتے ہیں، حدثنا نصر بن علی واحمد بن عبید اللہ اسلمی البصری قالا نا ابو قتیبہ مسلم بن قتیبۃ عن الحسن بن علی الھاشمی عن عبد الرحمان عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال جاء نی جبرئیل فقال یا محمد اذا توضأت فانتضح : اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں، وسمعت محمدا یقول الحسن بن علی الھاشمی منکر الحدیث[3]۔

(۱۶) عام طور پر جو راوی کنیت یا نسبت کے ساتھ مشہور ہوتے ہیں ان کے اسماء اور کنیٰ کی وضاحت خاص اہتمام سے کرتے ہیں مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں، ابوصالح والد سھیل ھو ابوصالح السمان واسمہ ذکوان[4] : ایک اور جگہ لکھتے ہیں، وابوایوب اسمہ خالد بن زید اور نسبت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:۔ والزھری اسمہ محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن شھاب الزھری وکنیتہ ابوبکر[5]

(۱۷) اگر کسی راوی کے اسم میں اختلاف ہو تو اس کا بھی بیان کر دیتے ہیں مثلاً لکھتے ہیں:۔

---

[1] ابوعیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۷۷
[2] ایضاً " " " " ص ۳۹
[3] ایضاً " " " " ص ۳۳
[4] ایضاً " " " " ص ۲۶
[5] ایضاً " " " " ص ۲۷

ابو المليح بن اسامة اسمه عامر ويقال زيد بن اسامة بن عمير الهذلی ؛ اسی طرح لکھتے ہیں :۔ ابو هريرة اختلفوا فی اسمه فقالوا عبد شمس وقالوا عبد الله بن عمرو[1]

(۱۸) اگر ایک وصف کے ساتھ دو راوی مشہور ہوں تو امام ترمذی ان کے اسماء اور مراتب کا فرق بیان کر دیتے ہیں مثلاً وصف صنابحی کے ساتھ دو راوی مشہور ہیں ان کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

والصنابحی الذی روی عن ابی بکر الصدیق لیس له سماع من النبی صلی الله علیه وسلم واسمه عبد الرحمان بن عسیلة ویکنی ابا عبد الله رحل الی النبی صلی الله علیه وسلم فقبض النبی صلی الله علیه وسلم وهو فی الطریق وقد روی عن النبی صلی الله علیه وسلم احادیث والصنابح بن الاعسر الاحمسی صاحب النبی صلی الله علیه وسلم یقال له الصنابحی ایضا وانما حدیثه قال سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول انی مکاثر بکم الامم فلا تقتتلن بعدی[2] یعنی ایک صنابحی تابعی ہیں جن کا نام عبد الرحمان ہے اور دوسرے صنابحی صحابی ہیں جن کا نام صنابح ہے یہ دونوں حضور سے روایت کرتے ہیں مگر ایک کی روایت مرسل اور دوسرے کی روایت متصل ہے۔

(۱۹) بسا اوقات امام ترمذی کسی حدیث کے بارے میں مختلف اساتذہ اور ائمہ حدیث کے اقوال بھی پیش کرتے ہیں مثلاً امام ترمذی روایت کرتے ہیں :۔ حدثنا قتیبة وهناد وابو کریب واحمد بن منیع ومحمود بن غیلان وابو عمار قالوا نا وکیع عن الاعمش عن حبیب بن ابی ثابت عن عروة عن عائشة ان النبی صلی الله علیه وسلم قبل بعض نسائه ثم خرج الی الصلوة ولم یتوضأ قال قلت من هی الا انت فضحکت ؛ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں :۔ سمعت ابا بکر العطار البصری یذکر عن علی بن المدینی قال ضعف یحیی بن سعید القطان هذا الحدیث وقال هو شبه لا شیء قال وسمعت محمد بن اسماعیل یضعف هذا الحدیث وقال حبیب بن ابی ثابت لم یسمع من عروة[3] اس حدیث کے تحت

---

[1] ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۲۶

[2] ایضاً " " " " "

[3] ایضاً " " " " ص ۳۸

امام ترمذی نے علی بن المدینی اور امام بخاری کی آرا پیش کی ہیں اور بتلایا ہے کہ ان دونوں کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے ان کے علاوہ امام ترمذی، امام ابو زرعہ، امام احمد بن حنبل اور عبدالرحمن دارمی کی آرا بھی پیش کرتے ہیں۔

(۲۰) بعض جگہ امام ترمذی اپنے اساتذہ سے اختلاف بھی کرتے ہیں مثلاً انہوں نے ایک روایت ذکر کی۔ حدثنا هناد و قتيبة قالا نا وكيع عن اسرائيل عن ابى اسحاق عن ابى عبيدة عن عبد الله قال خرج النبى صلى الله عليه وسلم لحاجة فقال التمس لى ثلثة احجار قال فاتيته بحجرين و روثة فاخذ الحجرين والقى الروثة وقال انها ركس: اس حدیث کو ابو اسحاق سے اسرائیل نے بھی روایت کیا ہے اور زہیر نے بھی۔ امام بخاری نے زہیر کی روایت کو مناسب خیال کیا ہے اور اسی کی روایت کو اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے لیکن امام ترمذی لکھتے ہیں، واصح شئ فى هذا عندى حديث اسرائيل وقيس عن ابى اسحاق عن ابى عبيدة عن عبد الله لان اسرائيل اثبت واحفظ لحديث ابى اسحاق: امام ترمذی کہتے ہیں اسرائیل کی حدیث زہیر سے بہتر ہے کیونکہ زہیر نے اخیر عمر میں ابو اسحاق سے سماع کیا ہے اور اس وقت ابو اسحاق کا ذہن مختل ہو چکا تھا اس کے بعد امام ترمذی امام احمد بن حنبل کے قول سے اس بات پر شہادت لاتے ہیں کہ زہیر کی روایت ابو اسحاق سے ساقط الاعتبار ہے چنانچہ لکھتے ہیں: سمعت احمد بن الحسن يقول سمعت احمد بن حنبل يقول اذا سمعت الحديث عن زائدة و زهير فلا تبال ان لا تسمع من غيرهما الا حديث ابى اسحاق [1]

(۲۱) امام ترمذی اپنی کتاب میں عنوان قائم کرتے ہوئے بسا اوقات لفظ ابواب کے بعد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے اور اس کے تحت عام طور پر احادیث مرفوعہ ذکر کرتے ہیں اور بعض اوقات لفظ ابواب کے بعد عن رسول اللہ نہیں لکھتے لہٰذا وہاں مرفوع روایات کا التزام نہیں کرتے۔

(۲۲) کسی حدیث میں مرفوع اور موقوف کا اختلاف ہو تو اس کو بیان کر دیتے ہیں مثلاً امام ترمذی روایت کرتے ہیں: عن زيد بن ثابت عن النبى صلى الله عليه وسلم قال افضل صلاتكم فى بيوتكم الا المكتوبة: اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں

---

[1] ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۲۹

وقد اختلفوا فی روایۃ ہٰذا الحدیث فرواہ موسیٰ بن عقبۃ وابراہیم بن ابی النضر مرفوعا واوقفہم بعضہم ؎۱

(۲۳) بعض اوقات حدیث میں کوئی مشکل لفظ ہو تو امام ترمذی اس کا آسان لفظوں سے معنی بیان کر دیتے ہیں مثلاً ایک حدیث کے الفاظ میں حضرت ابوہریرہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے کہتے ہیں :۔ اخبرنی بہا ولا تضنن بہا علی، امام ترمذی حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :۔ ومعنی قولہ ولا تضنن بہا علی یقول لا تبخل بہا علی والضنین البخیل والظنین المتہم ؎۲

(۲۴) بسا اوقات امام ترمذی کسی حدیث کا اختصار کرتے ہیں اور اس کے آخر میں لکھ دیتے وفی الحدیث قصۃ یا وفی الحدیث قصۃ طویلۃ، اس کی مثال یہ ہے :عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ علیہ وسلم خیر یوم طلعت فیہ الشمس یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ ادخل الجنۃ وفیہ اہبط منہا وفیہ ساعۃ لا یوافقہا عبد مسلم یصلی فیسأل اللہ فیہا شیأ الا اعطاہ ایاہ قال ابوہریرۃ فلقیت عبداللہ بن سلام فذکرت لہ ہٰذا الحدیث فقال انا اعلم تلک الساعۃ فقلت اخبرنی بہا ولا تضنن بہا علی قال ہی بعد العصر الی ان تغرب الشمس فقلت فکیف تکون بعد العصر وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یوافقہا عبد مسلم وہو یصلی وتلک الساعۃ لا یصلی فیہا فقال عبداللہ بن سلام الیس قد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من جلس مجلسا ینتظر الصلوٰۃ فہو فی الصلوٰۃ قلت بلی قال فہو ذاک : اس کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں، وفی الحدیث قصۃ طویلۃ ؎۳ سنن ابوداؤد میں یہ حدیث مفصل بیان کی گئی ہے جس کی تفصیل یہ ہے :۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر یوم طلعت فیہ الشمس یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ اہبط وفیہ تیب علیہ وفیہ مات وفیہ تقوم الساعۃ ومامن دابۃ الا وہی مصیخۃ یوم الجمعۃ من حین تصبح حتی تطلع الشمس شفقا من الساعۃ

؎۱ ابوعیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۹۱

؎۲ ایضاً " " ص ۹۰

؎۳ ایضاً " " " "

الا الجن والانس وفیہا ساعۃ لا یصادفہا عبد مسلم وھو یصلی یسأل اللہ عزوجل حاجۃ الا اعطاہ ایاھا قال کعب ذالک فی کل سنۃ یوم فقلت بل فی کل جمعۃ قال فقرأ کعب التوراۃ فقال صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابو ھریرۃ ثم لقیت عبداللہ بن سلام فحدثتہ بمجلسی مع کعب فقال عبداللہ بن سلام قد علمت ایۃ ساعۃ ھی قال ابو ھریرہ فقلت لہ فاخبرنی بہا فقال عبداللہ بن سلام ھی آخر ساعۃ من یوم الجمعۃ فقلت کیف ھی آخر ساعۃ من یوم الجمعۃ وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یصادفہا عبد مسلم وھو یصلی وتلک الساعۃ لا یصلی فیہا فقال عبداللہ بن سلام الم یقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من جلس مجلسا ینتظر الصلوٰۃ فھو فی صلوٰۃ حتی یصلی قال فقلت بلی قال ھو ذاک[1]

(۲۵) اگر دو حدیثوں میں تعارض ہو تو بسا اوقات امام ترمذی اس تعارض کو اٹھانے کے لیے کوئی توجیہ اور تاویل پیش کرتے ہیں مثلاً حضرت عائشہ سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز منہ اندھیرے پڑھا کرتے تھے۔ انصاری عورتیں کہتی ہیں کہ عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی چلی جاتی تھیں اور اندھیرے کی وجہ سے وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں اس کے بعد دوسری حدیث انہوں نے رافع بن خدیج سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر، فجر روشن ہونے کے بعد نماز پڑھو کیونکہ اس سے زیادہ اجر ملتا ہے پہلی حدیث کا مفاد یہ ہے کہ فجر کی نماز جلد پڑھنی چاہیئے اور دوسری کا تقاضہ یہ ہے کہ تاخیر سے پڑھنی چاہیئے امام ترمذی ان دو متعارض حدیثوں میں تطبیق دینے کے لیے امام شافعی کی طرف سے دوسری حدیث کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ معنی الاسفار ان یتضح الفجر فلا یشک فیہ ولم یرد ان معنی الاسفار تاخیر الصلوٰۃ[2] یعنی اسفار کا مطلب یہ ہے کہ جب صبح یقینی طور پر متحقق ہو جائے اور اس کا وجود مشکوک نہ رہے نہ یہ کہ نماز کو مؤخر کر کے پڑھا جائے۔

ہمارے نزدیک یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس توجیہ کے اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ جب فجر

---

[1] ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ سنن ابو داود ص ۱۴۹

[2] ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۵۰

غیر مشکوک ہو تو زیادہ اجر ملے گا جس کو لازم ہے کہ اگر مشکوک وقت میں فجر پڑھی گئی تو نفس اجر پھر بھی ملے گا اور یہ اشتباہ باطل ہے۔ ان متعارض روایتوں میں اصل تطبیق یہ ہے کہ پہلی حدیث میں نفس جواز بیان کیا گیا ہے اور دوسری حدیث میں استحباب بتلایا گیا ہے نیز پہلی حدیث میں عمل کا بیان ہے اور دوسری میں قول کا اور چونکہ قول عمل پر راجح ہوتا ہے اس لیے تعارض نہ رہا۔

(۲۶) اور کبھی امام ترمذی رفع تعارض کے لیے دو متعارض حدیثوں میں سے کسی ایک کا منسوخ ہونا بیان کر دیتے ہیں مثلاً انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے ایک روایت ذکر کی کہ جس چیز کو آگ نے چھوا ہو اس کو کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ دوسری حدیث حضرت جابر سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا گوشت کھانے کے بعد عصر کی نماز پڑھی اور تازہ وضو نہیں کیا۔ اس حدیث کے اخیر میں امام ترمذی لکھتے ہیں :- وھذا آخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان ھذا الحدیث ناسخ للحدیث الاول مما مست النار ۔ یعنی یہ حدیث پہلی حدیث کے لیے ناسخ ہے۔

جامع ترمذی کے علوم

جامع ترمذی میں امام ترمذی نے احادیث کے ذیل میں جو مباحث ذکر کیے ہیں وہ اپنے اندر متعدد علوم و فنون کو سمیٹے ہوئے ہیں حافظ ابوبکر بن العربی نے عارضۃ الاحوذی شرح ترمذی میں ان میں سے چودہ علوم کی نشاندہی کی ہے ہم نے مزید غور و فکر کر کے یہ عدد چوبیس تک پہنچا دیا ہے اس کے باوجود اس عدد کو جامع ترمذی کے علوم کا آخری مندسہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ جامع ترمذی میں مذکور علوم کی فہرس حسب ذیل ہے! (۱) بیان مذاہب فقہاء (۲) متروک العمل روایات کی توضیح (۳) ایک حدیث کی روایات کرنے والے تمام صحابہ کا بیان (۴) متن حدیث میں زیادتی اور کمی کا بیان (۵) حدیث کی تصحیح تحسین اور تضعیف (۶) حدیث مضطرب (۷) حدیث معلول (۸) حدیث مرسل (۹) متصل اور منقطع (۱۰) شاذ اور محفوظ (۱۱) منکر اور معروف (۱۲) حدیث مدرج (۱۳) اختصار حدیث (۱۴) مرفوع اور موقوف (۱۵) حدیث مشہور اور غریب (۱۶) بیان اسناد (۱۷) اختلاف اسماء (۱۸) اسماء مشترکہ میں امتیاز (۱۹) جرح و تعدیل (۲۰) اسماء کنیت اور نسبت کی وضاحت (۲۱) آئمہ حدیث کی آراء (۲۲) آئمہ حدیث کا اختلاف (۲۳) تطبیق بین الروایات (۲۴) ناسخ اور منسوخ کا بیان۔ اور یہ وہ علوم و فنون ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ

مستقل حیثیت رکھتا ہے۔

رموز و اصطلاحات

امام ترمذی نے اپنی جامع میں بعض خاص اصطلاحات کا استعمال کیا ہے جن کا وہ اکثر ابواب میں ذکر کرتے ہیں بطور ذیل میں ہم ان اصطلاحات کی وضاحت کر رہے ہیں۔

(۱) فلان ذاهب الحديث! اس کا مطلب ہے کہ اس شخص کو حدیث یاد نہیں رہتی۔

(۲) فلان مقارب الحديث! ابن السید کی رائے ہے کہ اگر مقارب بالکسر ہو تو یہ الفاظ تعدیل سے ہے اور اگر بالفتح ہو تو الفاظ جرح سے ہے لیکن حافظ سیوطی اور حافظ ذہبی کی تحقیق یہ ہے کہ مقارب الحدیث ہر حال میں الفاظ تعدیل میں سے ہے اور یہ لفظ اگر بالکسر ہو تو اس کا معنی ہے حدیثہ مقارب غیرہ اور بالفتح کی تقدیر پر اس کا معنی ہے ان حدیثہ یقاربہ حدیث غیرہ بہر حال مقاربت مشارکت کا تقاضہ کرتا ہے اور حاصل یہ ہے کہ اس کی حدیث دوسرے راوی کی حدیث کے قریب ہے۔

(۳) شیخ لیس بذاک! ای لیس بذاک المقام الذی یوثق بہ یعنی اس کی روایت نامقبول ہے اس اصطلاح پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ شیخ الفاظ تعدیل میں سے ہے اور لیس بذاک الفاظ جرح میں سے ہے اور یہ ترکیب تضاد کو مستلزم ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جائز ہے کہ ایک شخص عدالت کے لحاظ سے کامل ہو اور حافظہ کے لحاظ سے ناقص ہو پس شیخ کا لفظ اس کے کمال عدالت اور لیس بذاک اس کے نقصان ضبط کی طرف راجع ہو اور طیبی نے یہ بھی کہا ہے کہ شیخ کا لفظ اس ترکیب میں لغوی معنی میں مستعمل ہے یعنی بڑھا آدمی اور اس لحاظ سے اس ترکیب پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

(۴) اسناد لیس بذاک! ذاک کا اشارہ مشتغل بالحدیث کے ذہن کی طرف ہے یعنی اس کے ذہن میں جو قوت اسناد کا تصور ہے وہ یہاں مفقود ہے۔

(۵) هذا حديث جيد! حافظ ابن صلاح جید اور صحیح کو مساوی قرار دیتے ہیں لیکن بلقینی کہتے ہیں کہ امام ترمذی جید یا قوی کے ساتھ حدیث کو اس وقت موصوف کرتے ہیں جب حدیث حسن کے درجہ سے ترقی کر لے مگر صحیح تک نہ پہنچ سکے۔ اور یہی بات صحیح ہے۔

(۶) هذا اصح من ذالک! اس قسم کے مقامات پر اصح عموماً ارجح کے معنی میں ہوتا ہے یعنی دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور یہاں میں اصح ہے۔ یا دونوں حسن ہیں اور یہاں میں زیادہ قوی ہے یا

دونوں ضعیف ہیں اور یہ ان میں کم درجہ کی ضعیف ہے۔ اسی طرح جب ھٰذا اصح شئی فی ھٰذا الباب کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس باب کی سب احادیث صحیح ہیں بلکہ بسا اوقات باب کی تمام احادیث ضعیف ہوتی ہیں اور جس حدیث کو امام ترمذی ترجمۃ الباب کے اثبات کے لیے وارد کرتے ہیں وہ ان سب میں کم درجہ ضعیف ہوتی ہے اس لیے کہتے ہیں ھذا اصح شئی فی ھذا الباب۔

(۷) **ھٰذا حدیث غریب:** امام ترمذی نے کتاب العلل میں غرابت حدیث کی تین وجہیں بیان کی ہیں اول یہ کہ سند حدیث میں ایک راوی اپنے شیخ سے اس حدیث کی روایت میں منفرد ہوتا ہے اگرچہ دوسرے طرق کے لحاظ سے وہ حدیث مشہور ہوتی ہے اس کی مثال یہ ہے، عن حماد بن سلمۃ عن ابی العشراء عن ابیہ قال قلت یا رسول اللّٰہ اما تکون الزکاۃ الا فی الحلق فقال لو طعنت فی فخذھا اجزاء عنک[1] حماد بن سلمہ کے علاوہ اور کوئی شخص ابو العشراء سے اس حدیث کی روایت نہیں کرتا اس وجہ سے یہ حدیث غریب قرار پائی۔ ثانی یہ کہ ایک متن حدیث متعدد طرق سے مروی ہے مگر صرف ایک راوی متن حدیث میں دوسروں کی بنسبت کچھ زیادتی بیان کرتا ہے تب بھی وہ حدیث غریب کہلاتی ہے بشرطیکہ وہ راوی ایسا ہو جس کے حافظہ پر اعتماد ہو ورنہ وہ حدیث مدرج ہوگی، اس کی مثال یہ ہے:۔ عن مالک بن انس عن نافع عن ابن عمر قال فرض رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر من رمضان علی کل حر او عبد ذکر او انثی من المسلمین صاعا من تمر او صاعا من شعیر۔ امام مالک کے علاوہ دوسرے طرق سے بھی یہ حدیث مروی ہے اس میں من المسلمین کے الفاظ نہیں ہیں یہ زیادتی صرف امام مالک کی روایت میں ہے اس لیے یہ حدیث غریب کہلائی ثالث یہ کہ عام آئمہ حدیث کے نزدیک وہ حدیث کسی خاص سند سے معروف ہو اور اس کے سوا کسی اور طریقہ سے اس حدیث کی روایت کی جائے پھر بھی وہ غریب ہوگی اس کی مثال یہ ہے:۔ حدثنا ابو ھشام و ابو السائب والحسین بن الاسود قالوا انا ابو اسامۃ عن برید بن عبد اللّٰہ بن ابی بردۃ عن جدہ ابی بردۃ عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال الکافر یاکل فی سبعۃ امعاء والمومن یاکل فی معا واحد؛ اس حدیث کی جو سند محمود بن غیلان اور امام بخاری اور دوسر

---

[1] یہ اجازت حالت اضطرار کے لیے ہے۔

ائمہ حدیث کے نزدیک معروف ہے وہ یہ ہے: عن ابی اسامۃ عن برید بن عبد اللہ الخ؛ اور امام ترمذی کی سند چونکہ اس سند معروف کے خلاف ہے لہٰذا اس سند کیساتھ یہ حدیث غریب ہو گئی۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ جب میں نے امام بخاری کو بتلایا کہ ابو کریب کے علاوہ ابو ہشام، ابو السائب اور حسین بن اسود بھی اس حدیث کی روایت کرتے ہیں تو وہ حیران رہ گئے اور کہنے لگے میں نہیں جانتا تھا کہ اس حدیث کو ابو کریب کے علاوہ بھی اور کوئی روایت کرتا ہے۔

(۸) **هذا حديث حسن**: جب امام ترمذی کسی حدیث کے ساتھ صرف حسن لکھتے ہیں یعنی صحیح یا غریب کے الفاظ اس کے ساتھ نہیں ہوتے اس وقت ان کی مراد اس حدیث سے وہ حدیث ہوتی ہے جو شاذ ہو اس کے راوی متہم بالکذب نہ ہوں اور وہ طرق متعددہ سے مروی ہو۔

کتاب العلل

(۹) **اهل الرای**: اس لقب سے عام طور پر امام ترمذی احناف کا ارادہ کرتے ہیں رہا یہ کہ احناف کو اہل الرای کس وجہ سے کہتے ہیں تو امام ترمذی کے ساتھ حسن ظن یہی ہے کہ وہ احناف کو ان کی دقت رائے اور اصابت فکر کی وجہ سے اہل الرای کہتے ہیں۔

(۱۰) **بعض اهل الکوفة**: عام طور پر ان الفاظ سے امام ابو حنیفہ کا اور کہیں کہیں سفیان ثوری کا ارادہ کرتے ہیں۔ امام ترمذی نے یہ التزام کیا ہے کہ جامع ترمذی میں دنیا بھر کے مجتہدین کا ذکر کیا لیکن ایک جگہ کے سوا اس کتاب میں کسی جگہ بھی امام الائمہ سراج الامۃ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نہیں لیا[۱] البتہ کتاب العلل میں جابر جعفی سے متعلق امام ابو حنیفہ کی ایک روایت ذکر کی ہے اور وہ یہ ہے: حدثنا محمود بن غیلان حدثنا ابو یحییٰ الحمانی قال سمعت ابا حنیفۃ یقول مارایت احدا اکذب من جابر الجعفی ولا افضل من عطا بن ابی رباح؛ ہم اس طرز عمل پر اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں، یغفر اللہ لنا ولہ ولسائر المسلمین؛

شرائط

حافظ ابو الفضل بن طاہر حازمی شروط ائمہ میں ذکر کرتے ہیں کہ امام ترمذی نے اپنی جامع میں پہلے چار طبقات کے راویوں سے استیعاب کیا ہے (۱) کامل الضبط والاتقان وکثیر الملازمۃ مع الشیخ (۲) کامل الضبط والاتقان وقلیل الملازمۃ مع الشیخ (۳)

[۱] باب فی اشعار البدن میں امام ترمذی نے وبقول ابو حنیفہ ہو شذا کہہ کر امام اعظم کا مذہب ذکر کیا ہے (جامع ترمذی ص ۵۲)

ناقص الضبط والاتقان وکثیر الملازمۃ مع الشیخ (۴) ناقص الضبط والاتقان وقلیل الملازمۃ مع الشیخ۔
ان چار طبقوں کے علاوہ ایک پانچواں طبقہ بھی ہے ناقص الضبط وقلیل الملازمۃ مع غوائل الجرح جس کو ضعفاء اور مجہولین سے تعبیر کیا جاتا ہے امام ترمذی نے حسبِ ضرورت اس طبقہ سے بھی روایات کا انتخاب کیا ہے۔

حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں کہ جامع ترمذی کی احادیث کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) وہ احادیث جو امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط پر صحیح ہیں۔

(۲) وہ احادیث جو امام نسائی اور امام ابو داؤد کی شرائط کے مطابق صحیح ہیں۔

(۳) وہ احادیث جن کا ابو داؤد اور نسائی نے اخراج کیا اور ان کی علت ظاہر کر دی۔

(۴) وہ احادیث جن کا خود امام ترمذی نے اخراج کیا اور ان کی علت بیان کر دی[1]

تساہل احادیث پر کوئی حکم لگانے میں اور ان کی قسم متعین کرنے میں بعض اوقات امام ترمذی سے تساہل بھی واقع ہوا ہے مثلاً امام ترمذی روایت کرتے ہیں، حدثنا زیاد بن ایوب البغدادی نا ابو عامر البغدادی نا کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف المزنی عن ابیہ عن جدہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان فی الجمعۃ ساعۃ لا یسأل اللہ العبد فیہا شیئاً الا آتاہ اللہ ایاہ قالوا یا رسول اللہ ایۃ ساعۃ ھی قال حین تقام الصلوٰۃ الی الانصراف منہا۔ اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی لکھتے ہیں قال ابو عیسیٰ حدیث عمرو بن عوف حدیث حسن غریب[2]

امام ترمذی نے کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف مزنی کی اس حدیث کو حسن قرار دیا حالانکہ کثیر بن عبد اللہ مزنی وہ شخص ہے جس کے بارے میں امام شافعی اور امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ یہ کذاب ہے امام ابو زرعہ اس کو واہی الحدیث اور لیس بالقوی لکھتے ہیں۔ ابو حاتم لیس بالمتین کہتے ہیں۔ نسائی اور دارقطنی لکھتے ہیں کہ یہ متروک الحدیث ہے ابراہیم بن منذر نے کہا کہ یہ شخص سخت جھگڑالو تھا اور ہم میں سے کوئی شخص اس سے روایت نہیں کرتا تھا۔ علی بن مدینی، احمد بن حنبل اور ابو نعیم نے اس کو ضعیف قرار

---

[1] حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ — تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۴۹۳

[2] ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ — جامع ترمذی ص ۹۷

دیا۔ ابن سعد اس کو ضعیف اور قلیل الحدیث کہتے ہیں۔ ابن سکن نے کہا اس کا جو نسخہ عن ابیہ عن جدہ مروی ہے اس میں نظر ہے حاکم نے کہا اس نسخہ میں ضعاف اور مناکیر ہیں اور ابن حبان نے کہا اس نسخہ میں موضوع روایات ہیں اس شخص کا نام اپنی کتاب میں لینا اور اس سے احادیث کی روایت کرنا جائز نہیں ہے۔[1] خیال رہے کہ امام ترمذی نے کثیر بن عبداللہ کی جس روایت کو یہاں حسن قرار دیا ہے وہ عن ابیہ عن جدہ ہی ہے۔

کثیر بن عبداللہ مزنی کی روایت کو حسن قرار دینا تو ایک تسامح تھا ہی اس سے بڑا تسامح یہ ہے کہ امام ترمذی نے اس کی ایک روایت کو صحیح بھی قرار دیا ہے اور وہ روایت بھی عن ابیہ عن جدہ ہے جس کو ابن حبان موضوعات میں سے اور حاکم ضعاف اور مناکیر میں سے شمار کرتے ہیں۔ روایت ملاحظہ ہو۔

حدثنا الحسن بن علی الخلال ثنا ابو عامر العقدی ثنا کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزنی عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الصلح جائز بین المسلمین الا صلحا حرم حلالا او احل حراما والمسلمون علی شروطھم الا شرطا حرم حلالا او احل حراما۔ اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی لکھتے ہیں ھذا حدیث حسن صحیح[2]

اسی طرح ایک اور حدیث امام ترمذی روایت کرتے ہیں: حدثنا ابو کریب و محمد بن عمرو السواق قالا نا یحیی بن الیمان عن المنہال بن خلیفہ عن الحجاج بن ارطاۃ عن عطاء عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل قبرا لیلا فاسرج لہ سراج فاخذہ من قبل القبلۃ وقال رحمک اللہ ان کنت لاواھا تلاء للقران وکبر علیہ اربعا[3]

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے یحیی بن یمان اس کو امام احمد بن حنبل ضعیف قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں لیس بحجۃ، ابن معین لکھتے ہیں کہ یہ شخص اس کی پرواہ نہیں کرتا تھا کہ کونسی حدیث بیان کر رہا ہے احادیث میں اس کو وہم لاحق ہوتے تھے اور یہ ثقہ نہ تھا عبداللہ بن علی بن مدینی کہتے ہیں کہ اس کا حافظہ بگڑ گیا تھا یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ یہ شخص کثیر الغلط تھا اور احادیث میں اس سے

---

[1] شہاب الدین ابن حجر العسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۲۲

[2] ابو عیسی ترمذی متوفی ۲۷۹ھ — جامع ترمذی ص ۲۱۳

[3] ایضاً " " — " " ص ۱۷۱

خطا ہوتی تھی۔ ابو داؤد لکھتے ہیں کہ یہ احادیث مقلوب کر دیا کرتا تھا اور اس سے احادیث میں خطا ہوتی تھی۔ امام نسائی اس کو کہتے ہیں لیس بالقوی اور ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی عام روایات غیر محفوظ ہیں[1] اور اسی شخص کی حدیث کے بارے میں امام ترمذی لکھتے ہیں ھذا حدیث حسن۔

اسی طرح بعض دفعہ ایک حدیث منکر ہوتی ہے اور امام ترمذی اس کو شاذ قرار دیتے ہیں خیال رہے کہ منکر وہ حدیث ہے جس میں ضعیف ثقہ کی مخالفت کرے اس کو غیر محفوظ بھی کہتے ہیں۔ بہر حال امام ترمذی نے جس منکر حدیث کو غیر محفوظ کہا ہے اس کی مثال یہ ہے حدثنا محمد بن عبید المحاربی نا عبد الرحمان بن زید بن اسلم عن ابیہ عن عطاء بن یسار عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث لا یفطرن الصائم الحجامۃ والقیئ والاحتلام اس کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں قال ابو عیسیٰ حدیث ابی سعید الخدری غیر محفوظ[2]

اس کی وجہ امام ترمذی نے یہ بیان کی ہے کہ اس سند کا ایک راوی عبد الرحمان بن زید اس حدیث کو ابو سعید خدری سے موصولاً روایت کرتا ہے جبکہ دوسرے ثقہ راوی عبد اللہ بن زید، عبد العزیز بن محمد اور دوسرے ثقات اس کو مرسلاً روایت کرتے ہیں اور ابو سعید خدری کا ذکر نہیں کرتے اور عبد الرحمان بن زید جو ان ثقہ راویوں کی مخالفت کر رہا ہے خود ضعیف راوی ہے۔ امام ترمذی نے امام احمد بن حنبل اور امام بخاری کی شہادتوں سے اس کا ضعف ثابت کیا ہے لہٰذا یہ حدیث منکر ہوئی اور امام ترمذی کا اس کو غیر محفوظ کہنا محض تساہل ہے۔

بعض اوقات ایک حدیث متصل ہوتی ہے اور امام ترمذی اس کو منقطع قرار دیتے ہیں اس کی مثال یہ ہے امام ترمذی روایت کرتے ہیں، حدثنا ھناد نا ھیثم عن ابی الزبیر عن نافع بن جبیر بن مطعم عن ابی عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود قال قال عبد اللہ ان المشرکین شغلوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اربع صلوات یوم الخندق حتی ذھب من اللیل ماشاء اللہ فامر بلالا فاذن ثم اقام فصلی العصر ثم اقام فصلی المغرب ثم اقام فصلی العشاء اس حدیث کے بعد امام ترمذی لکھتے ہیں۔

---

[1] شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۰۶

[2] ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۱۲۷

حدیث عبد اللہ لیس باسنادہ باس الا ان ابا عبیدہ لم یسمع من عبد اللہ۔[1]

امام ترمذی کا یہ کہنا کہ ابو عبیدہ نے عبد اللہ بن مسعود سے سماع نہیں کیا صحیح نہیں ہے عبد اللہ بن مسعود کی وفات کے وقت ابو عبیدہ کی عمر سات سال تھی[2] اور جب پانچ سال کی عمر میں سنی ہوئی احادیث کی روایت جائز ہے جیسا کہ محمود بن ربیع نے پانچ سال کی عمر میں حضور سے سنی ہوئی حدیث کی روایت کی ہے[3] اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے چھ سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی احادیث کی روایت کی ہے[4] تو یہ کیوں نہیں جائز کہ ابو عبیدہ نے سات سال کی عمر میں اپنے والد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنی ہوئی احادیث کی روایت کی ہو۔ علامہ عینی لکھتے ہیں کہ محدثین نے غیر معروف راویوں کا سات سال کی عمر میں سماع تسلیم کیا ہے تو ابو عبیدہ جیسے معروف تابعی کا عبد اللہ بن مسعود جیسے معروف صحابی سے سات سال کی عمر میں سماع کا کیونکر انکار ہو سکتا ہے۔

کرابیسی نے کتاب المدلسین میں اور حاکم نے مستدرک میں ابو عبیدہ کی عبد اللہ بن مسعود سے روایت کا ذکر کیا ہے اور طبرانی نے معجم اوسط میں سند صحیح کے ساتھ ابو عبیدہ سے عبد اللہ بن مسعود سے سماع کی تصریح کی ہے اور وہ سند یہ ہے، عن زیاد بن سعد عن ابی الزبیر قال حدثنی یونس بن عتاب الکوفی قال سمعت ابا عبیدہ بن عبد اللہ یذکر انہ سمع اباہ یقول کنت مع النبی علیہ الصلوۃ والسلام فی سفر الحدیث۔ اور جب سند صحیح کے ساتھ خود ابو عبیدہ کی عبد اللہ بن مسعود سے سماع کی تصریح موجود ہے[5] تو امام ترمذی کا نفی سماع کا قول کرنا تساہل کے سوا اور کچھ نہیں۔

امام ترمذی کے تساہل کی بحث میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیئے کہ حدیث ضعیف کو حسن یا صحیح کہنے میں انہوں نے ضرور تساہل کیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ ایک یقینی امر ہے کہ جامع ترمذی میں

---

[1] ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ — جامع ترمذی ص ۵۲

[2] حافظ بدر الدین العینی المتوفی ۸۵۵ھ — عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۰۳

[3] امام محمد بن اسماعیل بخاری المتوفی ۲۵۶ھ — صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱

[4] شہاب الدین ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ — تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۴۵

[5] الشیخ الحافظ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ — عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۰۲

انہوں نے کوئی موضوع حدیث شامل نہیں کی۔ محدث ابن جوزی نے جامع ترمذی کی تئیس ۲۳ احادیث کو موضوع قرار دیا ہے لیکن یہ ابن جوزی کا تشدد ہے اور اس باب میں ان کی عادت مشہور ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے الذب عن السنن میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان میں سے کوئی روایت موضوع نہیں ہے۔

تعداد احادیث شیخ محمد فواد مصری نے جامع ترمذی کی کل احادیث مقصودہ کی تعداد ۱۲۸۵ بتلائی ہے اور توابع اور شواہد کو شامل کرکے شیخ ابراہیم مصری نے جملہ احادیث کی تعداد ۳۹۵۶ بتائی ہے۔

اعلیٰ اسانید امام ترمذی کی جو حدیث اعلیٰ اسانید پر مشتمل ہے وہ ثلاثی ہے یعنی اس میں امام ترمذی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔

جامع ترمذی میں صرف ایک ثلاثی ہے اور وہ یہ ہے:۔ حدثنا اسماعیل بن موسی الفزاری ابن ابنۃ السدی الکوفی نا عمر بن شاکر عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاتی علی الناس زمان الصابر فیہم علی دینہ کالقابض علی الجمر[1]

ملا علی قاری رحمہ الباری کو اس جگہ ایک تسامح لاحق ہوا ہے اور انہوں نے امام ترمذی کی اس حدیث کو ثنائی قرار دیا ہے[2] یعنی اس حدیث میں امام ترمذی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف دو واسطے ہیں حالانکہ سند حدیث سے ظاہر ہے کہ یہاں امام ترمذی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تین راوی ہیں۔ اسماعیل بن موسیٰ، عمر بن شاکر اور انس بن مالک۔

کتب صحاح میں جامع ترمذی کا مقام صحت احادیث اور قوت سند کے اعتبار سے جامع ترمذی کا مرتبہ نسائی اور ابوداؤد کے بعد ہے اور کتب صحاح میں یہ پانچویں درجہ پر آتی ہے کیونکہ امام ترمذی طبقہ رابعہ سے اصالۃً احادیث روایت کرتے ہیں جبکہ نسائی اور ابوداؤد اس طبقہ سے صرف انتخاب کرتے ہیں۔ نیز امام ترمذی ضعفاء اور مجہولین کے پانچویں طبقہ سے بھی روایت قبول کر لیتے ہیں جبکہ نسائی اور ابوداؤد اس طبقہ

---

[1] امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ — جامع ترمذی ص ۳۲۹

[2] ملا علی القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ — مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۲۳

سے احتراز روایت نہیں کرتے اسی سبب سے حافظ جلال الدین سیوطی امام ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جامع ترمذی کا مقام سنن نسائی اور ابو داؤد کے بعد ہے کیونکہ امام ترمذی مصلوب اور کلبی کی روایات کا بھی اخراج کر لیتے ہیں [1]

البتہ حسن ترتیب، حدیث اور فقہ کے متعدد علوم کے شمول اور افادیت کے لحاظ سے جامع ترمذی نسائی اور ابو داؤد پر مقدم ہے۔ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ جامع ترمذی کے بارے میں یہ بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ مجتہد کے لیے کافی ہے اور مقلد کے لیے مغنی ہے اور غالباً اسی وجہ سے حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس کو ثالث الکتب الستہ سے تعبیر کیا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی شاید اسی وجہ سے بخاری اور مسلم کے بعد اسی کا ذکر کرتے ہیں؛

شروح جامع ترمذی کی شروح بھی بکثرت تصنیف کی گئی ہیں لیکن بعض نامکمل رہیں بعض طبع نہ ہو سکیں اور اکثر نایاب ہیں خصوصاً برصغیر میں تو جامع ترمذی کی کوئی معتدبہ اور مشہور شرح دستیاب نہیں ہے۔ سطور ذیل میں چند شروح کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) **عارضۃ الاحوذی**:- یہ شرح الحافظ ابو بکر محمد بن عبداللہ الاشبیلی المالکی المتوفی ۵۴۶ھ کی تالیف ہے جو ابن العربی کے نام سے مشہور ہیں۔

(۲) **المنفح الشذی**:- یہ شرح حافظ ابوالفتح محمد بن محمد الشافعی المتوفی ۷۳۴ھ کی تالیف ہے یہ ایک مبسوط کتاب ہے ترمذی کے دو ثلث سے کم کی شرح دس جلدوں میں کی گئی ہے مصنف اس شرح کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے بعد میں حافظ زین الدین عراقی نے اس کو مکمل کرنا شروع کیا لیکن وہ بھی پوری نہ کر سکے؛

(۳) **شرح الزوائد علی الصحیحین و ابی داؤد**:- یہ شرح سراج الدین عمر بن علی ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ کی تصنیف ہے۔

(۴) **العرف الشذی**:- یہ سراج الدین عمر ابن رسلان البلقینی المتوفی ۸۰۵ھ کی تالیف ہے اور نامکمل ہے۔

(۵) **شرح الجامع**:- یہ شرح حافظ زین الدین عراقی متوفی ۸۰۶ھ کی تالیف ہے اور ناتمام ہے۔

---

[1] الحافظ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ تدریب الراوی ص ۵۶

(۶) **شرح الترمذی:** یہ شرح حافظ زین الدین عبدالرحمان بن احمد بن نقیب الحنبلی المتوفی ..... کی تالیف ہے۔ یہ شرح بیس جلدوں پر مشتمل تھی مگر ایک فتنہ میں جل کر ضائع ہوگئی۔

(۷) **شرح الترمذی:** یہ شرح الحافظ زین الدین عبدالرحمان بن احمد بن رجب الحنبلی المتوفی ۹۵،ھ کی تالیف ہے۔

(۸) **قوت المغتذی:** یہ شرح الحافظ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی تصنیف ہے۔

(۹) **شرح ترمذی:** یہ شرح علامہ محمد طاہر گجراتی صاحب مجمع البحار المتوفی ۹۸۶ھ کی تالیف ہے۔

(۱۰) **نفع قوت المغتذی:** یہ شرح علامہ سید علی بن سلیمان المالکی المتوفی ۱۲۹۸ھ کی تالیف ہے۔[1]

مختصرات

شروح کے علاوہ جامع ترمذی کی مختصرات بھی تصنیف کی گئی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) **مختصر الجامع:** یہ نجم الدین سلیمان بن عبدالقوی الحنبلی المتوفی ۷۱۰ھ کی تالیف ہے۔

(۲) **مختصر الجامع:** یہ نجم الدین محمد ابن عقیل الشافعی المتوفی ۷۲۹ھ کی تالیف ہے۔[2]
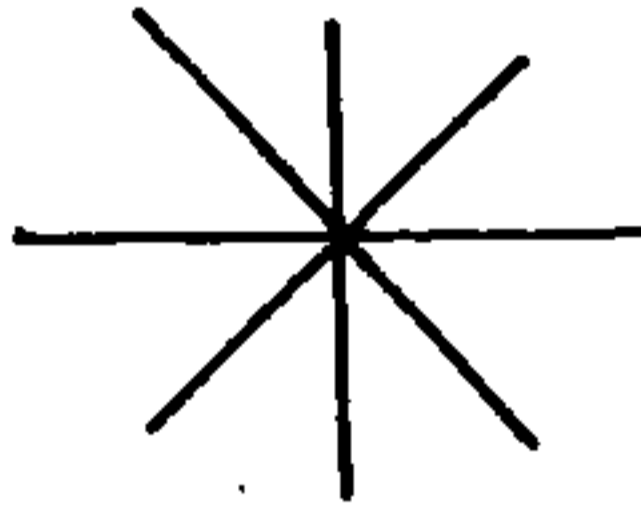
[1] ان شروح میں سے اکثر کا تذکرہ حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ نے کشف الظنون ج ۱ ص ۵۵۶ میں کیا ہے۔

[2] حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ کشف الظنون ج ۱ ص ۵۵۶

امام ابوداؤد

امام بخاری اور مسلم کے بعد جو امام حدیث سب سے زیادہ مرتبہ اور مقام کے مالک ہیں وہ امام ابوداؤد بجستانی ہیں جس زمانہ میں امام ابوداؤد نے تصنیف و تالیف کا آغاز کیا اس وقت عام طور پر علم حدیث میں جوامع اور مسانید کی تالیف کی جاتی تھی انہوں نے سب سے پہلے کتاب السنن لکھ کر علم حدیث میں ایک نئی راہ دکھلائی اور اس کے بعد متعدد ائمہ حدیث نے ان کے چراغ سے چراغ جلانے شروع کر دیئے اور فن حدیث میں کتب سنن کا ایک قابل قدر ذخیرہ جمع ہو گیا۔

امام ابوداؤد علم و حکمت میں جس طرح بے مثال تھے اسی طرح عبادت و ریاضت میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے علماء اور فضلاء ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، اولیاء کرام ان کی زیارت کیلئے آتے اور حکام وقت ملاقات کے لیے پہروں ان کے دروازے پر کھڑے رہتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں بے پناہ شہرت اور مقبولیت عطا فرمائی تھی وہ جس قدر دین کی خدمت کی لگن رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اتنا ہی اونچا کر دیا۔

ولادت و سلسلہ نسب

امام ابوداؤد کے نسب میں اختلاف ہے حافظ ابن حجر عسقلانی[1] نے آپ کا نسب ابوداؤد سلیمان بن الاشعث بن شداد بن عمرو بن عامر بیان کیا ہے بعض لوگوں نے عامر کی جگہ عمران بھی لکھا ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عمران جنگ صفین میں حضرت علی کی رفاقت میں شہید ہو گئے تھے اور ابن داسہ اور آجری نے آپ کا نسب یوں بیان کیا ہے حافظ ابوداؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بجستانی[1]

امام ابوداؤد ۲۰۲ھ کو بجستان میں خاندان ازد کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ یہ سال ولادت خود امام ابوداؤد کا بیان کردہ ہے۔

---

[1] حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۶۹

وطن مالوف اس بات پر مورخین کا اتفاق ہے کہ امام ابو داؤد کا وطن سجستان ہے البتہ سجستان کے تعیین میں مورخین کا اختلاف ہے ابن خلکان نے بیان کیا ہے کہ سجستانی کی نسبت سجستان کی طرف ہے جو بصرہ کی ایک بستی ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اس پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس نسبت کی تحقیق میں ابن خلکان نے مغالطہ کھایا ہے اور ان جیسے شخص سے اس مغالطہ پر حیرت ہے کیونکہ انہیں تاریخ اور تصحیح انساب میں کمال حاصل تھا چنانچہ امام تاج الدین سبکی نے بھی ان کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ابن خلکان کا وہم ہے اور صحیح یہ ہے کہ سجستانی کی نسبت سجستان کی طرف ہے اور وہ سندھ اور ہرات کے درمیان قندھار سے متصل ایک مشہور ملک ہے جو ہند کے پہلو میں واقع ہے اور بزرگان چشت کا مشہور شہر چشت بھی اسی ملک میں ہے۔ زمانہ قدیم میں بست اس ملک کا پایۂ تخت تھا۔ اہل عرب اس ملک کی طرف نسبت کرتے ہوئے سجزی بھی کہہ دیتے ہیں [۱]

تحصیل علم حدیث ابتدائی تعلیم کے بعد امام ابوداؤد نے علم حدیث کی طرف رغبت کی اور اپنے وقت کے مشہور اور جید اساتذہ اور جلیل القدر آئمہ حدیث سے اس علم کو حاصل کیا علم حدیث کی تحصیل کی خاطر انہوں نے متعدد اسلامی شہروں کا سفر کیا خاص طور پر مصر و شام، حجاز عراق اور خراسان وغیرہ میں کثرت کے ساتھ قیام کر کے علم حدیث حاصل کیا۔

سنن داؤد میں انہوں نے اپنے ایک سفر کا واقعہ لکھا ہے فرماتے ہیں کہ میں نے مصر میں ایک لمبی ککڑی دیکھی جب اس کی پیمائش کی تو وہ تیرہ بالشت نکلی۔ نیز میں نے ایک بہت بڑا ترنج دیکھا جب اس کو کاٹ کر اونٹ پر لادا تو اس کے دونوں حصے بڑے نقاروں کی مانند معلوم ہوتے تھے [۲]

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ امام ابوداؤد بصرہ میں سکونت رکھتے تھے اور تحصیل علم کے دوران اُن گنت مرتبہ بغداد گئے اور وہیں بیٹھ کر انہوں نے اپنی کتاب السنن لکھی۔ امام ابوداؤد نے اپنے بصرہ کے سفر کا ایک واقعہ لکھا کہ میں عثمان مؤذن سے سماع کے لیے بصرہ گیا۔ جس دن بصرہ پہنچا اسی دن ان کا انتقال ہو گیا [۳]

۱۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۲۹ھ — بستان المحدثین ص ۲۸۳

۲۔ الحافظ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ — تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۹۲

۳۔ الحافظ ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ — تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۷۱

سادگی امام ابوداؤد حفظ حدیث، اتقان روایت اور عبادت و ریاضت میں جس قدر بلند درجہ پر فائز تھے طبیعت کے اعتبار سے اسی قدر سادہ اور منکسر المزاج تھے ان کی سادگی اور بے نفسی کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی ایک آستین فراخ اور دوسری آستین تنگ رکھا کرتے تھے جب ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا ایک آستین کشادہ اس لیے رکھتا ہوں کہ اس میں اپنی کتاب کے کچھ اجزا رکھ سکوں اور دوسری آستین بلا ضرورت کشادہ رکھنا اسراف میں داخل سمجھتا ہوں۔[1]

اساتذہ جن مشاہیر اور اعاظم اساتذہ حدیث سے امام ابوداؤد نے روایت حدیث کی ہے ان کی پوری فہرست تو بے حد طویل ہے چند اسماء یہ ہیں:- ابوسلمہ تبوذکی، ابوالولید طیالسی، محمد بن کثیر العبدی، مسلم بن ابراہیم، ابوعمر حوضی، ابوتوبہ حلبی، سلیمان بن عبدالرحمان دمشقی، سعید بن سلیمان واسطی صفوان بن صالح دمشقی، ابوجعفر نفیلی، احمد، علی، یحییٰ، اسحاق، قطن بن نسیر یہ اسماء علامہ ابن حجرؒ نے ذکر کیے ہیں ان کے علاوہ حافظ ذہبی نے ابوعمرو ضریر، قعنبی، عبداللہ بن رجاء، احمد بن یونس اور سلیمان بن حرب کا بھی امام ابوداؤد کے اساتذہ میں تذکرہ کیا ہے۔[2]

امام ابوداؤد خود اپنے مشائخ کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوعمرو ضریر سے ایک مجلس میں سماع کیا۔ ایک مجلس میں سعدویہ سے سماع کیا اسی طرح عاصم بن علی سے بھی ایک مجلس میں سماع کیا۔ نیز فرماتے ہیں کہ میں عمر بن حفص کے پیچھے ان کے گھر گیا لیکن ان سے کسی چیز کا سماع نہ کر سکا۔ آجری لکھتے ہیں کہ امام ابوداؤد نے ابن حمانی، سوید، ابن کاسب، ابن حمید اور ابن وکیع سے کبھی حدیث روایت نہیں کی اور خلال بیان کرتے ہیں کہ امام ابوداؤد نے امام احمد بن حنبل سے بھی ایک حدیث کا سماع کیا تھا اور وہ اس بات پر بے حد فخر کیا کرتے تھے۔[3]

تلامذہ:- امام ابوداؤد کے تلامذہ کا حلقہ بھی بے حد وسیع تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے آپ

---

[1]	الحافظ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ	تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۶۱
[2]	الحافظ ابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ	تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۶۹
[3]	امام شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ	تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۹۱
[4]	حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ	تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۷۱

کے تلامذہ میں ان حضرات کا ذکر کیا ہے :۔ ابو علی محمد بن احمد بن عمرو اللولوئی ، ابو طیب ، احمد بن ابراہیم بن عبدالرحمان باشنانی ، ابو عمرو احمد بن علی بن الحسن البصری ، ابو سعید احمد بن محمد بن زیاد اعرابی ، ابو بکر محمد بن عبدالرزاق بن داسہ ، ابو الحسن علی بن الحسن بن العبد الانصاری ، ابو عیسیٰ اسحاق بن موسیٰ بن سعید رملی وراقہ ، ابو اسامہ محمد بن عبدالملک بن یزید رواس یہ وہ خوش نصیب حضرات ہیں جنہوں نے امام ابو داؤد سے سنن ابو داؤد کو روایت کیا ہے ۔ ان کے علاوہ ابو عبداللہ محمد بن احمد بن یعقوب البصری ہیں جنہوں نے امام ابو داؤد سے کتاب الرد علی اہل القدر کو روایت کیا ہے اور ابو بکر احمد بن سلیمان النجار ہیں جنہوں نے امام ابو داؤد سے کتاب الناسخ والمنسوخ کو روایت کیا ہے اور حافظ ابو عبید محمد بن علی بن عثمان آجری ہیں انہوں نے امام ابو داؤد سے کتاب المسائل کو روایت کیا ہے اور اسماعیل بن محمد صفار ہیں انہوں نے امام ابو داؤد سے مسند مالک کو روایت کیا ہے ان کے علاوہ امام ابو عبدالرحمان نسائی ، امام ابو عیسیٰ ترمذی ، حرب بن اسماعیل کرمانی ، ذکریا ساجی ، ابو بکر احمد بن محمد بن ہارون الخلال الحنبلی ، عبداللہ بن احمد بن موسیٰ عبدان الاہوزی ، ابو بشر محمد بن احمد الدولابی ، ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی ، ابو بکر بن ابی داؤد ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی الدنیا ، ابراہیم بن حمید بن ابراہیم بن یونس عاقولی ، ابو حامد احمد بن جعفر اصبہانی احمد بن علی بن یزید دمشقی ، احمد بن محمد بن یاسین ہروی ، حسن بن صاحب الشاشی ، حسین بن ادریس انصاری ، عبداللہ بن محمد بن عبدالکریم رازی ، علی بن عبدالصمد ، محمد بن مخلد دوری ، محمد بن جعفر بن مستفاض فریابی اور ابو بکر محمد بن یحییٰ صولی[1] ان کے علاوہ امام ابو عیسیٰ ترمذی صاحب الجامع اور امام ابو عبدالرحمان نسائی صاحب السنن کو بھی امام ابو داؤد سے شرف تلمذ حاصل ہے ۔

کلمات ثناء امام ابو داؤد کی علم حدیث میں بے نظیر مہارت اور ان کی عظیم خدمات پر ان کے اساتذہ ، معاصرین اور دیگر علماء نے ان کی بے حد تعریف اور تحسین کی ہے ۔ نیز ان کی خدا خوفی ، پاک دامنی اور عبادت و ریاضت کی بھی لوگوں نے بے حد قدر کی ہے چنانچہ احمد بن محمد بن یاسین ہروی کہتے ہیں کہ وہ حافظ حدیث تھے اور سند حدیث اور اس کی علل کے ماہر تھے خدا سے بے حد ڈرتے تھے اور بے حد عبادت گذار تھے ۔ محمد بن اسحاق صغانی اور ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امام ابو داؤد کے لیے علم حدیث اس طرح سہل کر دیا تھا جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۷۱

ملازم کر دیا تھا اور موسیٰ بن ہارون کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابو داؤد کو دنیا میں خدمت حدیث کے لیے اور آخرت میں جنت کے لیے پیدا کیا تھا اور ابو حاتم بن حبان نے کہا کہ ابو داؤد علم حدیث، علم فقہ اور تقویٰ اور خدا خوفی میں دنیا والوں کے امام تھے اور ابو عبداللہ بن مندہ نے کہا کہ جن لوگوں نے احادیث کا اخراج کیا اور حدیث معلول کو غیر معلول او صواب کو خطا سے تمیز کیا وہ دنیا میں صرف چار شخص تھے۔ امام بخاری، امام مسلم اور ان کے بعد ابو داؤد اور نسائی [۱]

حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ امام ابو داؤد عالم باعمل تھے۔ حاکم نے کہا کہ وہ اپنے زمانہ میں تمام اصحاب حدیث کے امام تھے اور بعض آئمہ نے بیان کیا ہے کہ ابو داؤد اپنے خصائل میں امام احمد بن حنبل کے مشابہ تھے اور امام احمد اپنی سیرت میں امام وکیع کے مشابہ تھے اور وکیع، سفیان کے اور سفیان، منصور کے مشابہ تھے اور منصور ابراہیم نخعی کے اور ابراہیم نخعی، علقمہ کے مشابہ تھے اور علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اور حضرت عبداللہ بن مسعود، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے اور ان مشائخ اور اساتذہ کے واسطوں سے امام ابو داؤد کی سیرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مشابہ تھی [۲]

رجوع خلائق

امام ابو داؤد کے پاس ہر قسم کے لوگ آتے تھے۔ عقیدت مندوں کا ہر وقت ہجوم رہتا تھا۔ تشنگان علوم حدیث دور دراز سے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی علمی پیاس بجھاتے۔ معاصرین علماء آپ کی مجلس میں مختلف علمی موضوعات پر مذاکرات کرتے خدا رسیدہ اور درویش صفت بزرگ آکر آپ کی زیارت کرتے اور بسا اوقات شاہان وقت بھی آکر آپ کے دروازے پر دستک دیا کرتے تھے۔

قاضی ابو محمد احمد بن محمد بن لیث بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مشہور عارف باللہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری امام ابو داؤد سے ملاقات کے لیے آئے جب امام ابو داؤد کو معلوم ہوا تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے حضرت سہل کو خوش آمدید کہا حضرت سہل نے کہا اے امام ذرا اپنی وہ مبارک زبان دکھائیں جس سے آپ احادیث رسول بیان کرتے ہیں تاکہ میں اس مقدس زبان کو بوسہ دوں۔ امام ابو داؤد نے زبان مونہہ سے باہر نکالی اور حضرت سہل نے اس کو انتہائی عقیدت کے

---

[۱] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۷۲

[۲] حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ — تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۹۲

ساتھ بوسہ دیا۔[1]

عبداللہ بن محمد سکی کہتے ہیں کہ مجھ سے امام ابو داؤد کے ایک خادم ابوبکر بن جابر نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ میں امام ابو داؤد کے ساتھ بغداد میں تھا ہم مغرب کی نماز سے فارغ ہوئے تو کسی شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے جاکر دروازہ کھولا تو دروازہ پر امیر ابو احمد موفق کھڑا ہوا تھا۔ میں نے جاکر امام کو خبر دی انہوں نے امیر کو بلالیا اور پوچھا کہ اس وقت کون سی ضرورت امیر کو یہاں لے آئی ہے۔ امیر نے کہا میں تین سوال لے کر آیا ہوں۔ پوچھا کون کون سے امیر نے کہا پہلا سوال یہ ہے کہ آپ یہاں سے بصرہ تشریف لے چلیں اور اس کو اپنا وطن بنالیں تاکہ وہاں زیادہ طلباء آپ سے فیض یاب ہوسکیں۔ آپ نے پوچھا دوسرا سوال کون سا ہے۔ امیر نے کہا دوسری درخواست یہ ہے کہ آپ میری اولاد کے لیے کتاب السنن کی روایت کریں۔ آپ نے اس سے پھر تیسرا سوال پوچھا۔ امیر نے کہا تیسری درخواست یہ ہے کہ میری اولاد کو باقی طلباء سے علیحدہ پڑھائیں کیونکہ خلیفہ کی اولاد کے لیے عام لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر پڑھنا مشکل ہے آپ نے فرمایا تمہاری پہلی دو خواہشیں تو پوری ہو سکتی ہیں لیکن تیسری خواہش پوری نہیں ہوسکتی کیونکہ حصول علم میں عام طلباء اور خلیفہ کی اولاد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ امام ابو داؤد نے بصرہ میں درس قائم کر دیا۔ جہاں پر خلیفہ کے صاحبزادے بھی عام طلباء کے ساتھ بیٹھ کر اکتساب علم کیا کرتے تھے۔

تصانیف امام ابو داؤد کی زندگی طلب حدیث میں مختلف علاقوں کے سفر اور درس و تدریس کی بے پناہ مشغولیات میں گذری ہے اس کے باوجود مندرجہ ذیل تصانیف آپ سے یادگار ہیں۔

(۱) کتاب السنن (۲) کتاب المراسیل (۳) کتاب المسائل (۴) کتاب الرد علی القدریۃ (۵) کتاب الناسخ والمنسوخ (۶) کتاب التفرد (۷) کتاب فضائل الانصار (۸) مسند مالک بن انس (۹) کتاب الزہد (۱۰) دلائل النبوۃ (۱۱) کتاب الدعاء (۱۲) کتاب بدء الوحی (۱۳) اخبار الخوارج (۱۴) کتاب شریعۃ التفسیر (۱۵) فضائل الاعمال (۱۶) کتاب التفسیر (۱۷) کتاب نظم القرآن (۱۸)

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۷۲

کتاب فضائل القرآن (۱۹) کتاب البعث والنشور (۲۰)، کتاب شریعۃ المقاسی؛

وصال | تہتر سال کی قابل رشک اور لائق تقلید زندگی گذار کر امام ابو داؤد ۱۶ شوال ۲۷۵ھ کو جمعہ کے دن وصال فرما گئے۔[1] آپ نے وصیت کی تھی کہ حسن بن مثنیٰ سے آپ کو غسل دلایا جائے اور اگر وہ نہ ہوں تو حماد بن زید کی روایت کے مطابق آپ کو غسل دے دیا جائے چنانچہ آپ کی اس وصیت پر عمل کیا گیا۔[2]
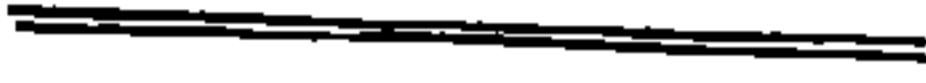
---

[1] حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ — تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۹۳

[2] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۷۲

سنن ابو داؤد

سنن ابو داؤد کی تصنیف سے پہلے کتب احادیث میں مسانید اور جوامع کا رواج تھا جس میں سنن اور احکام، اخبار اور قصص اور مواعظ اور آداب سب قسم کی احادیث شامل ہوتی تھیں۔ امام ابو داؤد نے سب سے پہلے مجرد سنن میں یہ کتاب تالیف کی جب اس کتاب کو انہوں نے امام احمد بن حنبل پر پیش کیا تو انہوں نے بے حد تحسین کی۔ یحییٰ بن یحییٰ ذکریا ساجی نے کہا اسلام کی بنیاد قرآن کریم اور اس کا ستون سنن ابو داؤد ہے۔ ابن اعرابی نے کہا کہ دین کے مقدمات کا علم حاصل کرنے کے لیے کتاب اللہ اور سنن ابو داؤد کافی ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ علم حدیث میں اجتہاد کرنے کے لیے سنن ابو داؤد میں کافی سرمایہ ہے۔

حسن قبول اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی اور تمام طبقات فقہاء میں باوجود اختلاف مذاہب کے یہ کتاب یکساں مقبول رہی ہے۔ مصر، عراق، بلاد مغرب بلکہ مسلمانوں کے ہر علاقہ میں اس کتاب کا درس دیا جاتا ہے۔ حسن بن محمد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ ایک بار انہیں خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ نے فرمایا جو شخص سنن کا علم حاصل کرنا چاہتا ہو وہ سنن ابو داؤد کا علم حاصل کرے[۱] حضور کے اس فرمان سے ظاہر ہوا کہ یہ کتاب بارگاہ رسالت میں مقبول ہے اور غالباً اسی سبب سے اس کتاب کو قبول خاص و عام حاصل ہوا

کلمات الثناء سنن ابو داؤد کی حسن افادیت، جامعیت اور احکام فقہیہ کے ماخذ ہونے کے لحاظ سے اس کو بعد کے علماء اور محققین نے بے حد پسند کیا اور تقریباً ہر دور کے علماء اس کو اپنے تعریفی کلمات سے نوازتے رہے۔ امام حافظ ابو جعفر بن زبیر غرناطی صحاح ستہ

---

[۱] شاہ عبد العزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۲۹ھ بستان المحدثین ص ۲۸۷

کی خصوصیات پر تبصرہ کے ضمن میں لکھتے ہیں :۔ احادیث فقہیہ کے حصر و احصار میں ابو داؤد کو جو خصوصیت حاصل ہے وہ صحاح ستہ کے باقی مصنفین میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے [۱] امام غزالی فرماتے ہیں علم حدیث میں صرف یہی ایک کتاب مجتہد کے لیے کافی ہے [۲] ایک مرتبہ حافظ سعید بن سکن کی خدمت میں طلبہ حدیث کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ہمارے سامنے حدیث کی بہت سی کتابیں ہیں بہتر ہوگا کہ شیخ ہماری رہنمائی کچھ ایسی کتابوں کی طرف کریں جن پر ہم کفایت کر سکیں حافظ ابن سکن نے یہ سن کر کچھ جواب نہیں دیا بلکہ اٹھ کر سیدھے گھر چلے گئے اور کتابوں کے چار بستے لا کر اوپر تلے رکھ دیئے پھر فرمانے لگے ھذا قواعد الاسلام کتاب مسلم و کتاب بخاری و کتاب ابی داؤد و کتاب نسائی ۔ (یہ وہ کتابیں ہیں جو اسلام کی بنیاد ہیں کتاب مسلم، کتاب بخاری، کتاب ابی داؤد اور کتاب نسائی [۳]

ابو سلیمان خطابی لکھتے ہیں امام ابو داؤد کی کتاب السنن بلا ریب ایسی نفیس کتاب ہے کہ اس جیسی کتاب علم دین میں آج تک تصنیف نہیں ہوئی اس کتاب کو ہر قسم کے لوگوں نے پسند کیا اور یہ کتاب علماء کے سب فرقوں اور فقہاء کے تمام طبقات میں باوجود اختلاف مذاہب کے حکم مانی جاتی ہے سب لوگ اسی گھاٹ پر آتے ہیں اور یہیں سے سیراب ہوتے ہیں۔ اسی کتاب پر اہل عراق، اہل مصر، بلاد مغرب اور روئے زمین کے اکثر رہنے والوں کا اعتماد ہے۔ البتہ خراسان میں بہت سے لوگ محمد بن اسماعیل، مسلم بن حجاج اور ان لوگوں کی کتابوں کے پسند کرنے والے ہیں جو جمع صحیح میں ان دونوں حضرات کے تابع اور ان کی شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوں لیکن ابو داؤد کی کتاب ترتیب کے اعتبار سے بہت عمدہ اور فقہ کے لحاظ سے ان سے بہت بڑھی ہوئی ہے [۴]

امام نووی فرماتے ہیں جو شخص فقہ میں اشتغال رکھتا ہو اس کو سنن ابو داؤد کا خوب غور سے مطالعہ کرنا چاہیئے کیونکہ عام احکام جن احادیث پر موقوف ہیں وہ تمام احادیث اس کتاب میں آگئی ہیں اور امام ابو داؤد نے ان احادیث کو اس طرح تلخیص اور تہذیب کے ساتھ پیش کیا ہے کہ ان سے احکام کو

۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ — تدریب الراوی ص ۸۶

۲۔ حافظ شمس الدین سخاوی — فتح المغیث ص ۲۸

۳۔ حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی — شروط الائمۃ الستۃ ص ۱۶

۴۔ امام ابو سلیمان احمد بن محمد خطابی متوفی ۳۸۸ھ — معالم السنن ج ۱ ص ۶

حاصل کرنا سہل ہو گیا ہے۔

اسلوب امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں احادیث کو جمع کرنے اور ترتیب دینے میں جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ بہت سی خوبیوں اور نکات پر مشتمل ہے۔ چند خوبیاں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں یہ التزام کیا ہے کہ اس میں صرف احکام سے متعلق احادیث رہیں گے چنانچہ اہل مکہ کے نام مکتوب میں انہوں نے خود لکھا ہے ولم اصنف فی الزھد وفضائل الاعمال وغیرھا فھذہ اربعۃ آلاف والثمانمائۃ کلھا فی الاحکام۔ یعنی میں نے زہد اور فضائل اعمال وغیرہا کے اثبات میں روایات جمع نہیں کی ہیں میری اس کتاب میں چار ہزار آٹھ سو احادیث ہیں اور وہ سب احکام سے متعلق ہیں۔

(۲) اس کتاب میں امام ابوداؤد نے اپنے علم کے مطابق زیادہ تر صحیح ترین روایات ذکر کی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں ا۔ فانکم سألتمونی ان اذکر لکم الاحادیث التی فی کتاب السنن اھی اصح ماعرفت فی الباب فاعلموا انہ کذالک۔ اور جن روایات میں کوئی ضعف یا علت ہو تو امام ابوداؤد اس کو بیان کر دیتے ہیں جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

(۳) اگر کوئی حدیث دو صحیح طریقوں سے مروی ہو اور ان میں سے ایک طریقہ کا راوی اسناد میں مقدم ہو (یعنی اس کی سند عالی ہو) اور دوسرے طریقہ کا راوی حفظ میں بڑھا ہوا ہو تو امام ابوداؤد ایسی صورت میں پہلے طریقہ کا ذکر کر دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں ا۔ قد روی من وجھین احدھما اقوی اسنادا والآخر صاحبہ اقدم فی الحفظ۔

(۴) بسا اوقات ایک حدیث کو دو تین سندوں کے ساتھ ذکر کرتے ہیں بشرطیکہ بعض سے متن میں کچھ زیادتی ہو چنانچہ مکتوب میں فرماتے ہیں ا۔ واذا اعدت الحدیث فی الباب من وجھین او ثلاثۃ مع زیادۃ کلام فیہ۔

(۵) بسا اوقات ایک حدیث بہت طویل ہوتی ہے اور اس کو بتمامہ ذکر کر دینے سے یہ خوف ہوتا ہے کہ بعض سامعین اس کی غرض کو نہ سمجھ سکیں گے ایسی صورت میں امام ابوداؤد حدیث کا اختصار کر دیتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں ا۔ وربما فیہ کلمۃ زائدۃ علی الحدیث الطویل

لانی لو کتبۃ بطولہ لم یعلم بعض من سمعہ ولا یفہم موضع الفقہ منہ فاختصرتہ لذالک ؎

(۶) جن احادیث کی اسانید میں کوئی ضعف ہو یا اور کوئی علت خفیہ ہو اس کو امام ابو داؤد بیان کر دیتے ہیں اور جس حدیث کی سند کے بارے میں امام ابو داؤد کوئی کلام نہیں کرتے وہ عام طور پر صالح للعمل ہوتی ہے چنانچہ امام ابو داؤد مکتوب میں فرماتے ہیں :- مالم اذکر فیہ شیأ فہو صالح ؎

(۷) اس کتاب میں امام ابو داؤد نے عام طور پر مشہور روایات ذکر کی ہیں۔ وہ شاذ اور غریب روایات اس کتاب میں بہت کم درج کی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں :- والاحادیث التی وضعتھا فی کتاب السنن اکثرھا مشاھیر ؎

(۸) امام ابو داؤد نے اپنی اس کتاب میں متروک الحدیث راوی سے کوئی روایت نہیں کی۔ لکھتے ہیں ! ولیس فی کتاب السنن الذی صنفتہ عن رجل متروک الحدیث ؎

(۹) ایک حدیث اگر متعدد اسانید سے مروی ہو تو بسا اوقات امام ابو داؤد وہ تمام اسانید ایک جگہ ذکر فرما دیتے ہیں مثلاً امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :- حدثنا سلیمان بن حرب قال ثنا حماد ح وحدثنا مسدد و قتیبۃ عن حماد بن زید عن سنان بن ربیعہ عن شہر بن حوشب عن ابی امامۃ ذکر وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث ؎

(۱۰) کسی حدیث میں اگر مرفوع یا موقوف کا اختلاف ہو تو اس کا ذکر کر دیتے ہیں۔ مثلاً امام ابو داؤد ابو امامہ سے روایت کرتے ہیں :- قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح الماقین قال وقال الاذنان من الرأس قال سلیمان بن حرب یقولھا ابو امامۃ قال قتیبۃ قال حماد لا ادری اھو من قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم او ابی امامۃ یعنی قصۃ الاذنین ؎

(۱۱) اگر کوئی حدیث معلول ہو تو اس کی خفیہ علت بیان کر دیتے ہیں۔ مثلاً باب کراہیۃ الکلام

؎ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث المتوفی ۲۷۵ھ سنن ابو داؤد ص ۱۸

؎ ایضاً " " " " " "

عند الخلاء کے تحت انہوں نے ابو سعید خدری سے ایک روایت اس بارے میں ذکر کی اس کے بعد لکھتے ہیں:۔ قال ابو داؤد ھذا لم یسندہ الا عکرمۃ بن عمار[1] یعنی یہ حدیث عام طرق سے مرسلا مروی ہے صرف عکرمہ بن عمار نے اس کو موصولا روایت کیا ہے اس لیے یہ حدیث معلل قرار پائی۔

(۱۲) جو روایت منکر ہو اس کی تصریح کر دیتے ہیں مثلاً باب الخاتم یکون فیہ ذکر اللہ تعالیٰ کے تحت ھمام کی سند سے ایک روایت ذکر کی کہ حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء جانے لگے تو آپ نے انگوٹھی اتار دی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد امام ابو داؤد لکھتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے اور معروف روایت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنائی اور پھر اس کو پھینک دیا اور بتلایا کہ پہلی روایت میں ھمام کو وہم ہوا ہے[2] اب یہ بات الگ ہے کہ محدثین نے اس معروف روایت کو بھی زہری کا وہم قرار دیا ہے اور بتلایا کہ یہ انگوٹھی سونے کی تھی۔

(۱۳) جو روایت ضعیف ہو اس کی بھی تصریح کر دیتے ہیں مثلاً باب کیف التکشف عند الحاجۃ کے تحت ایک حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔ قال ابو داؤد رواہ عبد السلام بن حرب عن الاعمش عن انس بن مالک وھو ضعیف[3]

(۱۴) بعض اوقات احادیث کے راویوں کے اسماء، کنی اور القاب کی بھی وضاحت کر دیتے ہیں مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں ابن ربیعہ کنیتہ، ابن ربیعہ۔

(۱۵) امام ابو داؤد نے اپنی اس کتاب میں تکرار سے حتی الامکان گریز کیا ہے اگر کہیں کسی حدیث کو دوبارہ ذکر کرتے بھی ہیں تو اس میں اسناد یا متن حدیث میں کوئی مزید فائدہ پیش نظر ہوتا ہے۔

شرائط حافظ ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ امام ابو داؤد نے اپنی اس کتاب میں احادیث درج کرنے کے لیے یہ شرط مقرر کی ہے کہ وہ احادیث متصل السند اور صحیح ہوں اور وہ احادیث ایسے راویوں سے مروی ہوں جن کے ترک پر اجماع نہ ہوا

---

[1] امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث المتوفی ۲۷۵ھ سنن ابو داؤد ص ۳

[2] ایضاً " " " " " ص ۴

[3] ایضاً " " " " " ص ۳

ہو اور علامہ خطابی لکھتے ہیں کہ ابوداؤد کی کتاب صحیح اور حسن دونوں قسم کی احادیث کی جامع ہے اور ان کی اس کتاب میں احادیث سقیمہ میں سے مقلوب اور مجہول روایات اصلاً نہیں ہیں[1]

امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں چونکہ ان احادیث کو جمع کرنے کا قصد کیا ہے جن سے فقہاء استدلال کرتے ہیں اور جن احادیث کو عام طور پر احکام کا مبنیٰ قرار دیا جاتا ہے۔ اس لیے امام ابوداؤد نے اپنی شرائط میں وسعت رکھی ہے۔ اور اس کتاب میں صحیح اور حسن سے لے کر لین صالح العمل تک احادیث کی گنجائش رکھی ہے۔ البتہ اس کتاب میں وہ ایسی کوئی حدیث نہیں لائے جس کے ترک پر لوگوں کا اجماع ہو چکا ہو۔

شیخ ابوبکر حازمی نے تصریح کی ہے کہ امام ابوداؤد راویوں کے پہلے تین طبقوں سے استیعاب کرتے ہیں اور چوتھے طبقہ سے انتخاب کرتے ہیں یعنی کامل الضبط والاتقان اور کثیر الملازمۃ مع الشیخ۔ کامل الضبط والاتقان اور قلیل الملازمۃ مع الشیخ اور ناقص الضبط اور کثیر الملازمۃ ان تین طبقوں سے امام ابوداؤد استیعاب کرتے ہیں اور ناقص الضبط اور قلیل الملازمۃ کے چوتھے طبقہ سے انتخاب کرتے ہیں؛

چار جامع حدیثیں امام ابوداؤد خود فرماتے ہیں کہ سنن ابوداؤد میں چار حدیثیں ایسی ہیں جو مرد عاقل کے لیے اس کے دین میں کافی ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:[2]

(۱) انما الاعمال بالنیات	اعمال کا دارومدار نیت پر ہے؛
(۲) من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ؛	کسی شخص کے اچھے مسلمان ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ بے فائدہ کام کو چھوڑ دے۔
(۳) لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ؛	کوئی شخص اسوقت تک کامل مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کیلئے بھی وہی چیز پسند کرے جسے وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے

---

[1] فخر الحسن — مقدمہ التعلیق المحمود ص ۴

[2] حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ — کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۰۴

۴۔ الحلال بین والحرام بین وبینھما مشتبھات فمن اتقی الشبھات استبرأ لدینہ ؛	حلال اور حرام دونوں ظاہر ہیں اور ان کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں پس جو شخص مشتبہات سے بچتا رہے اس نے اپنے دین کو محفوظ کر لیا۔

شاہ عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ ان احادیث کے دین میں کفایت کے معنی یہ ہیں کہ ان میں شریعت کے قواعد کلیہ مشہورہ بیان کیے گئے ہیں اور شریعت کے قواعد کلیہ مشہورہ معلوم ہو جانے کے بعد جزئیات مسائل میں کسی مجتہد اور مرشد کی ضرورت نہیں رہتی اس لیے فقط ان چار احادیث کا جان لینا ہی انسان کی ہدایت کے لیے کافی ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ صحت عبادات کے لیے پہلی حدیث کافی ہے اور عمر عزیز کی حفاظت کے لیے دوسری حدیث ضامن ہے اور ہمسائیگان، خویش و اقارب اور دوسرے اہل معاملہ سے حسن سلوک کے لیے تیسری حدیث کفایت کرتی ہے اور اختلاف علما یا اختلاف دلائل سے جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کے ازالہ کے لیے چوتھی حدیث کافی ہے گویا مرد عاقل کے لیے یہ چاروں حدیثیں استاذ اور مرشد کا حکم رکھتی ہیں ؛

تعداد احادیث امام ابو داؤد نے اپنے مکتوب میں بیان کیا ہے کہ ان کی سنن مراسیل سمیت اٹھارہ اجزاء پر مشتمل ہے ایک جزء مراسیل کا ہے اور باقی اجزاء پر دوسری احادیث مشتمل ہیں اور کل احادیث کی تعداد چار ہزار آٹھ سو ہے اور چھ سو مراسیل ہیں۔

امام ابوداؤد کا مکتوب اہل مکہ نے امام ابوداؤد کو خط لکھ کر سنن احادیث کے بارے میں سوال کیا انہوں نے اس کا جو جواب لکھا وہ یہ ہے :۔

"آپ لوگوں نے مجھ سے سنن کی احادیث کے بارے میں سوال کیا ہے کہ میں آپ کو بتاؤں کہ اس میں درج شدہ احادیث کیا میرے نزدیک صحیح ترین احادیث ہیں تو سن لیجیے یہ تمام احادیث ایسی ہی ہیں سوا ان احادیث کے جو دو طریقوں سے مروی ہوں اور ان میں سے ایک طریقہ علو اسناد کے لحاظ سے فائق ہو اور دوسرا حفظ رواۃ کے اعتبار سے قوی ہو تو ایسی صورت میں، میں پہلے طریقہ سے ہی حدیث کی روایت کر دیتا ہوں اور جب میں کسی کی ایک حدیث کو دو یا تین اسانید سے روایت

کرتا ہوں تو اس کی وجہ بعض طرق میں کچھ زیادتی ہوتی ہے اور بسا اوقات میں کسی
حدیث کا اس وجہ سے اختصار کر دیتا ہوں کہ کہیں اس کی طوالت کی وجہ سے سامعین
اس حدیث کی فقہ سے نہ محروم رہ جائیں۔

باقی مراسیل کا جہاں تک تعلق ہے تو پہلے زمانہ میں امام مالک، سفیان ثوری اور
امام اوزاعی وغیرہ ان سے استدلال کرتے تھے۔ یہاں تک کہ امام شافعی اور امام احمد بن
حنبل کا زمانہ آیا اور انہوں نے مرسل حدیث پر کلام کرنا شروع کر دیا۔ بہرحال جب
حدیث متصل نہ ہو تو حدیث مرسل سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ متصل کی طرح
قوی نہیں ہوتی؛

میں نے اپنی اس سنن میں کسی ایسے شخص کی روایت درج نہیں کی جو متروک الحدیث
ہو نیز اگر کوئی منکر حدیث اس مجموعہ میں آگئی ہے تو میں نے اس کا بیان کر دیا ہے اسی
طرح اگر حدیث میں کوئی اور کمزوری ہو تو میں نے اس کا بھی بیان کر دیا ہے اور جس
حدیث کے بعد میں نے کچھ نہیں لکھا وہ حدیث صالح للعمل ہوتی ہے۔ سنن میں بعض احادیث
بعض سے زیادہ صحیح ہیں۔ آپ کو سند صحیح کے ساتھ حضور کی جو سنت بھی ملے گی وہ
اس کتاب میں موجود ہوگی۔ سوا ان چیزوں کے جو سیرت کے ذیل میں بیان کی جاتی
ہیں اور میرے خیال میں قرآن کریم کے بعد لوگوں کے لیے اس کتاب سے زیادہ کسی
چیز کا سیکھنا ضروری نہیں ہے اور اس کتاب کو لکھ لینے کے بعد اگر کوئی شخص اور کچھ نہ
لکھے تو کوئی حرج نہیں ہے اور جب کوئی شخص اس کتاب کا مطالعہ کرے گا۔ تب ہی
اس کو اس کی صحیح قدر معلوم ہوگی۔

سفیان ثوری، امام مالک اور امام شافعی کے مسائل کی بنیاد یہی احادیث پر ہے
تاہم میں پسند کرتا ہوں کہ اس کتاب کے ساتھ صحابہ کرام کے فتاوی کو بھی لکھ لیا
جائے۔ نیز جامع سفیان ثوری کی طرز پر بھی کوئی کتاب نقل کر لی جائے کیونکہ وہ ان تمام
جوامع میں سب سے بہتر ہے۔

میں نے اس کتاب میں اکثر احادیث مشہور جمع کی ہیں اور ہر وہ شخص جس کے

پاس کچھ احادیث لکھی ہوئی ہوں ان میں مشہور احادیث ہوتی ہیں لیکن ان کو متمیز کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے احادیث مشہورہ کی فضیلت یہ ہے کہ وہ قابل استدلال ہوتی ہیں اور غریب اور شاذ روایات اگرچہ امام مالک اور یحییٰ بن سعید جیسے آئمہ ثقات سے مروی ہوں پھر بھی لائق استدلال نہیں ہوتیں اور جو شخص غریب اور مطعون حدیث سے استدلال کرے تو اس استدلال کی وجہ سے وہ شخص خود ساقط الاعتبار ہو جاتا ہے اس کے خلاف جو حدیث صحیح اور مشہور ہو اس کو کوئی شخص رد نہیں کر سکتا۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ لوگ حدیث غریب کو ناپسند کرتے ہیں اور یزید بن حبیب کہتے ہیں کہ جب تم کسی شخص سے کوئی حدیث سنو تو اس کے توابع تلاش کرو اگر مل جائیں فبھا ورنہ اس حدیث کو چھوڑ دو؛

کتاب السنن میں مراسیل بھی ذکر کی گئی ہیں اور آئمہ حدیث کے نزدیک یہ معروف ہے کہ جب متصل حدیث نہ ملے تو مرسل بھی متصل کے حکم میں ہوتی ہے جیسے عن جابر والحسن عن ابی ھریرہ یا عن الحکم عن المقسم عن ابن عباس۔ یہ متصل نہیں ہے اور حکم نے مقسم سے جن چار حدیثوں کا سماع کیا ہے سنن کی روایات ان میں سے نہیں ہیں اور رہی یہ سند ابو اسحاق عن الحارث عن علی تو اس میں ابو اسحاق نے حارث سے صرف چار حدیثوں کا سماع کیا ہے جن میں سے ایک بھی متصل نہیں ہے اور کتاب السنن میں اس قسم کی احادیث بہت کم ہیں اور حارث کی تو اس میں صرف ایک روایت ہے بعض دفعہ حدیث کی کوئی علت مجھ پر مخفی رہتی ہے ایسی صورت میں کبھی میں اس حدیث کو ذکر کر دیتا ہوں اور کبھی نہیں کرتا کیونکہ یہ چیز عام لوگوں کے حق میں نقصان دہ ہے۔

کتاب السنن مراسیل سمیت اٹھارہ اجزاء پر مشتمل ہے جن میں سے ایک جز مراسیل کا ہے اور مراسیل میں سے بعض غیر صحیح ہیں اور بعض وہ ہیں جو دوسرے لوگوں کے نزدیک متصل اور صحیح ہیں۔ کتاب السنن کی کل احادیث کی تعداد چار ہزار آٹھ سو ہے...... بعض احادیث فی نفسہ مرسل ہوتی ہیں اور بعض دوسری اسانید

سے وہ متصل معلوم ہوتی ہیں لیکن درحقیقت وہ احادیث معلول ہوتی ہیں۔

میں نے کتاب السنن میں صرف احکام ہی کو تصنیف کیا ہے زہد اور فضائل اعمال سے متعلق احادیث نہیں لایا لہٰذا یہ چار ہزار آٹھ سو احادیث ہیں جو سب احکام سے متعلق ہیں۔ ان کے علاوہ زہد اور فضائل سے متعلق بہت سی احادیث صحیحہ تھیں جن کا میں نے اس کتاب میں اخراج نہیں کیا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"[1]

تساہل امام ابوداؤد کا سنن ابوداؤد میں ایک عام تساہل یہ ہے کہ وہ حدیث کے متابعات کی کامل تحقیق نہیں کرتے اور محض سرسری نظر سے اس پر تفرد کا حکم لگا دیتے ہیں مثلاً انہوں نے ایک روایت ذکر کی ہے:۔ حدثنا عبید اللہ بن عمر بن میسرۃ ثنا ابن مهدی ثنا عکرمہ ابن عمار عن یحییٰ بن ابی کثیر عن هلال بن عیاض قال حدثنی ابو سعید قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یخرج الرجلان یضربان الغائط عن عورتهما یتحدثان فان اللہ عز وجل یمقت علی ذالک "اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد امام ابوداؤد لکھتے ہیں قال ابو داؤد هذا لم یسندہ الا عکرمۃ بن عمار[2] خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے اس روایت پر اس لیے تفرد کا حکم لگایا ہے کہ اس روایت کو صرف عکرمہ بن عمار نے موصولاً بیان کیا ہے حالانکہ امام ابن دقیق العید نے بیان کیا ہے کہ ابان بن یزید نے بھی عکرمہ کی متابعت کر کے اس کو موصولاً بیان کیا ہے[2] لہٰذا اس روایت میں عکرمہ کا تفرد نہ رہا۔

اسی طرح ایک اور روایت کے بارے میں امام ابوداؤد نے تفرد کا قول کیا ہے وہ یہ ہے حدثنا نصر بن علی عن ابی علی الحنفی عن همام عن ابن جریج عن الزهری عن انس قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل الخلاء وضع خاتمہ "اس حدیث کے بارے میں امام ابوداؤد لکھتے ہیں والوهم فیہ من همام ولم یروہ الا همام[3] اس روایت کے بارے میں امام ابوداؤد ہمام کے تفرد کا قول کرتے ہیں حالانکہ امام دارقطنی نے کتاب العلل میں بیان

---

[1] امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث المتوفی ۲۷۵ھ سنن ابوداؤد ص ۳

[2] علامہ علاؤ الدین بن علی بن عثمان الماردینی الشہیر بابن الترکمانی المتوفی ۷۴۵ھ الجوہر النقی فی ذیل البیہقی ج ۱ ص ۱۰۰

[3] امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ سنن ابوداؤد ص ۱۰۹

کیا ہے کہ یحییٰ بن متوکل اور یحییٰ بن خریس نے بھی اس حدیث کی ابن جریج سے روایت کرنے میں ہمام کی متابعت کی ہے لہٰذا اس حدیث کی ابن جریج سے روایت میں تفرد نہ رہا۔ ابن قیم نے یحییٰ بن متوکل پر جرح کی ہے لیکن ابو طیب شمس الحق[1] نے عبداللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبل اور علی بن مدینی کی تصریحات سے ثابت کر دیا ہے کہ جو شخص مجروح ہے وہ یحییٰ بن متوکل نام کا ایک اور راوی ہے اس کی کنیت ابو عقیل ہے مزی اور امام ذہبی کا بھی یہی قول ہے نیز ایک طویل بحث کے بعد حاکم نے تصریح کر دی ہے عماثقتان کہ یہ دونوں ثقہ راوی ہیں اور جب کہ یہ دو ثقہ راوی اس حدیث میں ہمام کی متابعت کرتے ہیں تو اس حدیث کی روایت میں ہمام کا تفرد نہ رہا۔

اسی طرح ایک اور حدیث امام ابو داؤد نے روایت کی ہے: حدثنا محمد بن الصباح البزاز نا شریک عن یزید بن ابی زیاد عن عبد الرحمان بن ابی لیلی عن البراء ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود۔

اس روایت کے بعد امام داؤد لکھتے ہیں: قال ابو داؤد روی ھذا الحدیث ھیثم وخالد و ابن ادریس عن یزید لم یذکروا ثم لا یعود[2] یعنی شریک، یزید بن ابی زیاد سے ثم لا یعود کی اس روایت میں متفرد ہیں کیونکہ یزید بن ابی زیاد کے دوسرے شاگرد اس سے حدیث میں ثم لا یعود کے الفاظ کی روایت نہیں کرتے لیکن یہاں بھی حسب سابق امام ابو داؤد نے تساہل سے کام لیا ہے اور تتبع نہیں فرمایا کیونکہ امام ابن عدی نے کامل میں بیان کیا ہے کہ ہیثم، شریک اور ان کے ساتھ ایک جماعت نے یزید بن ابی زیاد سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس میں ثم لا یعود کے الفاظ موجود ہیں لہٰذا ثم لا یعود کی روایت میں یزید سے شریک کا تفرد نہ رہا نیز خیال رہے کہ ثم لا یعود کی روایت میں عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے یزید بھی متفرد نہیں ہے کیونکہ امام طحاوی نے بیان کیا ہے کہ عیسیٰ بن عبدالرحمٰن نے بھی اس حدیث کو عبد الرحمان بن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے رہا امام ابو داؤد کا یہ کہنا کہ ہیثم اور خالد وغیرہ نے اس حدیث کو یزید سے ثم لا یعود کے بغیر روایت کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ممکن ہے کہ یزید نے پہلے اس حدیث کے صرف بعض حصہ کو روایت کیا ہو اور بعد میں

---

[1] شمس الحق عظیم آبادی — غایت المقصود ج ۱ ص ۱۱

[2] امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ — سنن ابو داؤد ص ۱۰۹

مکمل حدیث بیان کی ہو بہرحال ثم لا یعود کی زیادتی کے ساتھ اس روایت میں نہ یزید سے شریک متفرد ہے اور نہ ابن ابی لیلیٰ سے یزید متفرد ہے اور امام ابوداؤد کا اس روایت کے بارے میں تفرد کا قول کرنا تساہل کے سوا کچھ نہیں ؛

شروحات

سنن ابوداؤد کی احادیث اور مقبولیت کے پیش نظر اس کی متعدد شروح تصنیف کی گئی ہیں چند شروح کے اسماء یہ ہیں :-

(۱) **معالم السنن** :- یہ شرح ابوسلیمان احمد بن محمد ابن ابراہیم الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ کی تصنیف ہے یہ ایک مبسوط شرح ہے حافظ شہاب الدین ابوالمحمود احمد ابن محمد مقدسی متوفی ۷۶۵ھ نے اس شرح کا خلاصہ لکھا ہے اور اس کا نام عجالۃ العالم من کتاب المعالم لکھا ہے۔

(۲) **شرح سنن ابوداؤد** ! یہ شرح قطب الدین ابوبکر بن احمد الشافعی المتوفی ۷۵۲ھ کی تالیف ہے اور چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے [1]

(۳) **شرح سنن ابوداؤد** ! یہ شرح حافظ علاؤالدین مغلطای متوفی ۷۶۲ھ کی تصنیف ہے اور نامکمل ہے ؛

(۴) **شرح الزوائد علی الصحیحین** ! یہ شرح شیخ سراج الدین عمر بن علی الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ کی تالیف ہے ۔

(۵) **شرح سنن ابوداؤد** ! یہ شرح ابوزرعہ احمد بن عبدالرحیم عراقی متوفی ۸۲۶ھ کی شرح ہے اور نامکمل ہے یہ شرح بہت مبسوط انداز پر لکھنی شروع کی گئی تھی صرف سجدہ سہو تک کی شرح سات جلدوں پر مشتمل ہے ۔

(۶) **شرح سنن ابوداؤد** ! یہ شرح حافظ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ کی تالیف ہے۔

(۷) **مرقاۃ الصعود الی سنن ابی داؤد** ! یہ شرح حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کی تصنیف ہے ۔

(۸) **غایت المقصود** ! یہ شرح علامہ ابوالطیب شمس الحق عظیم آبادی کی ایک مبسوط تالیف

---

[1] حافظ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۵ھ عمدۃ القاری ج ۵ ص ۲۷۳

ہے جس کا صرف ایک جز دستیاب ہے۔

مختصرات سنن ابو داؤد کا اختصار بھی کیا گیا ہے اور اس مختصر کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) **مختصر سنن ابی داؤد:** یہ مختصر الحافظ ذکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ کی تالیف ہے علامہ جلال الدین سیوطی نے اس مختصر کی شرح لکھی اور اس کا نام زہر الربی علی المجتبیٰ رکھا۔

(۲) **تہذیب السنن:** ابن قیم محمد بن ابی بکر الجوزی المتوفی ۷۵۱ھ نے سنن ابو داؤد کی تہذیب کی اور اس کی شرح لکھی جس کا نام تہذیب السنن رکھا[1]

---

[1] شروح اور مختصرات کی یہ تمام تفصیل حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ کی کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۰۴ تا ۱۰۰۵ سے لی گئی ہے۔

امام نسائی

آئمہ صحاح ستہ میں امام ابو عبدالرحمان نسائی اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ حافظ ابو علی نیشاپوری لکھتے ہیں کہ میں نے اپنے وطن اور بیرون وطن میں صرف چار آئمہ حدیث دیکھے ہیں نیشاپور میں محمد بن اسحاق اور ابراہیم بن ابی طالب مصر میں نسائی اور اہواز میں عبدان، ان کے علاوہ ابو الحسین بن المظفر نے بیان کیا کہ مصر میں ہمارے تمام مشائخ امام نسائی کے تقدم اور ان کی امامت کا اعتراف کرتے تھے اور حافظ علی بن عمر کہتے ہیں کہ امام نسائی علم حدیث میں اپنے تمام ہم عصروں پر فائق تھے۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں کہ امام نسائی نقد رجال میں انتہائی محتاط معتمد اور اپنے تمام معاصرین پر مقدم تھے نیز فرماتے ہیں کہ فن رجال میں ماہرین کی ایک جماعت نے امام نسائی کو امام مسلم بن حجاج پر بھی ترجیح دی ہے اور دارقطنی وغیرہ نے ان کو فن اسماء رجال اور دیگر علوم حدیث میں امام الائمہ ابو بکر بن خزیمہ صاحب الصحیح سے بھی افضل گردانا ہے۔[2] اور حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں کہ امام نسائی حدیث، علل حدیث اور اسماء رجال کے علوم میں مسلم، ترمذی اور ابو داؤد سے زیادہ ماہر ہیں اور اس میدان میں وہ ابو زرعہ اور بخاری سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔[3] الغرض امام نسائی ماہرین علوم حدیث کی نظر میں ہمیشہ قابل احترام اور شائقین حدیث میں ہمیشہ مقبول رہے اسی لگن میں زندہ رہے اور اسی راہ میں فوت ہوئے۔

ولادت وسلسلہ نسب امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار نسائی ۲۱۵ھ میں خراسان کے

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۷ تا ۳۸

[2] ایضاً - - - ، ھدی الساری ج ۱ ص ۲۲

[3] محدث محمد بن اسماعیل، توضیح الافکار ج ۱ ص ۲۲۰

ایک مشہور شہر نسا میں پیدا ہوئے[1] امام نسائی کے سال ولادت میں مؤرخین کا اختلاف ہے لیکن اس باب میں قول فیصل امام نسائی کے قول کو قرار دینا چاہیئے اور وہ فرماتے ہیں کہ اشبہ بالحق یہی ہے کہ میرا سال پیدائش ۲۱۵ھ ہے۔ حافظ ذہبی اور حافظ عسقلانی کا بھی یہی مختار ہے لیکن شاہ عبدالعزیز نے آپ کا سال ولادت ۲۱۴ھ بیان کیا ہے۔

ابتدائی حالات ابتدائی تعلیم کے بعد پندرہ سال کی عمر میں امام نسائی نے علم حدیث کی تحصیل شروع کی سب سے پہلے وہ قتیبہ بن سعید بلخی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی خدمت میں ایک سال دو ماہ رہ کر علم حدیث حاصل کیا[2] بعد ازاں دوسرے اساتذہ حدیث کی طرف رجوع کیا۔

احادیث کے لیے سفر امام نسائی نے دور دراز شہروں میں جاکر علم حدیث کا اکتساب کیا اور احادیث کی طلب اور روایت کی خاطر متعدد سفر اختیار کیے۔

جن شہروں میں جاکر آپ نے علم حدیث حاصل کیا ان میں حجاز، عراق، شام، خراسان اور مصر خاص طور پر قابل ذکر ہیں آپ کا مولد اور وطن خراسان ہے لیکن بعد میں آپ نے مصر میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی[3]

اساتذہ و مشائخ امام نسائی نے اپنے وقت کے نادر اور یگانہ روزگار مشائخ سے سماع حدیث کا شرف حاصل کیا جن میں ان حضرات کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ قتیبہ بن سعید، اسحاق بن راہویہ، ہشام بن عمار، عیسیٰ بن زغبہ، محمد بن نضر مروزی ابوکریب، سوید بن نصر، محمود بن غیلان، محمد بن بشار، علی بن حجر، ابوداؤد سلیمان بن اشعث اور ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری[4]

تلامذہ امام نسائی کے تلامذہ کا سلسلہ بھی بہت وسیع ہے متعدد شہروں سے کثیر تعداد

---

1. امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ — تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۹۸
2. حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۸
3. امام ابوعبداللہ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ — تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۹۸
4. ایضاً " " " " "

میں طلبہ آکر آپ سے اکتساب فیض کیا کرتے تھے چند تلامذہ کے اسما یہ ہیں: عبدالکریم بن احمد نسائی، ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق ابن انس، ابوعلی الحسن بن الخضر الاسیوطی، الحسن بن رشیق العسکری، حافظ ابوالقاسم اندلسی، علی بن ابوجعفر طحاوی، ابوبکر بن حداد فقیہ، ابوجعفر عقیلی، ابوعلی بن ہارون، حافظ ابوعلی نیشاپوری، ابوالقاسم طبرانی وغیرہم[1]

شخصیت اور عام حالات زندگی

امام نسائی ملیح رنگ کے نہایت خوبصورت شخص تھے بے حد توانا اور جسیم تھے ان کے بدن پر عموماً خون کی سرخی دوڑتی رہتی تھی۔ ان کا دسترخوان انواع و اقسام کے لذیذ کھانوں سے پُر رہتا تھا۔ عام طور پر مرغ وغیرہ بھنوا کر کھایا کرتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ کھانے کے بعد نبیذ پیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ خوش وضع اور خوش پوشاک تھے اور انتہائی قیمتی اور عمدہ لباس زیب تن کیا کرتے تھے۔ آپ کی چار بیویاں تھیں اور کنیزوں کی بھی ایک بڑی تعداد آپ کے ساتھ رہتی تھی[2]

عبادت و ریاضت

امام نسائی بے حد عبادت گذار اور شب بیدار تھے۔ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار صوم داؤدی کے طریقہ کو اپنا یا ہوا تھا۔ طبیعت اور مزاج میں حد درجہ استغنار تھا اس لیے حکام کی مجلس سے ہمیشہ احتراز کرتے تھے۔

امام نسائی عقائد میں بھی راسخ اور متصلب تھے۔ جس زمانہ میں معتزلہ کے عقیدہ خلق قرآن کا چرچا تھا ان دنوں محمد بن امین نے ایک مرتبہ عبداللہ بن مبارک سے کہا کہ فلاں شخص کہتا ہے کہ جو شخص آیہ کریمہ انی انا اللہ لا الہ الا انا فاعبدنی کو مخلوق مانے وہ کافر ہے عبداللہ بن مبارک نے فرمایا یہ حق ہے امام نسائی نے جب یہ روایت سنی تو کہا میرا بھی یہی مذہب ہے[3]

عبادات میں امام نسائی کی کثرت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ حافظ محمد بن مظفر اپنے مشائخ سے روایت کرتے ہیں کہ امام نسائی دن کے وقت میں امیر مصر کے ساتھ جہاد کرتے اور رات ساری عبادت میں گذار دیتے تھے۔ طبعاً فیاض تھے اور مسلمان قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑایا کرتے تھے

---

[1] شہاب الدین ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۰

[2] الذہبی م ۷۴۸ھ — التذکرۃ ج ۲ ص ۶۹۸ تا ۶۹۹

[3] ایضاً " " ص ۷۰۰

انہوں نے اپنی ساری زندگی اسوہ رسول کو اپنانے اور اخلاق صالحین کے تخلق میں گذاری یہاں تک کہ دمشق میں خوارج کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا[1]

تشیع کی بحث

امام نسائی اخیر عمر میں مصر سے دمشق تشریف لے گئے وہاں کے لوگ امیر معاویہ کی شان اور فضیلت میں انتہائی غالی اور حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں انتہائی متعصب تھے بلکہ دمشق میں اس وقت اکثریت ہی ان لوگوں کی تھی جو حضرت علی کے بارے میں علی الاعلان بدگوئی کیا کرتے تھے امام نسائی نے جب وہاں بدعقیدگی کی یہ فضا دیکھی تو اصلاح عقائد کی غرض سے حضرت علی کے مناقب پر مشتمل کتاب الخصائص تصنیف فرمائی اس کتاب کی تصنیف سے ان کا مقصد حضرت علی کے فضائل اور مناقب کا احصاء کرنا تھا۔ اس لیے اس میں بعض ایسی روایات بھی آگئی ہیں جو روایت اور درایت کے اصول پر صحیح نہیں ہیں۔

خصائص کی تصنیف کے بعد امام نسائی نے دمشق کی جامع مسجد میں لوگوں کے سامنے اس کو پڑھ کر سنایا چونکہ یہ کتاب وہاں کے لوگوں کے نظریات کے خلاف تھی اس لیے اس کتاب کو سن کر وہاں کے لوگ مشتعل ہوگئے مجمع سے کسی شخص نے کہا ہمیں آپ کوئی ایسی روایت سنائیں جس سے حضرت معاویہ کی حضرت علی پر برتری ظاہر ہو آپ نے جواب میں فرمایا کیا معاویہ کے لیے علی کے مساوی ہونا کافی نہیں ہے جو تم برتری کا سوال کر رہے ہو کسی نے کہا آپ حضرت معاویہ کے فضائل بھی بیان کریں آپ نے جواب میں فرمایا مجھے معاویہ کے بارے میں لا اشبع اللہ بطنہ کے سوا اور کوئی حدیث نہیں ملی۔ اس بات کا سننا تھا کہ وہ لوگ آگ بگولہ ہوگئے اور تمام آداب کو بالائے طاق رکھ کر انہوں نے آپ کو زدوکوب کرنا شروع کردیا اس حادثہ میں آپ کو شدید ضربات پہنچیں بعض اشقیاء نے آپ کے جسم کے نازک حصوں پر بھی لاٹھیاں ماریں جس کی وجہ سے آپ بہت نڈھال اور بے حال ہوگئے[2]

یہ ہے وہ قضیہ جس کی بناء پر بعض لوگوں نے آپ کو رفض کی طرف منسوب کردیا حالانکہ اس الزام سے آپ کو دور کا علاقہ بھی نہیں تھا بعض لوگوں نے اس باب میں ابن خلکان کی اس عبارت

---

[1] امام ابوعبداللہ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۷۰۰

[2] ایضاً " " " " ص ۶۹۹ تا ۷۰۰

سے دھوکہ کھایا ہے ۔ وکان یتشیع[1] (وہ تشیع کرتے تھے) علامہ ابن خلکان نے امام نسائی کے لیے تشیع کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور تشیع اور رفض میں بہت فرق ہے اس کی تحقیق کے لیے علامہ ابن حجر کا یہ کلام ملاحظہ فرمایئے ۔

فالتشیع فی عرف المتقدمین	متقدمین کی اصطلاح میں حضرت علی کو
ھو اعتقاد تفضیل علی	حضرت عثمان پر فضیلت دینے کو تشیع
علی عثمان وان کان	کہتے ہیں جبکہ حضرت علی کو تمام جنگوں
علیا مصیبا فی حروبہ	میں حق پر اور ان کے مخالف کو خطاکار
وان مخالفہ مخطی مع تقدیم الشیخین	مانا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ
وتفضیلھما الی ان قال	حضرت علی پر شیخین کے تقدم اور ان کی
واما التشیع فی عرف	فضیلت کو بھی مانا جائے اور متاخرین
المتاخرین فھو الرفض	کی اصطلاح میں تشیع محض رفض کو
المحض[2]	کہتے ہیں ۔

نیز علامہ عسقلانی اسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں ۔

والتشیع محبۃ علی وتقدیمہ	حضرت علی کی محبت اور انہیں صحابہ
علی الصحابۃ فمن قدمہ	سے افضل جاننے کو تشیع کہتے ہیں پس
علی ابی بکر وعمر فھو غال فی	جو شخص انہیں حضرت ابوبکر اور حضرت
تشیعہ ویطلق علیہ رافضی	عمر سے بھی افضل جانے وہ غالی شیعہ
والا فشیعی، فان انضاف الی ذالک	ہے جس کو رافضی کہتے ہیں ورنہ وہ شیعی ہے
السب او التصریح بالبغض	اور اگر وہ شیخین کو سب وشتم بھی کرے یا ان سے
فغال فی الرفض[3]	بغض ظاہر کرے تو وہ غالی رافضی ہے ۔

---

[1] قاضی شمس الدین احمد بن محمد المعروف بابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۵

[2] شہاب الدین ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ تھذیب التھذیب ج ۱ ص ۹۴

[3] ایضاً ۔ ۔ ۔ ھدی الساری ج ۲ ص ۱۳۱

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص حضرت علی کو شیخین سے افضل جانے وہ رافضی اور جو ان کو حضرت عثمان سے افضل جانے وہ شیعی ہے لیکن امام نسائی کی تصانیف سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ وہ حضرت علی کو شیخین یا حضرت عثمان پر فضیلت دیتے ہوں انہوں نے اپنی کتاب السنن میں بیعت حضرت ابوبکر کے وقت حضرت عمر کا یہ فرمان روایت کیا ہے :۔ الستم تعلمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد امر ابابکر ان یصلی بالناس فایکم تطیب نفسہ ان یتقدم ابابکر قالوا نعوذ باللہ ان نتقدم ابابکر[1] (حضرت عمر نے سقیفہ بنو ساعدہ میں مہاجرین اور انصار کے اجتماع سے خطاب کر کے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو امامت کرنے کا حکم دیا پھر تم میں سے کون ابوبکر پر مقدم ہونا چاہتا ہے۔ ان سب نے یک زبان ہو کر کہا ہم ابوبکر پر مقدم ہونے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں) امام نسائی کی اس روایت کے ہوتے ہوئے ان کی طرف تشیع کی نسبت کیسے صحیح ہو سکتی ہے خصوصاً جبکہ انہوں نے باقی صحابہ کے فضائل بھی تصنیف کیے ہیں چنانچہ ان کے شاگرد محمد بن موسیٰ مامونی فرماتے ہیں :۔

سمعت قوما ینکرون علی	مجھے معلوم ہے کہ بعض لوگ حضرت علی کے
ابی عبد الرحمان کتاب الخصائص	فضائل لکھنے اور فضائل شیخین پر کچھ نہ
لعلی رضی اللہ عنہ و ترکہ تصنیف	لکھنے کی وجہ سے امام ابو عبد الرحمان نسائی
فضائل الشیخین فذکرت لہ	کا انکار کرتے ہیں تو میں اس مسئلہ پر
ذالک فقال دخلت دمشق	امام نسائی سے گفتگو کی انہوں نے فرمایا جب
والمنحرف عن علی بھا	میں دمشق گیا تو وہاں اکثر لوگوں کو حضرت علی
کثیر فصنفت کتاب الخصائص	سے منحرف پایا پس میں نے خصائص علی
رجوت ان یھدیھم اللہ	اس توقع سے تصنیف کیے کہ وہ لوگ
ثم انہ صنف بعد ذالک	راہ راست پر آجائیں مامونی کہتے ہیں اس کے
فضائل الصحابۃ[2]	بعد انہوں نے باقی صحابہ کے فضائل بھی تصنیف کیے۔

---

[1] امام ابو عبد الرحمان نسائی متوفی ۳۰۳ھ — سنن نسائی ج ۱ ص ۹۰

[2] ابو عبد اللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ — تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۹۹

اس اقتباس سے ثابت ہوا کہ امام نسائی حسب مراتب تمام صحابہ کے فضائل کے معتقد تھے البتہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت علی سے محبت میں شدت کی وجہ سے ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کا تشیع کی طرف میلان تھا اسی وجہ سے ابن کثیر نے لکھا ہے وقد قیل عنہ انہ کان ینسب الی شیئ من التشیع[1] (کہا گیا ہے کہ وہ کچھ تشیع کی طرف مائل تھے)

تصانیف امام نسائی نے کثرت مشاغل کے باوجود متعدد کتب تصنیف کی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے (۱) السنن الکبریٰ (۲) المجتبیٰ (۳) خصائص علی (۴) مسند علی (۵) مسند مالک (۶) مسند منصور (۷) فضائل الصحابۃ (۸) کتاب التمییز (۹) کتاب المدلسین (۱۰) کتاب الضعفا (۱۱) کتاب الاخوۃ (۱۲) کتاب الجرح والتعدیل (۱۳) مشیخۃ النسائی (۱۴) اسماء الرواۃ (۱۵) مناسک حج۔

وفات امام نسائی نے جب دمشق کی مسجد میں خصائص علی کا اقتباس سنایا اور لوگوں نے آپ کو زدوکوب کیا تو خدام اٹھا کر آپ کو گھر لے آئے آپ نے فرمایا کہ مجھے فوراً مکہ معظمہ پہنچادو تاکہ مکہ یا اس کے راستہ میں میرا انتقال ہو جائے چنانچہ مکہ معظمہ پہنچنے پر ۱۳ صفر ۳۰۳ھ کو آپ کا انتقال ہو گیا وصال کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان آپ کو دفن کر دیا گیا اور بعض روایات کے مطابق مکہ جاتے ہوئے راستہ میں رملہ فلسطین کے مقام پر آپ کا وصال ہو گیا اور وہاں سے آپ کی نعش مکہ معظمہ پہنچائی گئی[2] حافظ ذہبی کے قول کے مطابق یہی بات صحیح ہے۔

★

★

---

[1] الحافظ عماد الدین المعروف بابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ البدایہ والنہایۃ فی التاریخ ج ۱۱ ص ۱۲۴

[2] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ بستان المحدثین ص ۲۹۸

سنن نسائی

امام نسائی کی سنن کتب صحاح ستہ میں انتہائی اہم حیثیت رکھتی ہے امام نسائی نے اپنی کتاب میں عام طور پر صحیح الاسناد روایات بیان کی ہیں حافظ سیوطی زہر الربی میں لکھتے ہیں کہ امام نسائی نے فرمایا ہے کہ کتاب السنن کی اکثر احادیث صحیح ہیں البتہ بعض احادیث معلول ہیں اور جس انتخاب کا نام مجتبیٰ رکھا گیا ہے اس کی کل احادیث صحیح ہیں[1] بعض مشاہیر علماء نے بیان کیا ہے کہ سنن نسائی، امام بخاری اور امام مسلم دونوں کے طریقوں کی جامع ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب افادیت میں ان کی کتابوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ امام نسائی نے اپنی سنن میں صرف روایات کو جمع ہی نہیں کیا بلکہ علل حدیث اور دیگر فنون حدیث کا بھی بیان فرمایا ہے حافظ ابو عبد اللہ بن رشید فرماتے ہیں کہ علم حدیث میں جس قدر کتابیں تالیف ہوئی ہیں یہ کتاب تصنیف کے لحاظ سے ان سب سے بہتر اور ترتیب کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ ہے خصوصیات کے لحاظ سے یہ بخاری اور مسلم کے اسلوب کی جامع اور بیان علل میں یہ ان سے منفرد اور ممتاز ہے[2]

حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ امام ابوالحسن نے کہا ہے کہ جب تم محدثین کی روایات پر نظر ڈالو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ جس حدیث کا امام نسائی اخراج کرتے ہیں وہ باقی محدثین کے اخراج کی بنسبت صحت کے زیادہ قریب ہوتی ہے[3] بعض مغاربہ سنن نسائی کو صحیح بخاری پر ترجیح دیتے ہیں چنانچہ حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ بعض مغربی محدثین نے تصریح کی ہے کہ امام نسائی کی کتاب امام بخاری کی صحیح سے زیادہ بہتر ہے[4]

---

[1] امام نسائی کا یہ قول تقریب پر محمول ہے ورنہ المجتبیٰ میں بھی شاذ، منکر اور معلل روایات موجود ہیں۔ منہ

[2] حافظ شمس الدین سخاوی متوفی ۹۰۲ھ — فتح المغیث ص ۱۲

[3] حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ — مقدمہ زہر الربی ص ۳۰

[4] حافظ شمس الدین سخاوی متوفی ۹۰۲ھ — فتح المغیث ص ۱۲

اور محدث ابن احمر نے اپنے بعض مشائخ سے یہاں تک روایت کیا ہے کہ سنن نسائی علم حدیث کی تمام مصنفات میں سب سے افضل ہے اور کتب اسلامیہ میں سنن نسائی اپنی نظیر نہیں رکھتی ہے[1]

تسمیہ اور سبب تالیف

امام نسائی نے ابتدا میں حدیث کی ایک مبسوط کتاب تالیف کی جس کا نام سنن کبریٰ رکھا سید جمال الدین فرماتے ہیں کہ یہ ایک عظیم کتاب ہے۔ اور طرق حدیث کے جمع اور بیان مخرج میں آج تک اس کتاب کی کوئی نظیر سامنے نہیں آئی۔ امام نسائی نے تالیف کے بعد امیر رملہ (فلسطین) کے سامنے اس کتاب کو پیش کیا امیر نے پوچھا کیا آپ کی اس کتاب میں تمام احادیث صحیح ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں، اس میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی احادیث موجود ہیں۔ امیر نے عرض کیا کہ آپ اس کتاب میں سے میرے لیے ان احادیث کو منتخب فرما دیں تو تمام تر صحیح ہوں۔ لہٰذا امیر کی اس فرمائش پر آپ نے سنن کبریٰ میں سے احادیث صحیحہ کا انتخاب فرمایا اور وہ احادیث جن کی اسانید میں کلام کیا گیا تھا اس مجموعہ سے خارج کر دیں اور اس انتخاب کا نام انہوں نے المجتبیٰ رکھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ نام المجتنیٰ ہے بہر حال ان دونوں لفظوں میں معنی مقاربت ہے مجتبیٰ کے معنی منتخب کے ہیں اور مجتنیٰ اجتناء سے ماخوذ ہیں جس کے معنی درخت سے پختہ میوے چننے کے ہیں اس کتاب کو سنن صغریٰ بھی کہتے ہیں اور عرف عام میں یہ سنن نسائی کے نام سے مشہور ہے اور جب محدثین مطلقاً رواہ النسائی کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد یہی کتاب ہوتی ہے۔ اسی طرح جب مطلقاً کتب ستہ یا اصول ستہ کہیں تو ان کتب ستہ میں یہی کتاب معتبر ہوتی ہے[2] اور اطلاقات محدثین میں سنن کبریٰ کا اعتبار نہیں ہوتا۔[3]

مصنف سنن نسائی کی تحقیق

تمام علماء اور محققین کے نزدیک یہ امر معروف اور محقق ہے کہ کتاب السنن امام نسائی کی تصنیف ہے اس کے برخلاف حافظ ذہبی نے یہ کہا ہے کہ یہ کتاب امام نسائی کے شاگرد ابن السنی کی تصنیف ہے کیونکہ انہوں نے ہی سنن کبریٰ کا اختصار کیا اور اس کا نام المجتبیٰ رکھا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: بل المجتبیٰ اختصار

---

[1] حافظ شمس الدین سخاوی متوفی ۹۰۲ھ — فتح المغیث ص ۱۲

[2] محدث ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ — مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۲۵

[3] شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۲۹ھ — بستان المحدثین ص ۲۹۰

ابن السنی تلمیذ النسائی[1] لیکن جمہور علماء اور محققین اس تحقیق میں ان کا ساتھ نہیں دیتے کیونکہ ابن اثیر نے جامع الاصول میں، حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اور حافظ سیوطی، ملا علی قاری، شیخ عبدالحق اور شاہ عبدالعزیز وغیرہم نے اپنی اپنی تصانیف میں امیر رملہ کی فرمائش کا واقعہ بیان کرکے یہ ثابت کر دیا ہے کہ امام نسائی نے خود اس کتاب کا سنن کبریٰ سے اختصار کیا ہے۔ نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام نسائی کو تہذیب التہذیب میں صاحب کتاب السنن کے نام سے تعبیر کیا ہے اور ابن السنی کے ساتھ امام نسائی کے نو شاگردوں کا ذکر کیا ہے جو امام نسائی سے کتاب السنن کی روایت کرتے ہیں[2] اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کتاب السنن کے بارے میں امام نسائی خود فرماتے ہیں کہ کتاب السنن صحیح کلہ[3] اس تفصیل کے بعد اس بات میں شک کرنے کی گنجائش نہیں رہتی کہ یہ کتاب خود امام نسائی کی تالیف ہے:

اسلوب

امام نسائی نے اپنی اس تصنیف کی ترتیب اور تالیف میں جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ اکثر کتب صحاح کے اسالیب کا جامع ہے انہوں نے امام بخاری کی طرح ایک حدیث کو متعدد ابواب میں ذکر کرکے اس سے مختلف مسائل کا اثبات کیا ہے۔ امام مسلم کے طرز پر ایک حدیث کے تمام طرق کو اختلاف الفاظ کے ساتھ روایت کرکے ایک جگہ جمع کیا ہے امام ابو داؤد کے انداز پر صرف احکام فقہیہ سے متعلق احادیث کی تدوین کی ہے اور امام ترمذی کی طرح احادیث کے ذیل میں ان پر فنی نقطۂ نگاہ سے گفتگو کی ہے اس کے علاوہ اس کتاب میں اور بھی بہت سی خوبیاں ہیں جن میں سے چند کا ذکر مع امثلہ کیا جاتا ہے۔

(۱) امام بخاری کی طرح امام نسائی بھی ایک حدیث کو متعدد مسائل کے اثبات کے لیے مختلف ابواب کے تحت ذکر کرتے ہیں مثلاً اسامہ بن عمیر سے ایک روایت ہے:۔ ان اللہ عزوجل لا یقبل صلوٰۃ بغیر طھور ولا صدقۃ من غلول؛ اس حدیث کو امام نسائی نے کتاب الطہارۃ میں بھی ذکر کیا ہے اور کتاب الزکوٰۃ میں بھی۔ اسی طرح ضمام بن ثعلبہ کی وہ روایت جس میں اس نے

---

[1] علامہ محمد بن اسماعیل امیر یمانی — توضیح الافکار ج ۱ ص ۲۲۱
[2] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۷
[3] امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ — مقدمہ زہر الربیٰ ص ۵ نمبر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارکان اسلام دریافت کیے ہیں اس کو امام نسائی نے کتاب الصلوٰۃ کے باب کم فرضت فی الیوم واللیلۃ اور کتاب الایمان میں باب الزکوٰۃ کے تحت ذکر کیا۔ نیز حدیث جبرئیل کو کتاب الایمان کے باب نعت الایمان اور باب صفت الایمان والاسلام میں ذکر کیا ہے:

(۲) ایک حدیث جس قدر طرق اور اسانید سے مروی ہو امام نسائی اس حدیث کو اختلاف الفاظ کے ساتھ ان تمام طرق سے ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں جیسا کہ امام مسلم کا طریقہ ہے لیکن امام نسائی میں یہ خوبی زائد ہے کہ وہ تمام طرق ذکر کرنے کے بعد بسا اوقات ان طرق میں جو اسانید مجروح ہوں ان کی نشاندہی کر دیتے ہیں اور بسا اوقات ان طرق کے درمیان محاکمہ کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ ان میں سے کونسا طریقہ صحیح اور کونسا مبنی بر خطاء ہے اور اگر تمام اسانید صحیح ہوں تو بتلاتے ہیں کہ ان میں سے اصح اور ارجح کون سی اسناد ہے۔ مثلاً امام نسائی باب النہی عن التبتل کے تحت وہ حدیث لائے جس میں حضور نے تجرد سے منع فرمایا ہے اس حدیث کو انہوں نے پانچ طرق سے ذکر کیا ہے جن میں سے تین طرق پر جرح کی ہے ایک روایت اسماعیل بن مسعود کی ہے جس کی سند میں اشعث ہے دوسری روایت اسحاق بن ابراہیم کی ہے جس کی سند میں قتادہ ہے فرماتے ہیں قتادہ اشعث سے زیادہ احفظ اور اثبت ہے مگر اشعث کی حدیث اشبہ بالصواب ہے۔ تیسری روایت یحییٰ بن موسیٰ کی ہے اس کی سند میں اوزاعی ہیں جو زہری سے روایت کرتے ہیں امام نسائی فرماتے ہیں کہ اوزاعی کا زہری سے سماع ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح باب التوقیت فی الخیار کے تحت وہ حدیث لائے ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو اختیار دیا تھا کہ وہ تنگی گذران کی وجہ سے حضور کو چھوڑ دیں یا اس کے باوجود حضور کے نکاح میں رہیں اس حدیث کو انہوں نے دو سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے، پہلی سند یونس بن عبد عن ابن وھب عن موسیٰ بن علی ہے اور دوسری سند محمد بن عبد الاعلیٰ عن محمد بن ثور عن معمر ہے۔ ان دونوں سندوں کے ساتھ حدیثوں کو ذکر کرنے کے بعد دوسری حدیث کے متعلق لکھتے ہیں :۔

قال ابو عبد الرحمان ھذا خطاء والاول اولیٰ بالصواب[1]۔ اسی طرح مردار جانور کی کھال کے استعمال کے جواز میں حدیث ان لا تنتفعوا من المیتۃ باھاب کو انہوں نے باب

---

[1] امام ابو عبد الرحمان نسائی متوفی ۳۰۳ھ سنن نسائی ج ۲ ص ۸۶

جلود المیتۃ میں اختلاف الفاظ کے ساتھ چار اور طرق سے ذکر کیا ہے اس طرح اس حدیث کو انہوں نے اٹھارہ طرق سے ذکر کیا ہے اس کے بعد ان اٹھارہ طرق کے درمیان محاکمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں قال ابو عبد الرحمان اصح ما فی ــــ ھٰذا الباب فی جلود المیتۃ اذا دبغت حدیث الزھری عن عبید اللہ بن عبد اللہ عن ابن عباس عن میمونۃ [1] یعنی ان اٹھارہ حدیثوں میں جو صحیح ترین حدیث ہے وہ زہری کی "عن عبید اللہ بن عبد اللہ عن ابن عباس عن میمونہ" ہے اور وہ حدیث یہ ہے:۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر علی شاۃ میتۃ ملقاۃ فقال لمن ھٰذہ فقالوا المیمونۃ فقال ما علیہا لو انتفعت باھابھا قالوا انھا میتۃ فقال انما حرم اللہ عز وجل اکلھا [1]

(۳) بعض مرتبہ ایک حدیث سند غریب سے مرفوعا مروی ہوتی ہے اور سند مشہور کے لحاظ سے وہ حدیث موقوف ہوتی ہے ایسی صورت میں امام نسائی اس کی غرابت اور وقف کا بیان کر دیتے ہیں مثلاً روایت کرتے ہیں:۔ ان قتیبۃ بن سعید عن مالک عن عمرو بن یحیی عن سعید بن یسار عن ابن عمر قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی علی حمار وھو متوجہ الی خیبر۔ اس کے بعد امام نسائی لکھتے ہیں:۔ قال ابو عبد الرحمان لا نعلم احدا تابع عمرو بن یحیی عن قولہ یصلی علی حمار و حدیث یحیی بن سعید عن انس الصواب موقوف [2] یعنی اس حدیث کے رفع میں عمرو بن یحیی متفرد ہیں اور اصل میں یہ حدیث موقوف ہے؛

(۴) بعض اوقات ایک حدیث مضطرب المتن ہوتی ہے یعنی راوی ایک حدیث کے متن کو دوسری حدیث کے متن میں ملا دیتا ہے ایسی صورت میں امام نسائی اس کی وضاحت کر دیتے ہیں مثلاً انہوں نے ایک روایت ذکر کی ہے:۔ عن عائشۃ قالت ما لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لعنۃ تذکر وکان اذا کان قریب عہد بجبرئیل علیہ السلام یدارسہ

---

[1] امام ابو عبد الرحمان نسائی متوفی ۳۰۳ھ — سنن نسائی ج ۲ ص ۱۹۹

[2] ایضاً ״ ״ ״ ״ ״ ص ۱۹۰

[3] ایضاً ״ ״ ״ ״ ج ۱ ص ۷۹

کان اجود بالخیر من الریح المرسلۃ؛ دراصل یہ الگ الگ حدیثیں ہیں جن کو راوی نے ملا دیا ہے۔ امام نسائی لکھتے ہیں، قال ابو عبد الرحمان ھذا خطاء وادخل ھذا حدیثا فی حدیث[1]

(۵) بعض اوقات ایک حدیث فی نفسہٖ مشہور ہوتی ہے لیکن بعض الفاظ کے لحاظ سے اس کو غریب قرار دیا جاتا ہے ایسی شکل میں امام نسائی اس کی غرابت کا بیان کر دیتے ہیں مثلاً وہ روایت کرتے ہیں، اخبرنا علی بن حجر اخبرنا علی بن مسھر عن الاعمش عن ابی رزین وابی صالح عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیرقہ فلیغسلہ سبع مرات[2] اس حدیث میں صرف علی بن مسہر نے فلیرقہ کے الفاظ کی روایت کی ہے۔ دوسرے راوی اس کی متابعت نہیں کرتے اس لیے امام نسائی فرماتے ہیں، قال ابو عبد الرحمان لا اعلم احدا تابع علی بن مسھر علی قولہ فلیرقہ؛

(۶) جو حدیث شاذ اور غیر محفوظ ہو اس کی تصریح کر دیتے ہیں مثلاً حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای علیھا مسکتی ذھب الحدیث[3] اس کے بعد فرماتے ہیں، قال ابو عبد الرحمان ھذا غیر محفوظ یعنی یہ حدیث شاذ ہے۔

(۷) جو حدیث منکر ہو اس کی تعیین کر دیتے ہیں مثلاً انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے ایک روایت ذکر کی ہے کہ حضور نے فرمایا امرک بیدک: تین طلاقیں ہیں اس کے بعد فرماتے ہیں قال ابو عبد الرحمان ھذا حدیث منکر یعنی یہ حدیث منکر ہے۔

(۸) بعض اوقات ایک حدیث کسی راوی سے موصولاً ذکر کرتے ہیں لیکن وہ روایت درحقیقت مرسل ہوتی ہے ایسی صورت میں امام نسائی اس کا ذکر کر دیتے ہیں مثلاً وہ روایت کرتے ہیں، اخبرنا محمد بن وھب قال حدثنا محمد بن سلمۃ عن ابی عبد الرحیم قال حدثنی

---

[1] امام ابو عبد الرحمان نسائی متوفی ۳۰۳ھ سنن نسائی ج ۱ ص ۲۱۲
[2] ایضاً ” ” ” ” ” ص ۱۰
[3] ایضاً ” ” ” ” ج ۲ ص ۲۲۵
[4] ایضاً ” ” ” ” ص ۸۲

زید بن ابی انیسہ عن طلحۃ بن مصرف عن یحیی بن سعید عن انس بن مالک قال قدم اعراب من عرینۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث؛ اس کے بعد امام نسائی لکھتے ہیں، قال ابو عبد الرحمن لا نعلم احدا قال عن یحیی بن انس فی ھذا الحدیث غیر طلحۃ والصواب عندی واللہ اعلم یحیی عن سعید بن المسیب مرسل[۱] یعنی اس حدیث کے تمام طرق میں سے صرف طلحہ نے عن یحیی عن سعید عن انس روایت کرکے اس کو موصول قرار دیا اور درحقیقت یہ حدیث سعید بن المسیب سے مرسلاً مروی ہے۔

(۹) امام نسائی حدیث مرسل اور منقطع میں کوئی فرق نہیں کرتے اور حدیث منقطع پر بھی مرسل کا اطلاق کر دیتے ہیں مثلاً وہ روایت کرتے ہیں:۔ اخبرنا اسحاق بن ابراھیم قال حدثنا نضر بن محمد المروزی ثقۃ قال حدثنا العلاء بن المسیب عن عمرو بن مرۃ عن طلحۃ بن یزید الانصاری عن حذیفۃ انہ صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فرکع فقال فی رکوعہ سبحان ربی العظیم مثل ما کان قائما الحدیث۔ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام نسائی لکھتے ہیں:۔ قال ابو عبد الرحمان ھذا الحدیث عندی مرسل وطلحۃ بن یزید لا اعلم سمع من حذیفۃ وغیر العلاء بن المسیب قال فی ھذا الحدیث عن طلحۃ عن رجل عن حذیفۃ[۲] خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں طلحہ اور حذیفہ کے درمیان ایک اور شیخ کا واسطہ ہے جس کا دوسرے راوی ذکر کرتے ہیں مگر طلحہ نے اس کا ذکر نہیں کیا اس لیے یہ حدیث منقطع قرار پائی اور امام نسائی نے اس کو مرسل کہا ہے۔ خیال رہے کہ امام نسائی کا حدیث منقطع پر مرسل کا اطلاق کرنا بعض محدثین کے مذہب کے مطابق ہے کیونکہ بہت سے محدثین مثلاً امام ابو زرعہ، ابو حاتم اور دار قطنی وغیرہ حدیث مرسل اور منقطع میں فرق نہیں کرتے؛

(۱۰) بعض دفعہ شیخ کی بیان کی ہوئی سند میں کسی راوی کا نام صحیح نہیں ہوتا تو حدیث ذکر کرنے کے بعد امام نسائی راوی کی اصلاح کر دیتے ہیں مثلاً روایت کرتے ہیں، اخبرنا سوید بن نصر قال اخبرنا عبد اللہ وھو ابن مبارک عن شعبہ عن مالک عن عرفطۃ عن عبد خیر عن

---

[۱] امام ابو عبد الرحمان نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی ج ۱ ص ۳۳

[۲] ایضاً " " " " ص ۱۷۲

علی انہ القی بکرسی فقد علیہ شود عابتور فیہ ماء الحدیث : اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام نسائی لکھتے ہیں :۔ قال ابو عبد الرحمان ھذا خطاء والصواب خالد بن علقمۃ لیس مالک بن عرفطۃ[1] یعنی سند حدیث میں جس راوی کا نام مالک بن عرفطۃ ذکر کیا گیا ہے اس کا نام اصل میں خالد بن علقمہ ہے :

(۱) اگر کسی حدیث کی سند میں کوئی غریب راوی آجائے تو اس کی نشاندہی کر دیتے ہیں مثلاً روایت کرتے ہیں، اخبرنا بشر بن خالد العسکری قال حدثنا غندر قال حدثنا شعبۃ عن سلیمان ومنصور وحماد ومغیرہ وابی ھاشم عن ابی وائل عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی التشھد التحیات للہ الحدیث : اس کے بعد لکھتے ہیں قال ابو عبد الرحمان ابو ھاشم غریب[2]

(۲) بعض اوقات سند حدیث میں کوئی راوی قوی نہیں ہوتا تو اس کا تعین کر دیتے ہیں مثلاً روایت کرتے ہیں اخبرنا احمد بن نصر قال حدثنا یحیی بن ابی بکیر قال حدثنا ابو جعفر الرازی عن محمد بن المنکدر عن سعید بن جبیر عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فذکر نحوہ : اس کے بعد لکھتے ہیں :۔ قال ابو عبد الرحمان ابو جعفر الرازی لیس بالقوی فی الحدیث[3] یعنی اس سند میں ابو جعفر نام کا ایک راوی ہے جو قوی نہیں ہے۔

(۳) اسی طرح اگر سند میں کوئی راوی ضعیف ہو تو اس کی نشاندہی کر دیتے ہیں مثلاً روایت کرتے ہیں :۔ اخبرنا محمد بن عبد اللہ بن المبارک قال حدثنی یحیی بن اسحاق قال حدثنا محمد بن سلمان عن سھیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی فی یوم ثنتی عشرۃ رکعۃ الحدیث : اس کے بعد لکھتے ہیں :۔ قال ابو عبد الرحمان ھذا خطاء ومحمد بن سلیمان ضعیف وھو

---

[1] امام ابو عبد الرحمان نسائی متوفی ۳۰۳ھ — سنن نسائی ج ۱ ص ۱۲

[2] ایضاً " " " ص ۱۱۷

[3] ایضاً " " " ص ۱۸۳

ابن الاصبہانی[1] یعنی اس سند میں محمد بن سلیمان نام کا ایک ضعیف راوی ہے؛

(۱۴) اگر ایک نام کے دو راوی ہوں اور ان میں سے ایک راوی ضعیف اور دوسرا قوی ہو تو اس کا بیان کر دیتے ہیں مثلاً روایت کرتے ہیں، اخبرنا محمد بن عبد اللہ بن بزیع قال ثنا بشر یعنی ابن المفضل قال اخبرنا عبد الرحمان بن اسحاق عن الزہری عن سہل بن سعد قال رأیت مروان بن الحکم جالسا الحدیث؛ اس کے بعد لکھتے ہیں:۔ قال ابو عبد الرحمان عبد الرحمان بن اسحاق ھذا لیس بہ باس وعبد الرحمان بن اسحاق یروی عنہ علی بن مسھر وابو معاویۃ وعبد الواحد بن زیاد عن النعمان بن سعد لیس بثقۃ[2] یعنی عبد الرحمان بن اسحاق نام کے دو راوی ہیں ایک وہ جن سے بشر بن مفضل اور ابراہیم بن طہمان روایت کرتے ہیں یہ قوی راوی ہیں اور اس حدیث میں انہیں سے روایت ہے اور ایک عبد الرحمان بن اسحاق وہ ہیں جن سے علی بن مسہر اور ابو معاویہ وغیرہ روایت کرتے ہیں یہ ضعیف راوی ہیں؛

(۱۵) بعض دفعہ کسی راوی میں کوئی ابہام ہوتا ہے تو اس کی کسی صفت کا ذکر کر کے اس ابہام کا ازالہ کر دیتے ہیں مثلاً ایک جگہ اثناء سند میں محمد بن ابراہیم کا ذکر کیا پھر اخیر میں اس کی وضاحت کی کہ وہ ابوبکر بن ابی شیبہ کے والد ہیں لہٰذا لکھتے ہیں:۔ قال ابو عبد الرحمان محمد بن ابراہیم والد ابی بکر بن ابی شیبہ[3]

(۱۶) بسا اوقات امام نسائی حدیث کے راویوں کے مراتب اور ایک استاذ کے متعدد شاگردوں کے درجات کا بھی تعین کرتے ہیں مثلاً انہوں نے وتر کے بعد ذکر بالجہر کے جواز پر یہ روایت ذکر کی:۔ فاذا اراد ان ینصرف قال سبحان الملک القدوس ثلثا یرفع بھا صوتہ؛ اس روایت کو اختلاف الفاظ کے ساتھ انہوں نے پانچ طرق سے ذکر کیا ہے اولاً یہ روایت قاسم بن یزید سے ثانیاً محمد بن عبید سے اور ثالثاً ابونعیم سے ذکر کی ہے پھر ان تینوں طرق کے مراتب کا فرق بیان کیا ہے فرماتے ہیں:۔ قال ابو عبد الرحمان ابو نعیم اثبت عندنا من محمد بن عبید ومن

---

[1] امام عبد الرحمان نسائی متوفی ۳۰۳ھ — سنن نسائی ج ۱ ص ۱۸۵

[2] ایضاً ۔ ج ۲ ص ۳۰۳

[3] ایضاً ۔ ۔ ۔ ج ۱ ص ۱۸۶

قاسم بن یزید یعنی پہلے دو راویوں کی نسبت ابونعیم راجح ہے اور ابونعیم سفیان سے روایت کرتے ہیں اس لیے سفیان کے شاگردوں میں ابونعیم کی حیثیت متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں واثبت اصحاب سفیان عندنا واللہ اعلم یحیی بن سعید القطان ثم عبد اللہ بن المبارک ثم وکیع بن الجراح ثم عبد الرحمان بن مھدی ثم ابو نعیم[1] یعنی سفیان کے شاگردوں میں ابونعیم پانچویں درجہ میں شمار ہوتے ہیں :

(۷) بعض دفعہ امام نسائی کسی حدیث کی تخریج میں دوسرے آئمہ حدیث سے اختلاف کرتے ہیں پھر اپنے مؤقف پر عقلی اور نقلی دلائل فراہم کرتے ہیں مثلاً انہوں نے ایک روایت ذکر کی :۔ اخبرنا اسحاق بن ابراھیم قال قرأت علی ابی قرۃ موسی بن طارق عن ابن جریج قال حدثنا عبد اللہ بن عثمان بن خثیم عن ابی الزبیر عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین رجع من عمرۃ الجعرانۃ بعث ابابکر علی الحج الحدیث : اس حدیث کی سند میں ابن جریج اور ابوالزبیر کے درمیان ایک راوی ہے ۔ ابن خثیم جو ضعیف ہے دوسرے آئمہ حدیث جب اس روایت کو ذکر کرتے ہیں تو ابن جریج اور ابوالزبیر کے درمیان ابن خثیم کا ذکر نہیں کرتے امام نسائی نے اس کا ذکر اس وجہ سے کیا ہے کہ درمیان میں اس کا ذکر نہ کرنے کی صورت میں یہ حدیث منقطع ہو جائے گی چنانچہ لکھتے ہیں :۔ قال ابو عبد الرحمان ابن خثیم لیس بالقوی فی الحدیث وانما اخرجت ھذا لئلا یجعل ابن جریج عن ابی الزبیر پھر اپنی تخریج کی تائید کے لیے ان محدثین کے حوالے دیتے ہیں جنہوں نے ابن خثیم کا اسناد میں ذکر کیا ہے ، پس لکھتے ہیں :۔ وما کتبناہ الا عن اسحاق بن راھویہ ابن ابراھیم ۔ ویحیی بن سعید القطان لم یترک الحدیث ابن خثیم ولا عبد الرحمان یعنی اسحاق ، یحیی اور عبد الرحمان یہ سب لوگ ابن خثیم سے روایت کرتے ہیں اخیر میں ابن خثیم کے ضعف کی وجہ بتلاتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :۔ ان علی بن المدینی قال ابن خثیم منکر الحدیث[2]

---

[1] امام ابو عبد الرحمان نسائی متوفی ۳۰۳ھ سنن نسائی ج ۱ ص ۱۸۰

[2] ایضاً ۔ ۔ ج ۲ ص ۳۴

(۱۸) سنن نسائی میں ایک جگہ امام نسائی نے ایک حدیث سب سے طویل اسناد کے ساتھ بیان فرمائی ہے جس میں چھ تابعین کا ذکر ہے اور اس حدیث کے بعد امام نسائی لکھتے ہیں میرے علم میں اس سے طویل اسناد اور کوئی نہیں ہے وہ روایت یہ ہے :- اخبرنا محمد بن بشار حدثنا عبد الرحمان حدثنا زائدة عن منصور عن هلال بن يساف عن ربيع بن خثيم عن عمرو بن ميمون عن ابن ابی ليلى عن امرأة عن ابی ايوب عن النبی صلی الله عليه وسلم قال قل هو الله احد ثلث القران قال ابو عبد الرحمان ما اعرف اسناداً اطول من هذا[1]

(۱۹) بعض دفعہ متن حدیث میں کوئی مشکل لفظ مستعمل ہوتا ہے تو امام نسائی اس کا آسان لفظ کے ساتھ معنی بیان کر دیتے ہیں چنانچہ امام نسائی نے ایک روایت ذکر کی کہ ایک اعرابی نے مسجد میں آکر پیشاب کر دیا صحابہ کرام اس کو ڈانٹنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا تزرموه امام نسائی اس کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں قال ابو عبد الرحمان یعنی لا تقطعوا عليه[2]

(۲۰) امام نسائی نے سنن صغریٰ کی تالیف میں انتہائی غور و فکر، تتبع اور تحقیق سے کام لیا ہے اس کے باوجود جس بات کی کنہ تک پہنچنے سے قاصر رہتے ہیں صاف کہہ دیتے ہیں لم افهم کما اردت میں اس بات کو حسب منشا نہیں سمجھ سکا۔

شرائط فن حدیث کے ماہرین نے امام نسائی کی شرائط کو بڑی اہمیت سے بیان کیا ہے بعض لوگ شرائط کے لحاظ سے امام نسائی کو امام مسلم پر ترجیح دیتے تھے۔ حافظ ابو علی نیشا پوری کہتے ہیں کہ رجال میں امام نسائی کی شرائط امام مسلم سے زیادہ سخت ہیں اسی طرح حاکم نیشا پوری اور خطیب بغدادی نے بھی امام نسائی کی شرائط کو امام مسلم کی شرائط سے زیادہ سخت قرار دیا ہے[3]

---

[1] امام ابو عبد الرحمان نسائی متوفی ۳۰۳ھ — سنن نسائی ج ۱ ص ۱۰۰

[2] ایضاً ” ” — ” ” ص ۹

[3] حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ — کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۰۶

اور بعض لوگ تو شرائط کے لحاظ سے امام نسائی کو امام بخاری پر بھی ترجیح دیتے تھے چنانچہ ابن طاہر کہتے ہیں میں نے امام ابوالقاسم سعد بن علی زنجانی سے ایک راوی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کی توثیق کی میں نے کہا کہ امام نسائی تو اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ رجال میں امام نسائی کی شرائط امام بخاری اور امام مسلم سے زیادہ سخت ہیں[1]۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ بہت سے راوی ایسے ہیں جن کی روایت کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی قبول کر لیتے ہیں لیکن امام نسائی ان سے روایت نہیں لیتے بلکہ امام نسائی نے تو صحیحین کے راویوں کی ایک جماعت سے بھی روایت میں احتراز کیا ہے[2]۔

امام نسائی کی شرائط کے بارے میں اس قسم کی اور بھی بہت سی باتیں بیان کی گئی ہیں لیکن ان کو ماننے میں ہمیں تامل ہے کیونکہ ان باتوں کے ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ سنن نسائی کی احادیث صحت اور قوت کے اعتبار سے صحیحین کی احادیث سے زیادہ معتمد ہوں اور یہ واقعہ اور تحقیق کے سراسر خلاف ہے کیونکہ خود امام نسائی کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ ان کی اس کتاب میں شاذ، منکر، منقطع معلول، مضطرب اور مرسل روایات بکثرت موجود ہیں اس لیے امام نسائی کی شرائط کے بارے میں ان کا اپنا بیان کیا ہوا ضابطہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ لا یترک عندی حتی یجتمع الجمیع علی ترکہ[3] یعنی وہ کسی راوی کو اس وقت جائز الروایت سمجھتے ہیں جب تک کہ اس کے ترک پر سب کا اتفاق نہ ہو اور سنن نسائی میں ان کا یہ طریقہ ہے کہ اولاً کسی موضوع پر حدیث صحیح کو درج کرتے ہیں اور اگر حدیث صحیح نہ مل سکے تو حدیث ضعیف کو بھی لے آتے ہیں مگر اس کے ضعف کی تصریح کر دیتے ہیں۔

حافظ ابوبکر حازمی نے شروط الائمہ میں ذکر کیا ہے کہ امام ابوداؤد کی طرح امام نسائی بھی کامل الضبط اور کثیر الملازمۃ، کامل الضبط اور قلیل الملازمۃ اور ناقص الضبط اور کثیر الملازمۃ راویوں کے ان طبقوں سے استیعاب کرتے ہیں اور ناقص الضبط اور قلیل الملازمۃ سے انتخاب کرتے ہیں

---

١ شمس الدین ذہبی متوفی ٧٤٨ھ — تذکرۃ الحفاظ ج ٢ ص ٧٠٠

٢ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ٩١١ھ — مقدمہ زہر الربی ص ٣٥

٣

اور پانچویں طبقہ سے اصلاً روایت نہیں کرتے۔

اور حافظ جلال الدین سیوطی نے مقدمہ زہر الربی میں بیان کیا ہے کہ احادیث نسائی کی تین قسمیں ہیں :۔

(۱) وہ احادیث جو بخاری اور مسلم میں ہیں۔

(۲) وہ احادیث جو بخاری اور مسلم کی شرائط کے مطابق ہیں۔

(۳) وہ احادیث جن کا خود امام نسائی نے اخراج کیا اور اگر ان میں کوئی علت تھی تو اس کا بیان کر دیا۔

تعداد مرویات بعض تذکرہ نگاروں کی تصریح کے مطابق سنن نسائی کی مرویات کی کل تعداد پانچ ہزار سات سو اکسٹھ ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ؛

تسامح کتاب السنن میں بعض مقامات پر تتبع کی کمی کی وجہ سے امام نسائی سے تسامح بھی واقع ہوا ہے عام طور پر کسی حدیث کے بارے میں امام نسائی یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ فرد ہے۔ اور اس کا کوئی متابع نہیں ہے حالانکہ واقع میں اس کے بہت سے متابع ہوتے ہیں مثلاً امام نسائی نے حماد سے فاطمہ بنت ابی حبیش کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ذکر ہے :۔ انما ذالک عرق ولیست بالحیضۃ فاذا اقبلت الحیضۃ فدعی الصلوٰۃ واذا ادبرت فاغتسلی عنک الدم وتوضئی وصلی فانما ذالک عرق ولیست بالحیضۃ : اس حدیث کے بارے میں امام نسائی فرماتے ہیں :۔ قال ابو عبد الرحمان قد روی ھذا الحدیث غیر واحد عن ھشام بن عروہ ولم یذکر فیہ وتوضئی غیر حماد[1] یعنی اس حدیث کے راویوں میں سے صرف حماد نے وتوضئی کا لفظ ذکر کیا ہے حالانکہ حماد اس زیادتی میں منفرد نہیں ہیں بلکہ اور راویوں نے بھی اس حدیث میں وتوضئی کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے محمد بن سلام عن ابی معاویہ عن ھشام عن عروۃ عن عائشہ کی سند سے یہ حدیث روایت کی ہے اور اس میں ہے ثم توضئی لکل صلوٰۃ حتی

---

[1] امام ابو عبد الرحمان نسائی متوفی ۳۰۳ھ سنن نسائی ج ۱ ص ۴۹

یجئ ذالک الوقت[1] اسی طرح امام ترمذی نے بھی ابو معاویہ کی روایت سے وتوضئی کا ذکر کیا ہے فرماتے ہیں:۔ قال ابو معاویۃ فی حدیثہ وقال توضئ لکل صلوٰۃ حتی یجئ ذالک الوقت[2] امام ابو داؤد نے حماد اور ابو معاویہ کے علاوہ ایک اور سند سے اس حدیث کو روایت کیا جس میں وتوضئی کا لفظ مذکور ہے اور وہ روایت اس طرح ہے:۔ حدثنا محمد بن المثنی نا محمد بن ابی عدی عمہ یعنی ابن عمر قال ثنی ابن شہاب عن عروۃ بن الزبیر عن فاطمۃ بنت ابی جیش...... فاذا کان الآخر فتوضئی وصلی فانما ھو عرق[3] اس کے علاوہ بیہقی نے ایک اور سند سے وتوضئی کا ذکر کیا ہے[4] پس اس تفصیل اور تحقیق سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وتوضئی کی روایت میں حماد تنہا نہیں ہیں اور ان پر تفرد کا حکم لگانا امام نسائی کا محض تسامح ہے۔ یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ اس قسم مسامحات سنن نسائی میں کافی تعداد میں ہیں۔

شروح وحواشی صحاح ستہ کی دوسری کتب کی جس قدر شروح اور تعلیقات تحریر میں آئی ہیں سنن نسائی کی شروح اور حواشی پر اس قدر توجہ نہیں دی گئی اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ کتاب آسان اور سہل الحصول ہے دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ سنن نسائی کی اکثر احادیث چونکہ دوسری کتب صحاح میں آ چکی ہیں اور وہاں ان کی مفصل شرح کی جا چکی ہے اس لیے سنن نسائی کے عنوان سے ان احادیث کی مزید شرح نہیں کی گئی۔

سنن نسائی کی ایک مشہور شرح الاسعاف فی شرح سنن النسائی لابی عبد الرحمان کے نام سے ہے یہ شرح علامہ ابو الحسن علی بن عبد اللہ الانصاری المتوفی ۵۶۰ھ کی تالیف ہے[5] اور یہ غالباً سنن نسائی کی سب سے پہلی مبسوط شرح ہے جس میں بہت سے مفید مطلب مباحث آ گئے ہیں دوسری

---

[1] امام ابو عبد اللہ بخاری متوفی ۲۵۶ھ — صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶

[2] امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ — جامع ترمذی ص ۴۴

[3] امام ابو داؤد سجستانی متوفی ۲۷۵ھ — سنن ابو داؤد ص ۳۹

[4] ابو بکر احمد بن علی بیہقی متوفی ۴۵۸ھ — سنن کبریٰ ج ۱ ص ۳۲۵

[5] ابو بکر محمد بن محمود دہلوی متوفی ۱۰۰۲ھ — نیل الابتہاج ص ۲۰۰

شرح ابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ نے زوائد نسائی کے نام سے لکھی ہے تیسری شرح زہر الربی علی المجتبیٰ کے نام سے حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے تحریر کی اس شرح کو قبول عام حاصل ہوا سنن نسائی کے موجودہ نسخوں کے حواشی پر اس کتاب کو چھاپ دیا گیا ہے۔[2] ان شروحات کے علاوہ سنن نسائی پر حواشی اور تعلیقات کو بھی تصنیف کیا گیا جن میں حاشیہ سندی بہت مشہور ہے۔

سنن نسائی کے رواۃ

امام نسائی سے جن لوگوں نے اس کتاب کو روایت کیا ہے ان کے اسماء یہ ہیں:۔ (۱) عبد الکریم بن النسائی (۲) ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق ابن السنی (۳) ابو علی الحسن بن الخضر الاسیوطی (۴) الحسن بن رشیق العسکری (۵) الحافظ ابو القاسم حمزۃ بن محمد الکنانی (۶) ابو الحسن محمد بن عبد اللہ بن زکریا (۷) محمد بن معاویہ بن الاحمر (۸) محمد بن قاسم الاندلسی (۹) علی بن ابی جعفر طحاوی (۱۰) ابوبکر بن محمد احمد۔[2]

★

۱۔ حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۰۶

۲۔ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۶

امام ابن ماجہ

فن حدیث کے آئمہ ستہ میں امام ابن ماجہ کا نام سب سے اخیر میں آتا ہے دوسرے آئمہ حدیث کی طرح امام ابن ماجہ نے بھی خدمت حدیث میں بڑا نام کمایا اور اپنے بے شمار مداحین پیدا کیے امام ابوالقاسم رافعی تاریخ قزوین میں لکھتے ہیں کہ ابن ماجہ آئمہ مسلمین کے ایک عظیم امام ثقہ شخصیت کے مالک اور اہل علم میں بے حد مقبول تھے۔ محدث خلیلی کہتے ہیں کہ وہ تفسیر، حدیث اور تاریخ کے بہت بڑے عالم تھے خصوصاً علم حدیث میں تو وہ بہت بڑے ماہر اور حافظ گردانے جاتے تھے اور ان کے اقوال لوگوں کے لیے سند کا درجہ رکھتے تھے علامہ یاقوت حموی معجم البلدان میں لکھتے ہیں کہ ابن ماجہ کا قزوین کے ممتاز آئمہ میں شمار ہوتا تھا۔ اسی طرح شمس الدین ذہبی، شہاب الدین۔ ابن حجر عسقلانی، ابن خلکان، ابن ناصرالدین اور دیگر مؤرخین اور ناقدین فن نے امام ابن ماجہ کی علم حدیث میں امامت، رفعت شان، وسعت نظر، حفظ حدیث اور ثقاہت کا اعتراف اور اقرار کیا ہے ان کی علمی اور فنی خدمات کو سراہا ہے اور شاندار طریقہ سے ان کے فضائل اور مناقب بیان کیے ہیں۔

نام و نسب امام ابن ماجہ کا پورا نام اس طرح ہے۔ حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید الربعی ابن ماجہ القزوینی۔[1] حافظ لقب ہے، ابوعبداللہ کنیت، محمد نام، یزید آپ کے والد کا نام ہے اور ربعی، ربیعہ بن نزار کی طرف نسبت ہے۔ قبیلہ ربیعہ سے نسبت ولاء کی بناء پر ان کو ربعی کہا جاتا ہے جس طرح امام بخاری کو نسبت ولاء کی وجہ سے جعفی کہتے ہیں اور قزوینی قزوین کی طرف نسبت ہے جو عراق عجم کا مشہور شہر ہے یہ ایران کے صوبہ آذربائیجان میں واقع ہے اور امام ابن ماجہ کا وطن ہے۔

ابن ماجہ میں ماجہ فارسی لفظ ہے اور غالباً یہ لفظ ماچہ کا معرب ہے۔ ماجہ کے مصداق میں مؤرخین

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۵۲۱

کا اختلاف ہے اور ان کی عبارات اس باب میں کافی مضطرب ہیں۔ شاہ عبدالعزیز نے بستان المحدثین میں لکھا ہے کہ ماجہ آپ کی والدہ کا نام تھا اور عجالہ نافعہ میں لکھا ہے کہ یہ آپ کے والد کا لقب ہے بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آپ کے دادا کا نام ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ماجہ آپ کے والد یزید کا لقب ہے اور یہی اکثر علماء اور قزوین کے مؤرخین کا مختار ہے اس لیے قواعد املاء کے مطابق اس لفظ کو اثبات الف کے ساتھ یوں لکھنا چاہیئے۔ محمد بن یزید ابن ماجہ تاکہ معلوم ہو کہ ابن ماجہ محمد کی صفت ہے اور یزید کی صفت نہیں ہے۔ اس لفظ کی املاء میں ملا علی قاری سے ایک تسامح واقع ہوا ہے کیونکہ انہوں نے ابن ماجہ کو یزید کا لقب اور محمد کی صفت قرار دینے کے باوجود یہ کہا ہے کہ اس لفظ کو بغیر الف کے لکھنا چاہیئے حالانکہ اس صورت میں ابن کو الف کے ساتھ ہی لکھنا چاہیئے ملا علی قاری لکھتے ہیں :۔

وابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ	اور ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ کو
باثبات الف ابن خطاء فانہ	اثبات الف کے ساتھ ابن ماجہ لکھنا خطا
بدل من ابن یزید ففی	ہے کیونکہ یہ ابن یزید سے بدل ہے یعنی
القاموس ماجہ لقب والد	محمد کی صفت ہے، قاموس میں ہے کہ
محمد بن یزید صاحب	ماجہ۔ محمد بن یزید صاحب سنن کے
السنن لاجدہ [1]	والد کا لقب ہے نہ کہ دادا کا۔

امام نووی نے لفظ ابن لکھنے کا قاعدہ یہ بیان کیا ہے کہ اگر دو متناسل ناموں کے درمیان ابن آئے تو بغیر الف کے لکھا جاتا ہے جیسے عبداللہ بن عمر یا عبداللہ بن عباس اور اگر ابن دو متناسل ناموں کے درمیان نہ ہو بلکہ پہلے نام کی صفت ہو تو الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے جیسے عبداللہ بن عمرو ابن ام مکتوم میں ابن ام مکتوم یا عبداللہ بن ابی ابن سلول میں ابن سلول کیونکہ پہلی مثال میں ام مکتوم، عبداللہ بن عمرو کی اور دوسری مثال میں سلول، عبداللہ بن ابی کی والدہ کا نام ہے اور ابن ام مکتوم، عبداللہ بن عمرو کی اور ابن سلول عبداللہ بن ابی کی صفت ہے [2]

---

[1] ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۲۰

[2] امام ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم علی هامش مسلم ج ۱ ص ۲۰

ولادت اور حالات زندگی

امام ابن ماجہ ۲۰۹ھ کو عراق عجم کے مشہور شہر قزوین میں پیدا ہوئے[1] عام دستور کے مطابق ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد علم حدیث کی طرف رجوع کیا۔ وطن اور بیرون وطن ہر جگہ روایت حدیث کو تلاش کیا اور دور دراز علاقوں میں جاکر علم حدیث حاصل کیا اس سلسلہ میں انہوں نے خراسان، عراق، حجاز، مصر اور شام کے متعدد شہروں کا سفر کیا جن میں مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، کوفہ، بصرہ، بغداد اور طہران کے نام قابل ذکر ہیں۔ امام ابن ماجہ کے اساتذہ اور شیوخ کے اوطان پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ان اساتذہ سے حصول علم کی خاطر اور شہروں کا بھی سفر کیا ہوگا جن میں اصفہان، رہواز، ایلہ، بلخ، بیت المقدس، حران، دمشق، فلسطین عسقلان، مرو اور نیشاپور کا نام خاص طور پر لیا جاتا ہے۔

اساتذہ

امام ابن ماجہ کے اساتذہ کی بھی ایک کثیر تعداد ہے جن میں سے چند حضرات کے اسماء یہ ہیں:۔ محمد بن عبداللہ بن نمیر، جبارہ بن المغلس، ابراہیم بن المنذر الحزامی۔ عبداللہ بن معاویہ، ہشام بن عمار، محمد بن رمح اور داؤد بن رشید[2] ان کے علاوہ ابوبکر بن ابی شیبہ، نصر بن علی الجہضمی، ابو مروان محمد بن عثمان، محمد بن یحییٰ نیشاپوری، احمد بن ثابت الجحدری، ابوبکر بن خلاد باہلی، محمد بن بشار، علی بن منذر، محمد بن عبادبن آدم، عباس بن عبدالعظیم، احمد بن عبدۃ، عبداللہ بن عامر بن زراۃ ابوخیثمہ زہیر بن حرب، عثمان بن ابی شیبہ، عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان دمشقی اسماعیل بن بشر بن منصور اور یحییٰ بن حکیم بھی ابن ماجہ کے مشہور اساتذہ میں شامل ہیں۔

تلامذہ

امام ابن ماجہ سے فیض حاصل کرنے والے اور ان سے احادیث کی روایت کرنے والے حضرات کی بھی ایک طویل فہرست ہے چند حضرات[3] کے اسماء یہ ہیں:۔ علی بن سعید بن عبداللہ الغدانی، ابراہیم بن دینار الجرشی الہمدانی، احمد بن ابراہیم القزوینی، ابوالطیب احمد بن روح الشعرانی، اسحاق بن محمد القزوینی، جعفر بن ادریس، حسین بن علی بن برانیاد، سلیمان بن یزید القزوینی، محمد بن عیسیٰ الصفار، حافظ ابوالحسن علی بن ابراہیم بن سلمۃ القزوینی، ابوعمرو احمد بن محمد حکیم المدنی الاصبہانی[3]

---

1. امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ — تذکرہ — ج ۲ ص ۶۳۰
2. ایضاً — " — " — " — "
3. حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۵۳۱

تصنیف امام ابن ماجہ سے تین کتابیں یادگار ہیں (۱) سنن ابن ماجہ اس کا تعارف بالتفصیل آرہا ہے (۲) تفسیر ابن ماجہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں ؛ و لابن ماجہ تفسیر حافل اور امام سیوطی نے بھی اتقان میں تیسرے طبقہ کی تفسیروں میں ابن ماجہ کی تفسیر کا شمار کیا ہے[۱] لیکن اب یہ کتاب نایاب ہو چکی ہے (۳) التاریخ یہ صحابہ سے لے کر مصنف کے عہد تک کی تاریخ ہے حافظ ابن طاہر مقدسی متوفی ۵۰۷ھ فرماتے ہیں کہ میں نے قزوین میں اس کا ایک نسخہ دیکھا تھا لیکن اب یہ کتاب ناپید ہو چکی ہے ؛

وصال چونسٹھ سال کی زندگی گذار کر ۲۲ رمضان ۲۷۳ھ پیر کے دن ابن ماجہ کا انتقال ہو گیا اور منگل کے دن آپ کو دفن کیا گیا[۲] حافظ ابو الفضل مقدسی شروط الائمۃ الستۃ میں لکھتے ہیں کہ آپ کے بھائی ابوبکر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے صاحبزادے عبداللہ اور دو بھائیوں نے مل کر آپ کو قبر میں اتارا۔

متعدد شعراء نے آپ کی وفات پر دردناک مرثیے لکھے محمد بن الاسود قزوینی کے مرثیہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :۔

لقد اوھی دعائم عرش علم   وضعضع رکنہ فقد ابن ماجہ

ابن ماجہ کے وصال نے سریر علم کے ارکان اور ستون توڑ ڈالے ہیں ؛

الا للہ ما جنت المنایا   علینا من تخطفھا ابن ماجہ

موت نے ابن ماجہ کو ہم سے چھین کر جو زیادتی کی ہے اس کی فریاد بس اللہ ہی سے ہے۔

فمن یرجی لعلم او لحفظ   بشرح بیّن مثل ابن ماجہ

اب علم اور حفظ کے باب میں کس سے توقع کی جائے کہ وہ ابن ماجہ کی سی شرح کر سکے۔

اباعبد الالہ مضیت فردا   وما خلفت مثلک یا ابن ماجہ[۳]

اے ابو عبداللہ تم اپنے دور میں یگانہ اور منفرد تھے اور تم نے اپنے بعد اپنی نظیر

۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ   الاتقان ج ۲ ص ۱۹۰

۲۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی متوفی ۱۲۲۹ھ   بستان المحدثین ص ۲۹۹

۳۔ شیخ علی بن سلیمان   نور مصباح الزجاجہ علی سنن ابن ماجہ ص ۳

نہیں چھوڑی۔

بعض مرثیوں کے اشعار حافظ ابن حجر نے بھی تہذیب التہذیب میں نقل فرمائے ہیں۔

بہرحال ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابن ماجہ اپنے دَور کی محبوب اور ہردلعزیز شخصیت تھے۔ اور قزوین میں ان کے لیے بحد خلوص اور احترام پایا جاتا تھا۔

سنن ابن ماجہ

کتب صحاح ستہ میں جس کتاب کو سب سے آخر میں شمار کیا جاتا ہے وہ سنن ابن ماجہ ہے اس کتاب کو پانچویں صدی کے اخیر میں صحاح ستہ میں شمار کیا [1] ہے اس کے بعد ہر دور میں یہ کتاب اپنی اہمیت منواتی گئی صحت اور قوت کے لحاظ سے صحیح ابن حبان، سنن دارمی، دارقطنی اور دوسری کئی کتب ابن ماجہ سے برتر تھیں لیکن ان کتب کو وہ قبول عام اور فروغ حاصل نہ ہو سکا جو سنن ابن ماجہ کو نصیب ہوا۔ سنن نسائی کو قوت اور صحت اسناد کے لحاظ سے بعض مغاربہ نے بخاری اور مسلم پر بھی ترجیح دی لیکن اس کے باوجود سنن نسائی پر حواشی اور شروحات کے سلسلہ میں اس قدر کام نہیں ہوا جس قدر کام سنن ابن ماجہ کے حواشی اور شروحات کے سلسلہ میں ہوا ہے۔

سنن ابن ماجہ کی افادیت اور مقبولیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ جب امام ابن ماجہ نے یہ کتاب تصنیف کر کے حافظ ابو زرعہ کی خدمت میں پیش کی تو وہ اس کو دیکھ کر بےساختہ پکار اٹھے کہ اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو اس دور کی اکثر جوامع اور مصنفات بیکار اور معطل ہو کر رہ جائیں گی۔ حافظ ابو زرعہ کا یہ قول حرف بحرف صادق ہوا اور سنن ابن ماجہ کے فروغ کے سامنے متعدد جوامع اور مصنفات کے چراغ دھندلا گئے۔

اسلوب

سنن ابن ماجہ کو جس چیز نے عوام و خواص میں پذیرائی اور قبولیت عطا کی وہ اس کا شاندار اسلوب اور روایت کا حسن انتخاب ہے۔ ابواب کی فقہی رعایت سے ترتیب احادیث سے مسائل کے واضح استنباط اور تراجم ابواب کی احادیث سے بغیر کسی پیچیدگی اور الجھن کے مطابقت نے بھی سنن ابن ماجہ کے حسن کو نکھارا ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم سنن ابن ماجہ کے اسلوب کی چند خوبیاں اور خصوصیات پیش کر رہے ہیں۔

---

[1] امام ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ — تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۳۶

(۱) امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں زیادہ تر ان احادیث کو روایت کیا ہے جو کتب خمسہ میں موجود نہیں ہیں علامہ ابوالحسن سندی لکھتے ہیں کہ امام ابن ماجہ اپنے اس اسلوب میں حضرت معاذ بن جبل کے تابع ہیں کیونکہ وہ بھی انہیں احادیث کی روایت کرتے تھے جو دوسرے صحابہ کے پاس نہیں ہوتی تھیں۔ اور جس طرح حضرت معاذ کا یہ طریقہ کثرت افادہ کے لیے تھا اسی طرح امام ابن ماجہ نے بھی زیادتی افادہ کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا اور اپنے اس اسلوب کو قائم رکھنے کے لیے انہوں نے اسانید کی صحت اور قوت کی طرف بھی چنداں التفات نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ سنن ابن ماجہ میں ضعیف الاسناد روایات بکثرت موجود ہیں۔

(۲) سنن ابن ماجہ کی ایک اہم انفرادیت اور خصوصیت یہ ہے کہ امام ابن ماجہ اپنی سنن میں کوئی حدیث مکرر نہیں لائے اور یہ وہ خوبی ہے جو بقیہ کتب اصول میں سے کسی کتاب میں موجود نہیں؛

(۳) سنن ابن ماجہ باقی کتب سنن کی بنسبت بہت زیادہ اختصار سے کام لیا گیا ہے اس کے باوجود یہ کتاب تمام ضروری مسائل اور احکام کی جامع ہے۔

(۴) زیادہ تر اس کتاب میں مسائل اور احکام سے متعلق احادیث ہیں۔ فضائل اور مناقب سے متعلق احادیث اس کتاب میں نہیں لائی گئیں۔

(۵) بعض مقامات پر امام ابن ماجہ حدیث کی فنی حیثیت پر بھی گفتگو کرتے ہیں مثلاً وہ ایک روایت ذکر کرتے ہیں:- حدثنا ابوبکر بن ابی شیبۃ ثنا ابن ابی غنیۃ عن الاعمش عن ابراھیم عن علقمۃ عن عبداللہ انہ سئل اکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب قائما او قاعدا قال اوما تقرء و ترکوک قائما؛ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام ابن ماجہ لکھتے ہیں:- قال ابوعبداللہ غریب لایحدث بہ الا ابن ابی شیبۃ وحدہ[۱]

(۶) اگر کسی حدیث کے بارے میں لوگوں میں تشویش اور اضطراب رہا ہو تو امام ابن ماجہ اس حدیث کے ثبوت ملنے کا بھی ذکر کر دیتے ہیں چنانچہ ایسے ہی ایک واقعہ کا انہوں نے اس روایت کے بعد ذکر کیا ہے:- حدثنا محمد بن یحیی ثنی ابراھیم بن موسی انبانا عباد بن العوام عن عمرو

---

[۱] امام ابوعبداللہ ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ سنن ابن ماجہ ص ۷۷

بن ابراهیم عن قتادہ عن الحسن عن الاحنف بن قیس عن العباس بن عبد المطلب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال امتی علی الفطرۃ ما لم یؤخروا المغرب حتی تشتبک النجوم؛ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام ابن ماجہ لکھتے ہیں:۔ قال ابو عبداللہ ابن ماجہ سمعت محمد بن یحیی یقول اضطرب الناس فی ھذا الحدیث ببغداد فذھبت انا وابوبکر الاعین الی العوام بن عباد بن العوام فاخرج الینا اصل ابیہ فاذا الحدیث فیہ[1] خلاصہ یہ ہے کہ میں نے محمد بن یحیٰی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ بغداد کے لوگوں میں اس حدیث کے بارے میں کچھ اضطراب تھا پس میں اور ابوبکر اعین دونوں اس حدیث کی تحقیق کی خاطر عباد بن عوام کے صاحبزادے عوام کے پاس گئے انہوں نے ہمیں اپنے والد عباد بن عوام کا اصل نسخہ لاکر دکھایا اس میں یہ حدیث موجود تھی؛

(۷) بعض روایات بعض شہروں کے محدثین کے ساتھ خاص ہوتی تھیں اور دوسرے شہروں میں اس کے راوی نہیں ہوتے تھے امام ابن ماجہ جب اس قسم کی روایات ذکر کرتے ہیں تو بتلا دیتے ہیں کہ یہ فلاں شہر والوں کی روایت ہے مثلاً ایک روایت ذکر کرتے ہیں:۔ حدثنا ابو عمیر عیسی بن محمد النحاس وعیسی بن یونس والحسین بن ابی السری العسقلانی قالوا ثنا حمزہ بن ربیعہ عن ابن شوذب عن ثابت البنانی عن انس بن مالک قال اتی رجل یقاتل ولیہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث بطولہ[2] اس کے بعد امام ابن ماجہ لکھتے ہیں ھذا حدیث الرملیین لیس الا عندھم یعنی یہ حدیث سوا اہل فلسطین کے اور کسی کے پاس موجود نہیں ہے۔

ثلاثیات ابن ماجہ کتب صحاح ستہ کے مصنفین میں سے صرف چار کو اپنی اپنی تصانیف میں ثلاثیات روایت کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں مع مکررات کے بائیس ثلاثیات روایت کی ہیں امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں صرف ایک ثلاثی حدیث کو روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں پانچ ثلاثیات

---

[1] امام ابوعبداللہ ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ سنن ابن ماجہ ص ۵۰

[2] ایضاً ص ۱۹۲

اور روایت کیا ہے اور یہ پانچوں روایات سند واحد سے مروی ہیں اور وہ سند یہ ہے۔ حدثنا جبارۃ بن المغلس ثنا کثیر بن سلیم عن انس بن مالک۔ اس سند کے ایک راوی جبارۃ بن مغلس ہیں جو امام ابن ماجہ کے شیخ ہیں۔ حافظ ابوزرعہ، ابن معین، ابن سعد اور بزاز وغیرہ محدثین نے ان کی سخت تضعیف کی ہے اور ان کی روایات کو منکر اور مضطرب قرار دیا ہے۔ امام احمد بن حنبل کے سامنے جب ان کے صاحبزادے نے جبارۃ کی روایات کو پڑھا تو انہوں نے بعض روایات کو موضوع اور بعض کو کذب قرار دیا۔ تاہم بعض محدثین نے ان کی تعدیل اور تقویت بھی کی ہے۔ ابن نمیر کہتے ہیں کہ وہ صدوق تھے اور انہوں نے عمداً کبھی روایت میں جھوٹ نہیں بولا۔ ابن عدی بھی کہتے ہیں کہ وہ عمداً روایات میں دروغ بیانی نہیں کرتے تھے البتہ وہ روایات میں غفلت سے کام لیتے تھے۔ عثمان بن ابی شیبہ نے کہا کہ وہ احمق تھے اور روایت حدیث میں ہمیں سب سے زیادہ مطلوب تھے وہ مزید کہتے ہیں کہ اثرم نے ہمیں ان سے احادیث لکھنے کا امر کیا تھا[1]

اور دوسرے راوی ہیں کثیر بن سلیم یہ جبارہ کے شیخ ہیں اور افسوس یہ ہے کہ یہ ضعف میں ان سے بھی بڑھ کر ہیں جبارہ کی تو بعض حضرات نے تعدیل اور تقویت بھی کی ہے لیکن کثیر کی روایت کو کسی کا سہارا نہیں ملا۔ عبداللہ بن علی بن مدینی کہتے ہیں کہ کثیر بن سلیم جو صاحب انس ہیں انتہائی ضعیف راوی ہیں اس نے حضرت انس سے پانچ حدیثیں روایت کی تھیں جو بعد میں سو بن گئیں۔ یحییٰ ابن معین ان کی احادیث لکھنے سے منع کرتے تھے نسائی اور ازدی نے انہیں متروک الحدیث، ابوزرعہ نے واہی الحدیث اور ابوحاتم نے انہیں ضعیف اور منکر الحدیث قرار دیا ابوحاتم نے مزید کہا کہ کثیر حضرت انس سے جو روایت بیان کرتے ہیں ان میں ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا۔ ابن حبان نے کہا کہ وہ حضرت انس کی طرف نسبت کر کے احادیث وضع کیا کرتے تھے اسی طرح ابن عدی اور امام بخاری وغیرہ دیگر محدثین نے بھی ان پر سخت جرح کی ہے اور ان کی تائید اور تقویت میں سب خاموش ہیں[2]

بہر حال امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں پانچ ثلاثیات روایت کر کے اپنی اہمیت تو منوائی ہے

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ص ۵۸، ۵۹ ج ۲

[2] ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ج ۸ ص ۴۱۶ تا ۴۱۷

مگر افسوس یہ ہے کہ یہ روایات جبارۃ اور کثیر کے ضعف کا شکار ہو گئیں اور یوں ان ثلاثیات کا کچھ وزن باقی نہیں رہا۔

شرائط امام ابن ماجہ رواۃ کے انتخاب میں وسیع المشرب ہیں اور ہر قسم کے راویوں کی روایت قبول کر لیتے ہیں اور اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ وہ اپنی سنن میں ایسی روایات لانا چاہتے تھے جو دوسری کتب اصول میں موجود نہیں ہیں اسی شوق کی خاطر انہوں نے راویوں کے شدید ضعف کو بھی برداشت کر لیا ہے۔

روایات ابن ماجہ کی فنی حیثیت سنن امام ابن ماجہ میں بکثرت ضعیف احادیث ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی[۱] لکھتے ہیں فیہ احادیث کثیرۃ منکرۃ اس کتاب میں منکر روایات بکثرت ہیں اور حافظ شمس الدین ذہبی[۲] لکھتے ہیں سنن ابن ماجہ عمدہ اور صاف کتاب تھی کاش اس کو چند ضعیف احادیث مکدر اور خراب نہ کرتیں اور جن ضعیف احادیث نے ابن ماجہ کی صفائی کو مکدر کر دیا ہے ان کی تعداد کے بارے میں حافظ شمس الدین ذہبی نے حافظ ابوزرعہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ شاید اس پوری کتاب میں تیس حدیثیں بھی ایسی نہیں ہوں گی جن کی اسناد میں ضعف ہو گا۔ حافظ ذہبی سیر النبلاء میں حافظ ابوزرعہ کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اور ابوزرعہ کا یہ بیان کہ اس میں پوری تیس حدیثیں بھی شاید ضعیف الاسناد نہ ہوں اگر صحیح ہو تو ان تیس حدیثوں سے ان کی مراد انتہائی کمزور اور ساقط روایتیں ہیں ورنہ ابن ماجہ کی جو احادیث قابل استدلال نہیں ہیں ان کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے[۳]

یہ صحیح ہے کہ ابن ماجہ میں ایک ہزار کے قریب ضعیف روایتیں موجود ہیں لیکن سنن ابن ماجہ میں صحیح روایات بھی بکثرت موجود ہیں بلکہ ناقدین فن نے تو سنن ابن ماجہ کی بعض روایات کو صحیح بخاری کی بعض روایات سے بھی راجح قرار دیا ہے چنانچہ صحیح بخاری کے باب میں ہم تفصیل کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں کہ امام بخاری نے باب ماجاء اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ کے تحت شعبہ کی اسناد

۱۔ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ — تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۵۳۱

۲۔ امام ابوعبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ — تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۳۶

۳۔ علامہ محمد بن اسماعیل امیر یمانی — توضیح الافکار ج ۱ ص ۲۳۳

سے ایک روایت ذکر کی ہے جس میں دو غلطیاں ہیں ایک تو یہ کہ اس میں یہ روایت مالک سے بیان کی ہے حالانکہ یہ روایت عبداللہ بن مالک سے ہے دوسرے یہ کہ اس روایت کی سند میں بحینہ کو مالک کی والدہ قرار دیا ہے حالانکہ وہ عبداللہ کی والدہ ہیں مالک کی نہیں اور ابن ماجہ نے جس اسناد کیساتھ یہ روایت بیان کی ہے اس میں یہ غلطیاں نہیں ہیں اسی طرح صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابوسفیان کی موت کی خبر شام سے آئی حالانکہ ان کا انتقال گھر میں ہوا تھا اس کے برخلاف سنن ابن ماجہ میں اس مضمون کی کسی روایت میں یہ بات نہیں ہے نیز صحیح بخاری میں ولید بن عقبہ پر شراب کی حد لگانے میں اسی کوڑوں کا ذکر ہے جبکہ فی الواقع ان کو چالیس کوڑے لگائے گئے تھے اس کے برعکس ابن ماجہ پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ ان کی روایت میں کوڑوں کی تعداد کا ذکر نہیں ہے۔ اس طرح کی اور مثالیں بھی ہیں جن تمام پر تفصیلی گفتگو صحیح بخاری کے باب میں کیجا چکی ہے۔

تعداد مرویات

حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں کہ سنن ابن ماجہ میں بتیس کتب ہیں۔ ابوالحسن القطان بیان کرتے ہیں کہ سنن ابن ماجہ ایک ہزار پانچ سو ابواب ہیں اور کل احادیث کی تعداد چار ہزار ہے[1]

سنن ابن ماجہ کا صحاح ستہ میں اعتبار

پانچویں صدی کے اخیر تک صحاح کی بنیادی کتب میں صرف پانچ کتابوں کا شمار ہوتا تھا بعد میں حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی متوفی ۵۰۷ھ اپنی کتاب شروط الائمۃ الستۃ میں ابن ماجہ کی شروط حدیث میں بحث کی اور اس کو بھی بنیادی کتابوں کے ساتھ لاحق کر کے صحاح کی اصل چھ کتابیں کر دیں اس دور میں حافظ ابن طاہر کے معاصر محدث رزین بن معاویہ مالکی متوفی ۵۳۵ھ نے اپنی کتاب التجرید للصحاح والسنن میں کتب خمسہ کے ساتھ سنن ابن ماجہ کی جگہ موطا امام مالک کو لاحق کر دیا اس کے بعد سے یہ اختلاف رہا کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب موطا امام مالک ہے یا سنن ابن ماجہ۔ مغاربہ موطا کو ترجیح دیتے تھے۔ اور مشارقہ سنن ابن ماجہ کو فوقیت دیتے تھے لیکن متاخرین نے بہرحال سنن ابن ماجہ کے حق میں اتفاق کر لیا اور اب غالب اکثریت اسی طرف ہے کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ ہی ہے۔ علامہ ابوالحسن سندھی مقدمہ شرح ابن ماجہ میں لکھتے

---

[1] امام ابو عبداللہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۳۶

ہیں، وغالب المتاخرین علی انه سادس الستة ؛

آٹھویں صدی ہجری میں یہ آواز بھی سنائی دی کہ صحاح ستہ میں سنن ابن ماجہ کی جگہ سنن دارمی کا اعتبار ہونا چاہیئے چنانچہ حافظ صلاح الدین خلیل متوفی ۷۶۱ھ فرماتے ہیں۔ سنن ابن ماجہ کی جگہ سنن دارمی کو رکھنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کتاب میں سنن ابن ماجہ کی بنسبت ضعیف، منکر اور شاذ روایتیں کم ہیں اور مجموعی طور پر یہ کتاب سنن ابن ماجہ سے بہتر ہے[1] لیکن جمہور نے اس ترمیم میں ان کا ساتھ نہیں دیا اور آج مشرق و مغرب میں ہر جگہ اصول ستہ میں سنن ابن ماجہ ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

شروح وحواشی سنن ابن ماجہ کی شروح وحواشی کے سلسلہ میں کافی قابل قدر کام ہوا ہے جس سے اس کتاب کی افادیت، شہرت اور مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ذیل کی سطور میں ہم چند شروح اور حواشی کا ذکر کر رہے ہیں۔

(۱) **شرح سنن ابن ماجہ**:- یہ سنن ابن ماجہ کے ایک حصہ کی شرح ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کو حافظ علاؤ الدین مغلطای حنفی متوفی ۷۶۲ھ نے تالیف کیا ہے۔

(۲) **ماتمس الیه الحاجة علی سنن ابن ماجہ**:- یہ شیخ سراج الدین عمر بن علی متوفی ۸۰۴ھ کی شرح ہے جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے اس میں صرف ان احادیث کی شرح کی گئی ہے جو کتب خمسہ پر زائد ہیں۔

(۳) **الدیباجہ علی سنن ابن ماجہ**:- یہ شرح شیخ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری متوفی ۸۰۸ھ کی تالیف ہے مصنف اس کتاب کی تحریر اور تبییض سے پہلے ہی وصال کر گئے تھے۔

(۴) **شرح ابن ماجہ**:- یہ کتاب حافظ برہان الدین حلبی متوفی ۸۴۱ھ کی تالیف ہے۔

(۵) **مصباح الزجاجة**:- یہ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کا سنن ابن ماجہ پر ایک مختصر حاشیہ ہے[2]

(۶) **شرح سنن ابن ماجہ**:- یہ شرح حافظ ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی حنفی متوفی ۱۱۳۸ھ کی تالیف ہے۔

---

[1] شمس الدین سخاوی — فتح المغیث ج ۱ ص ۳۳
[2] حاجی خلیفہ متوفی ۱۰۶۷ھ — کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۰۴

(۱۰) انجاح الحاجۃ :۔ یہ شرح عبدالغنی بن ابی سعید حنفی دہلوی متوفی ۱۲۹۵ھ کی تالیف ہے۔

سنن ابن ماجہ کے رواۃ | حافظ عسقلانی نے سنن ابن ماجہ کے چھ راوی بیان کیے ہیں۔ (۱) ابو الحسن بن القطان (۲) سلیمان بن یزید (۳) ابو جعفر محمد بن عیسیٰ (۴) ابو بکر حامد الابہری (۵) سعدون (۶) ابراہیم بن دینار [1]

○

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۵۳۲
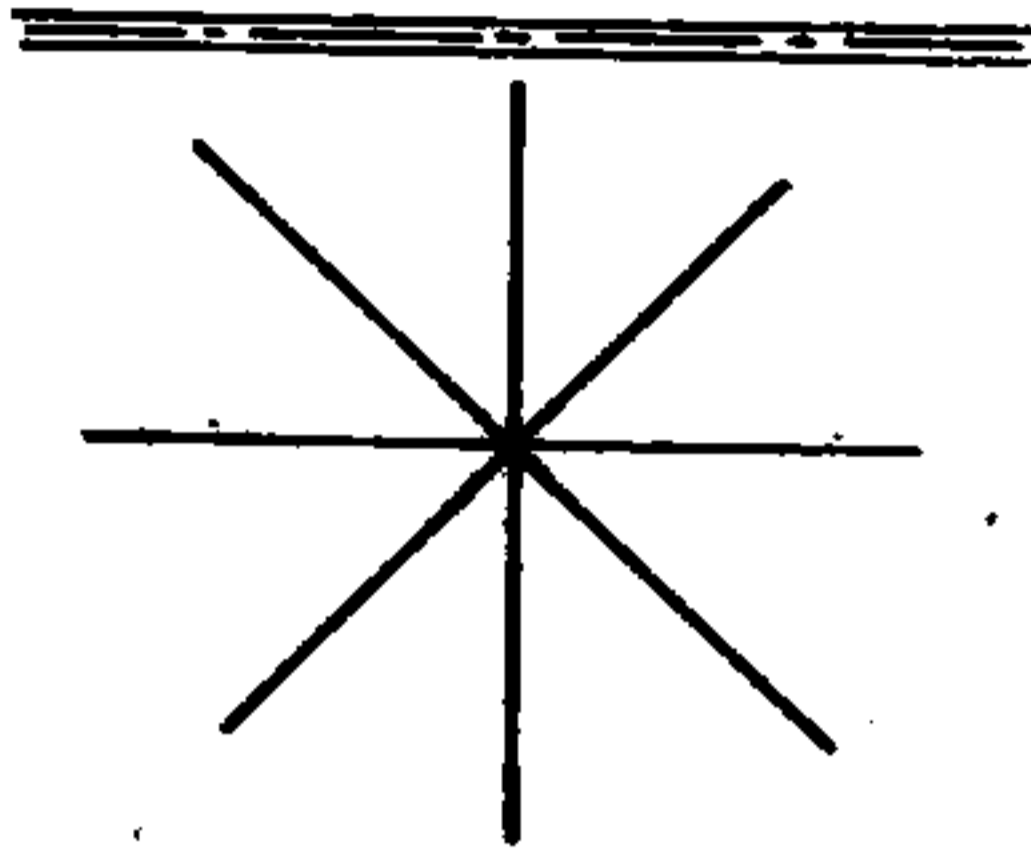
تذکرۂ اکابر اہل سنت پاکستان پر

پروفیسر محمد مسعود احمد مظہری پرنسپل گورنمنٹ کالج مٹھی ضلع تھرپارکر (سندھ) کے

تاثرات

محترمی زید لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

دل پسند و دلپذیر، دلکش و دلربا تحفہ نظر نواز ہوا — کتاب زندگی کھول کر رکھ دی — نہیں نہیں — دل نکال کر رکھ دیا — مرحبا! مرحبا! — یہاں حسن و جمال کا ایک نیا عالم ہے — گل و یاسمن کی ایک نئی بہار ہے —

دماغوں میں، سینوں میں، رسالوں میں، اخباروں میں جو کچھ مخفی تھا، سامنے لاکر رکھ دیا — بکھرے ہوئے اوراق کو سمیٹ کر رکھ دیا — منتشر دانوں کو پرو کر رکھ دیا — پنکھڑیوں سے گل ہی نہیں ایک گلشن بنا دیا —

سبحان اللہ! سبحان اللہ!

عالم برزخ سے عالم آب وگل میں لانا کوئی آسان کام نہ تھا، آپ نے اس مشکل کو آسان کر دکھایا اور ایک حشر بپا کر دیا ــــــ اس ہمت مردانہ کو آفریں، صد آفریں!

ہزار ہزار رحمتیں ہوں اس والد ماجد پر جس کے چمن میں ایسے پھل پھول لگے اور ہزار ہزار سلام ہوں اس فرزند دلبند پر جس نے اسلام اور علماء اسلام کی خدمت کا حق ادا کر دیا ــــــ ہاں ہاں شہیدوں کا سلام ہو، ولیوں کا سلام ہو، عالموں کا سلام ہو اور ہم جیسے گنہ گاروں اور سیاہ کاروں کا بھی سلام ہو۔!

خدا کرے تذکرۂ اکابر اہل سنت کی دوسری جلد بھی اسی شان و شکوہ سے منظر عام پر آئے۔ دلوں میں بٹھائی جائے، آنکھوں پر لگائی جائے۔ آمین اللھم آمین۔

یہ احقر اس شاندار تالیف پر آپ کو اور تمام معاونین کو مبارک باد پیش کرتا ہے اور دعاؤں کے گلدستے پیش کرتا ہے۔

فقط والسلام

احقر محمد مسعود عفی عنہ

۲۵-۱۱-۷۹

اُن کا سایہ اِک تجلی، اُن کا نقشِ پا چراغ
وہ جدھر گزرے اُدھر ہی روشنی ہوتی گئی
تذکرہ اکابرِ اہلِ سنت (پاکستان)
مرتب: مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری
تعارف: علامہ غلام رسول سعیدی
تقریب: حکیم محمد موسیٰ امرتسری
تقدیم: پروفیسر محمد مسعود احمد ایم اے۔ پی ایچ ڈی
ملتِ اسلامیہ کے اُن اکابر رحمہم اللہ کے مستند حالاتِ زندگی نیز ان کی دینی، علمی، ملکی اور ملی خدمات کی تفصیل جانئے جنہوں نے
قرآن وحدیث کے انوار ومعارف تقریر، تدریس اور تصنیف کے ذریعے عوام وخواص تک پہنچائے
برصغیر میں پرچمِ اسلام بلند رکھنے میں نمایاں کردار ادا کیا
دشمنانِ اسلام کی شاطرانہ چالوں کو ناکام بنایا
اپنے علم وعمل سے عشقِ مصطفےٰ کے چراغ روشن کیے
ناموسِ مصطفیٰ کے تحفظ کی خاطر زندگیاں وقف کردیں
انگریز اور ہندو کی سازشوں کے تار وپود بکھیر دیے
فرنگی اور کانگرسی ایجنٹوں کے عزائم کو خاک میں ملا دیا
گاندھی کے ساحرانہ طلسم کو پاش پاش کردیا
دو قومی نظریہ کو پروان چڑھایا اور قیامِ پاکستان میں جماعتی طور پر مسلم لیگ سے بھرپور تعاون کیا
جہادِ کشمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا
قادیانیت کے ناسور کو ختم کرنے کے لیے تحریکِ ختمِ نبوت کی قیادت فرمائی اور قید وبند کی صعوبتوں کو سعادت سمجھتے ہوئے خندہ پیشانی سے قبول کیا۔
خطۂ پاک سے تعلق رکھنے والے ایسے ۷۲ علماء ومشائخ کے روح پرور تاریخی حالات جو نہ صرف موجودہ دور میں مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی مشعلِ راہ ثابت ہوں گے۔
اعلیٰ کاغذ
خوبصورت کتابت
آفسٹ طباعت
ڈائی دار اور دلکش جلد
صفحات: ۵۹۲
قیمت ۳۰ روپے
ملنے کا پتا: مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور